وطن کے سرفروش
کارگل کے شاہین
INDIAN AIR FORCE
اے حمید

خفیہ آبدوز بحیرہ عرب کے سمندر میں پانچ سو فٹ کی گہرائی پر پچیس سمندری میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پانی کے اندر ہی اندر سفر کرتے ہوئے بھارت کے رن کچھ والے ساحل کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اس وقت آبدوز کے ایک مربع انچ رقبے پر سمندر کا پانی تین ٹن کا دباؤ ڈال رہا تھا۔ یہ جدید ترین آبدوز جس کے ملک کا نام میں یہاں ظاہر نہیں کروں گا، کھلے سمندر کے نیچے ایک ہزار فٹ کی گہرائی تک سفر کرتے ہوئے جب بھارت کے رن کچھ والے مغربی ساحل کے نزدیک پہنچی تو پانچ سو فٹ اوپر آ گئی تھی۔ آبدوز کے اندر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف انجنوں کے چلنے کی معمولی سی گونج اور کسی آلے کی ٹک ٹک کی دھیمی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ ساحل کے زیادہ قریب آجانے پر آبدوز مزید اوپر ہو گئی۔ آبدوز کا کمانڈر پیری سکوپ کے ساتھ آنکھیں لگائے سمندر کے باہر کا منظر دیکھنے لگا۔

پیری سکوپ ایک ایسی دوربین ہوتی ہے جس کے اوپر ایک لمبا پائپ لگا ہوتا ہے۔ یہ پائپ سطح سمندر سے تھوڑا سا باہر نکلا ہوتا ہے۔ اس دوربین کی مدد سے آبدوز کا کپتان زیر آب رہ کر بھی سمندر کے باہر کا منظر دیکھ سکتا ہے۔ یہ آبدوز بھارت کے مغربی ساحل پر کسی بھارتی جہاز کو تارپیڈو کا نشانہ بنانے نہیں آئی تھی بلکہ اس کا ایک خفیہ مشن تھا۔ اس نے دو پاکستانی کمانڈوز کو رات کی تاریکی میں بھارت کے مغربی

ساحل کے ایک ویران ٹاپو پر اتارنا تھا۔ یہ ٹاپو ایک ویران اور گمنام چھوٹا سا جزیرہ تھا جس کے آگے چند میل کے فاصلے پر پوربند کی بندرگاہ تھی۔ اس بندرگاہ کے شمال میں سمندر کا ریتلا ساحل تھا جو بھاؤنگر کی اہم ترین اور حساس ترین بندرگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ دس میل کا سفر تھا۔

دونوں پاکستانی کمانڈوز کو آبدوز کے کمانڈر کی طرف سے گرین سگنل مل چکا تھا اور وہ اپنے چھوٹے سے کیبن سے نکل کر کمانڈر کے پاس آ گئے تھے جو پیری سکوپ دوربین سے سطح سمندر کے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ سمندر کے اوپر رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، مگر پیری سکوپ میں ایسے لینز لگے ہوئے تھے جو رات کی تاریکی میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ گرین سگنل کا مطلب تھا کہ کمانڈر کو ٹارگٹ نظر آ گیا ہے۔ آبدوز کے عملے کا ہر کارکن اپنی اپنی جگہ پر پوری مستعدی کے ساتھ بیٹھا کمانڈر کے سرخ سگنل کا انتظار کر رہا تھا۔ سرخ سگنل کے ملتے ہی آبدوز کو سمندر کی سطح پر آ جانا تھا۔ دو ڈھائی منٹ کے بعد کمانڈر نے سرخ سگنل دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی آبدوز کے بڑے ٹینک میں سے ایک ہزار ٹن پانی، ہوا کے دباؤ سے چلنے والے پمپوں کے ذریعے تیس ٹن فی سیکنڈ کی رفتار سے خارج ہونا شروع ہو گیا اور آبدوز آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھتی چلی گئی۔ اس وقت آبدوز کے انجن بند کر دیئے گئے تھے۔

دونوں کمانڈو اوپر آبدوز کے گول ڈھکنے کی طرف جانے والے آہنی زینے کے پاس آ گئے۔ دونوں نے غوطہ خوری کے سوٹ پہن رکھے تھے جو ان کے جسم کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ نائیلون کے بڑے تھیلے ان کے قریب ہی رکھے ہوئے تھے۔ آبدوز کو سمندر کی سطح پر ابھرتے ہوئے پندرہ بیس سیکنڈ لگ گئے۔ جیسے ہی آبدوز سطح سمندر پر ابھری اس کا گول بڑا ڈھکن کھل گیا۔ دونوں کمانڈوز نے تھیلے کاندھوں پر ڈالے اور آہنی زینہ چڑھ کر آبدوز کے باہر آ گئے۔ اس وقت رات کا سوا ایک بجا تھا۔ یہ دشمن کا ساحلی اور حساس ترین علاقہ تھا۔ سمندر پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آبدوز وہاں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ آبدوز کے سطح سمندر پر آتے ہی دونوں کمانڈوز نے نائیلون کے تھیلے اپنی کمر پر باندھے، آکسیجن ماسک چہروں پر چڑھائے اور سمندر میں کود گئے۔ نقشے کی مدد سے انہیں ویران جزیرے کی سمت پوری طرح سے ذہن نشین کرا دی گئی تھی۔ وہ سمندر کے اندر غوطہ لگانے کے بعد ٹھیک سمت کو تیرتے چلے گئے۔ ان کے پیچھے آبدوز سمندر میں غوطہ لگا گئی تھی۔ ان کمانڈوز کا مشن کیا تھا؟ یہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔ جو چیز میں آپ کو نہیں بتاؤں گا وہ ان کمانڈوز کے نام اور حلیئے ہیں۔ نام میں فرضی رکھوں گا اور حلیہ بتانے کی ضرورت نہیں...... یوں سمجھ لیں کہ دونوں کی عمریں پچیس اور چھبیس سال کے درمیان تھیں...... پورے جوان تھے۔ جسم کسرتی اور صحت مند تھے، مکمل طور پر تربیت یافتہ کمانڈوز تھے اور مارشل آرٹ کے ماہر تھے۔

سمندر کے اندر ہی اندر ڈھائی تین میل تک تیرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے سطح سمندر پر ابھر آئے۔ آگے سینئر کمانڈو عمران تھا اور اس کے پیچھے کمانڈو جبران تھا۔ ان کی دائیں جانب دور سمندر میں کھڑے جہازوں اور بندرگاہ پوربندر کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں جن کا عکس سمندر میں جھلملا رہا تھا۔ وہ ان روشنیوں کی مخالف سمت میں تیرتے ہوئے ویران ٹاپو کے ساحل پر نکل آئے۔ ساحل پر نکلنے کے فوراً بعد انہوں نے اپنے اپنے پاؤں سے تیرنے والے فلیپر اتار کر ہاتھوں میں پکڑ لئے۔ وہ انہیں وہاں پھینک نہیں سکتے تھے کیونکہ یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ یہاں کمانڈو اترے ہیں اور دشمن ہوشیار ہو جاتا ہے اور حساس ترین علاقے میں تو فوری طور پر بڑی سرگرمی سے کمانڈوز کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ٹاپو زیادہ چوڑا نہیں تھا...... اندھیرے میں دور کچھ فاصلے پر ٹاپو کا دوسرا ساحل تھا جہاں تاریکی چھائی تھی۔ دونوں کمانڈو دوسرے ساحل کی طرف چاروں طرف سے ہوشیار ہو کر چلے جا رہے تھے...... پھر وہ ایک جگہ خشک سرکنڈوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ ان کی نظریں دور دوسرے

ساحل کے اندھیروں پر جمی ہوئی تھیں...... جب انہیں بیٹھے بیٹھے ایک منٹ گزر گیا تو کمانڈو جبران نے آہستہ سے کہا۔

"کہیں اپنا آدمی پکڑا تو نہیں گیا؟"۔

اس کے لہجے میں تشویش تھی...... کمانڈو عمران دور اندھیرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے...... ویسے ہمیں خفیہ سگنل کا انتظار کرنا ہوگا"۔

اتنے میں دور اندھیرے میں روشنی کا ایک نقطہ تین بار ٹمٹمایا...... کمانڈو عمران کے ہاتھ میں چھوٹی پنسل ٹارچ تھی...... اس نے ٹارچ کا رخ دوسرے ساحل کی طرف کر کے اسے تین بار روشن کیا...... اس کے بعد اندھیرے میں دور صرف ایک بار روشنی چمکی...... یہ اس بات کا سگنل تھا کہ سب ٹھیک ہے...... ان کا اپنا آدمی جزیرے پر پہنچ چکا تھا اور ان کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں کمانڈوز نے جلدی جلدی اپنا اپنا تھیلا کھول کر مچھیروں کے کپڑے نکالے...... غوطہ خوری کا سوٹ اتار کر فلیپروں اور آکسیجن ماسک کے ساتھ ایک طرف رکھ کر مچھیروں کے کپڑے پہنے اور تھیلے میں سے ہی چھوٹا بیلچہ نکال کر وہاں گڑھا کھود کر غوطہ خوری کے سوٹ، فلیپر آکسیجن ماسک اس میں دبا کر اوپر جھاڑیوں کی شاخیں توڑ کر ڈال دیں...... اپنے اپنے پستول چیک کئے...... دونوں کے پاس خاص کمانڈو گلاک۔ 17 کا 9 ایم ایم آٹومیٹک پستول تھا جس کے میگزین میں سے 17 راؤنڈ فائر ہوتے تھے...... یہ خاص کمانڈوز کا پستول تھا جس کا وزن ہلکا تھا اور جس کی گولی جسم کے اندر جا کر ہینڈ گرنیڈ کی طرح پھٹتی تھی۔

دونوں کمانڈوز یعنی کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران وہیں ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ کر اس طرف دیکھنے لگے جدھر سے انہیں آل کلیئر کا سگنل ملا تھا...... پستول ابھی تک ان کے ہاتھوں میں ہی تھے کیونکہ یہ دشمن کا سگنل بھی ہو سکتا تھا جس نے اپنی انٹیلی جنس کے ذریعے ہمارے سگنل پکڑ لئے ہوں...... چند لمحوں کے بعد دور اندھیرے میں تین بار روشنی کا نقطہ روشن ہو کر بجھ گیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ہم تمہاری طرف آرہے ہیں۔ کمانڈو عمران نے تین بار ٹارچ روشن کر کے جوابی سگنل دیا کہ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں...... ساتھ ہی اپنے ساتھی کمانڈو جبران کو اشارہ کیا۔ کمانڈو جبران دوڑ کر پندرہ گز کے فاصلے پر گیا اور پستول دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوندھے منہ ریت پر لیٹ گیا...... ایسا اس لئے کیا گیا کہ اگر اپنے آدمی کی جگہ دشمن آرہا ہے تو اسے وہیں ڈھیر کر دیا جائے...... تھوڑی دیر بعد ایک انسانی سایہ رات کی تاریکی میں کمانڈو عمران کے سامنے آکر رک گیا...... اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"میری بچی کو پیاس لگی ہے۔ کیا پینے کو پانی مل جائے گا؟"۔

یہ کوئی کوڈ خفیہ فقرہ تھا...... اس کے جواب میں کمانڈو عمران نے کوڈ جملہ بولا۔

"کیا راون کی لنکا جل رہی ہے؟"۔

انسانی سائے نے مزید کوڈ الفاظ میں کہا۔

"بیار بھینٹ کے پنچھی اڑ گئے ہیں"۔

ان خفیہ اشاراتی جملوں کے بعد جب دونوں طرف سے ایک دوسرے کی شناخت ہوگئی تو کمانڈو عمران نے کمانڈو جبران کو ہلکی سی سیٹی بجا کر واپس بلالیا...... اندھیرے میں آنے والے اجنبی نے عمران اور جبران سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔

"سمندر میں کسی نے پیچھا تو نہیں کیا؟"۔

کمانڈو عمران نے جواب دیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی...... ویسے بھی ہم سمندر کے اندر تیر رہے تھے"۔

"تمہارے اپنے کپڑے کہاں ہیں؟" اجنبی نے پوچھا۔

عمران نے کہا...... وہ ہم نے زمین میں دبا دیئے ہیں۔

"میرے ساتھ آجاؤ"۔

یہ کہہ کر اجنبی نے دونوں کمانڈوز کو ساتھ لیا اور ریت پر سمندر کی مخالف سمت

کو چل پڑا...... تاریک رات میں سمندر کے کنارے کی ریت دور تک پھیلی ہوئی دھند کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اجنبی گائیڈ نے بھی ساحلی مچھیروں کا لباس پہن رکھا تھا۔

یہ علاقہ، جہاں دونوں کمانڈوز عمران اور جبران اپنے گائیڈ کی راہ نمائی میں ریت کے میدان میں اندر کی طرف چلے جا رہے تھے...... خلیج کچھ کے دائیں بازو کا علاقہ بڑا حساس تھا...... خلیج کچھ میں انڈین نیوی کا اہم ترین خفیہ اور سب سے بڑا فوجی بحری اڈا تھا جہاں بھارت کے بڑے جنگی بحری جہاز "میسور" اور "رنجیت" کے علاوہ بھارت کا سب سے بڑا اور خطرناک طیارہ بردار بحری جہاز "وکرانت" بھی لنگر انداز تھا...... اس جہاز کے عرشے پر اسی لڑاکا بمبار طیارے تھے۔ ان کے علاوہ اسی خلیج میں انڈین نیوی کے فریگیٹ یعنی آبدوز شکن جنگی جہاز بھی گشت کرتے رہتے تھے...... اس اہم ترین بحری فوجی اڈے کی حفاظت کے لئے کاٹھیاواڑ سے لے کر سورت کے ساحل تک ساحلی توپ خانے کی بے شمار توپیں نصب تھیں...... اس بحری فوجی اڈے کی حفاظت کے لئے جام نگر اور راج کوٹ کے ارد گرد چھ ہوائی اڈوں پر انڈین ایئر فورس کے لڑاکا اور بمبار طیارے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ خلیج کچھ کے اس حساس ترین بحری فوجی اڈے سے شمال کی جانب دوارکا کے مقام پر حملہ آور طیاروں کو قبل از وقت خبر دینے کے لئے ایک بے حد طاقتور ریڈار نصب تھا...... یہ ریڈار پاکستان پر ہوائی حملے کی صورت میں کراچی، حیدر آباد اور رحیم یار خاں تک بھارتی بمبار طیاروں کی بخوبی راہ نمائی کر سکتا تھا...... اس کے علاوہ پوربندر کے مقام پر گولہ بارود اور اہم جنگی ساز و سامان کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ڈمپ تھا۔

اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہمارے دونوں جانباز کمانڈو اپنی جان کا کتنا بڑا خطرہ مول لے کر دشمن کی سرزمین پر اترے تھے...... یہ وہ مشن تھا کہ جس پر جانے والے محب وطن کمانڈوز میں سے کوئی کوئی ہی واپس آتا تھا۔ ریت کے میدان میں ایک گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد ایک جگہ پر سمندر اندر کی جانب آ گیا ہوا تھا اور وہاں کھاڑی بن گئی تھی...... یہاں ان کے اجنبی گائیڈ نے ٹیلے کے پیچھے ایک چھوٹی کشتی چھپا رکھی تھی۔ وہ کشتی پر بیٹھ گئے اور کھاڑی میں اوپر کی طرف کشتی کھینے لگے...... اندھیرے میں ان کا گائیڈ انہیں سمت اور راستہ دکھاتا چلا جا رہا تھا۔ وہ کمانڈو عمران سے کہہ رہا تھا۔

"یہاں ہم اپنے کمانڈوز کی مدد کے لئے مقامی مچھیروں میں سے ایک آدھ کو بھاری معاوضہ دے کر چند گھنٹوں کے لئے خرید لیا کرتے ہیں...... لیکن تمہارا مشن اتنا اہم اور نازک تھا کہ ہمیں کسی بھی مسلمان یا غیر مسلمان مچھیرے کو اعتماد میں لینے کو سختی سے منع کر دیا گیا تھا...... اسی لئے تم لوگوں کو بھاؤ نگر تک پہنچانے کی میری ڈیوٹی لگائی گئی۔"

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"یہاں سے بھاؤ نگر کتنے فاصلے پر ہے؟"۔

گائیڈ بولا۔

"دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے"۔

گائیڈ مچھیرے نے کشتی میں پہلے سے مچھلیوں کے دو بھرے ہوئے ٹوکرے رکھ دیئے تھے تاکہ اگر راستے میں انڈین نیوی کی کوئی گشتی موٹر بوٹ مل جائے تو انہیں یہی کہا جائے کہ ہم مچھیرے ہیں، رات کو مچھلیاں پکڑنے کے لئے کھاڑی میں نکلے ہیں...... یہ بات گائیڈ مچھیرے نے کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو بھی سمجھا دی تھی...... ان دونوں کمانڈوز کو اس علاقے کی گجراتی کاٹھیاواڑی زبان کی بھی اچھی طرح سے ٹریننگ دی گئی تھی اور وہ دونوں گجراتی زبان روانی سے بول اور سمجھ لیتے تھے۔ ان کو ہر طرح سے مکمل تربیت دے کر اس مشن پر روانہ کیا گیا تھا۔ یہ بات گائیڈ مچھیرے کو بھی معلوم تھی کہ دونوں کمانڈو گجراتی زبان بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ باقی دو چار ضروری باتیں اس نے عمران اور جبران کو زبانی سمجھا دی تھیں...... گائیڈ مچھیرا اور کمانڈو عمران کشتی کے چپو چلا رہے تھے...... کچھ دیر کے بعد جبران چپو سنبھال لیتا تھا اور گائیڈ مچھیرا مہار تھام لیتا تھا تاکہ کشتی کو صحیح سمت پر چلائے رکھے۔

اندھیری رات میں ڈیڑھ گھنٹے کے سمندری سفر کے بعد انہیں دور سے ساحل پر روشنیاں نظر آنے لگیں...... گائیڈ نے بتایا کہ ہم بھاؤنگر کی خلیج کی اہم اور حساس بندرگاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں...... خلیج کچھ کا یہ علاقہ آبنائے کی طرح تھا جہاں سمندر ایک دریا کی طرح اندر کو دور تک چلا گیا تھا...... بھاؤنگر آبنائے کا آخری کنارا تھا...... بھاؤنگر پہنچ کر سمندر ختم ہو جاتا تھا۔ یہاں سمندری آبنائے کا راستہ اتنا تنگ ہو جاتا تھا کہ اس میں سے صرف ایک بڑا جنگی یا طیارہ بردار جہاز ہی گزر سکتا تھا...... اس آبنائے میں انڈین نیوی کے آبدوز شکن فریگیٹ چھوٹے جہاز دن رات گشت لگاتے رہتے تھے۔ گائیڈ نے کشتی کے آگے کی جانب کے چپو خود سنبھال لئے تھے...... اس نے بتایا کہ ہم کشتی کو بھاؤنگر کی بندرگاہ کے سمندر کی جانب نہیں لے جا سکتے...... وہاں جانے کی کسی مچھیرے کو اجازت نہیں ہے۔ ہم بندرگاہ سے بہت پیچھے ایک چھوٹی سی کھاڑی میں سے گزر کر ساحل پر اتریں گے

اور وہاں سے ہمیں اندھیرے میں چھپ کر بھاؤنگر تک پیدل جانا ہوگا۔

گائیڈ نے کشتی کو بندرگاہ کی سمت سے ہٹا کر چھوٹی کھاڑی کی طرف ڈال دیا...... عین اس وقت سمندر میں ایک گشتی موٹر بوٹ نمودار ہوئی...... اس کی تیز روشنی ان کی کشتی پر پڑ رہی تھی...... گائیڈ مچھیرے نے فوراً ہم سے پستول لے کر کشتی کے ایک خفیہ خانے میں چھپا دیئے اور کہا۔

"یہ انڈین نیوی کی پٹرولنگ موٹر بوٹ ہے، تمہیں کیا کہنا ہے؟ میں نے تمہیں بتا دیا ہوا ہے...... یاد رکھنا گجراتی کے سوا کسی اور زبان میں بات نہ کرنا"۔

عمران اور جبران گائیڈ کی ہدایات کے مطابق ٹوکروں میں سے مچھلیاں نکال نکال کر پلاسٹک کے تھیلوں میں ڈالنے لگے...... انہوں نے گشتی موٹر بوٹ کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔ یہ ظاہر کیا کہ یہ تو ہمارا روز کا معمول ہے اور ہم اس چیکنگ کے عادی ہیں۔

اتنے میں موٹر بوٹ ان کے قریب آ گئی۔ موٹر بوٹ پر نیوی کا جھنڈا لہرا رہا تھا...... ڈیک کی روشنی میں انہیں چھ سات بحریہ کے فوجی سٹین گنیں پکڑے کھڑے نظر آئے...... موٹر بوٹ نے کشتی کے گرد ایک چکر لگایا اور کشتی کے عین قریب آ کر رک گئی...... ایک بحری افسر نے گجراتی زبان میں گرج کر پوچھا۔

"ادھر کیا کر رہے ہو؟"۔

گائیڈ نے گجراتی زبان میں کہا۔

"مہاراج! غریب مچھیرے ہیں، رات کو مچھلیاں پکڑنے نکلے تھے...... اب گھروں کو واپس جا رہے ہیں"۔

ایک بحری فوجی کشتی میں آ گیا...... اس نے مچھلیوں کے ٹوکروں کو اِدھر اُدھر کر کے دیکھا...... پھر عمران اور کمانڈو جبران کو سرچ لائٹ کی روشنی میں غور سے دیکھا اور ان سے گجراتی میں پوچھا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔

کمانڈو عمران کو جیسا کہ سمجھایا گیا تھا اس نے گجراتی میں جواب دیا۔

"پٹ فیدر کے مچھیرے ہیں مارا! کھاڑی میں رات کو ہی شکار پر نکلتے ہیں...... ہماری باری رات کو ہی آتی ہے سرکار...... ہم غریب مچھیروں کو دن کے وقت کوئی بھی مچھلیاں نہیں پکڑنے دیتا"۔

اسی دوران ایک اور فوجی کشتی میں اتر آیا تھا اور وہ کشتی کی اچھی طرح سے تلاشی لے رہے تھے...... ہم کو پکڑوانے والی کشتی میں ایک ہی چیز تھی...... یعنی ہمارے گلاک 17 کمانڈو پستول، لیکن وہ کشتی کے ایک ایسے خفیہ خانے میں چھپائے ہوئے تھے کہ بحری سپاہیوں کی ان تک نظر نہیں جا سکتی تھی۔ موٹر بوٹ کے اوپر سے کسی افسر نے چلا کر اپنے فوجیوں سے انگریزی میں پوچھا۔

"یہ لوگ کون ہیں؟"۔

کشتی میں کھڑے بحری فوجی نے کہا۔

”سر! مچھیرے ہیں“۔

افسر نے تیز لہجے میں انگریزی میں کہا۔

”تو پھر وقت ضائع کیوں کرتے ہو...... اوپر آجاؤ“۔

دونوں بحری فوجی جلدی سے موٹر بوٹ کی سیڑھی چڑھ کر اوپر ڈیک پر چلے گئے...... موٹر بوٹ نے دوبارہ ہارن دیا اور انجن سٹارٹ ہونے کے بعد وہ گھوم کر آبنائے کے دہانے کے سمندر کی طرف چل دی...... عمران اور جبران نے اطمینان کا سانس لیا...... گائیڈ نے چپو سنبھال لئے اور وہاں کی اردو میں بولا۔

”خدا نے مصیبت کو ٹال دیا“۔

یہ گائیڈ مسلمان مچھیرا تھا...... اسے معلوم تھا کہ دونوں کمانڈو بھی مسلمان ہیں...... مگر ہندو بن کر آئے ہیں اور بھاؤنگر اپنے خاص آدمی کے پاس ہندو بن کر ہی جائیں گے...... اس کا اصلی نام مسلمانوں والا تھا جو میں یہاں نہیں بتاؤں گا اور یہ بھی نہیں بتاؤں گا کہ وہ بھاؤنگر میں کیا کاروبار کرتا تھا اور اس کا دفتر کہاں پر تھا...... میں اسے دکاندار ظاہر کروں گا اور اس کا ہندوانہ نام بھی آپ کو فرضی بتاؤں گا...... اس کا وہ ہندوانہ نام نہیں بتاؤں گا جس نام سے وہ آج بھی بھاؤنگر میں بیٹھا یعنی دشمن کے پیٹ میں بیٹھا اس کے پاکستان دشمن عزائم کی ایک ایک لمحے کی رپورٹ پاکستان تک پہنچا رہا ہے اور یوں موت کے منہ میں بیٹھا وطن عزیز کی خدمات سرانجام دے رہا ہے...... اس محب وطن کے اصلی مسلمانوں والے نام بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں اس کا وہ ہندوانہ نام بھی نہیں بتاؤں گا جس نام سے وہ وہاں پچیس سال سے بیٹھا کاروبار کر رہا ہے...... میں اس کا فرضی ہندوانہ نام چندر کانت رکھ لیتا ہوں...... عمران اور جبران دونوں کمانڈوز نے گائیڈ کو بتا دیا تھا کہ انہوں نے دھرم داس اور دیوی رت اپنے نام رکھے ہیں...... کمانڈو عمران نے کہا۔

”میں نے اپنا نام دھرم داس رکھا ہے“۔

اور جبران نے کہا۔

”میں نے اپنا نام دیوی رت رکھا ہے“۔

گائیڈ نے کہا تھا۔

”ان ناموں کو اچھی طرح سے ذہن میں بٹھالو اور زبان پر چڑھالو...... اگر کہیں ذرا سی بھول چوک ہو گئی تو مارے جاؤ گے“۔

بلکہ تم ایک دوسرے کو اسی ہندوانہ ناموں سے بلایا کرو۔

اپنا آدمی جو پچیس سال سے بھارت کے ساحلی شہر بھاؤنگر میں دشمن کے پیٹ میں بیٹھ کر کاروبار کر رہا تھا اور اس نے اپنا نام چندر کانت گجراتی مشہور کر رکھا تھا، اس کے بارے میں عمران اور جبران کو بھی پورے طور پر بریف کر دیا گیا تھا، یعنی اس کی فوٹو بھی پاکستان میں انہیں دکھا دی گئی تھی اور اس کا اصلی اسلامی نام بھی بتا دیا گیا تھا اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ وہ صوبہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور کا باشندہ ہے اور اس کا کوئی نام شاہ جی رکھا گیا ہے...... لیکن عمران اور جبران کو سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ زیادہ تر اسے چندر کانت یا مہاشہ جی کے نام سے ہی بلائیں...... پاکستان کا یہ گمنام محب وطن جانباز جس کا کوڈ نام شاہ جی اور بھارت میں جس کا نام چندر کانت تھا 1971ء کی جنگ کے فوراً بعد گجرات کاٹھیاواڑ کے مشہور شہر احمد آباد سمگل کر دیا گیا تھا۔ وہاں اس نے گجراتی زبان پر عبور حاصل کیا اور چار پانچ سال وہاں رہا...... اس کے بعد ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت بھاؤنگر کے بندرگاہی شہر میں آگیا اور عین اس مقام پر جہاں اندر کی طرف آیا ہوا سمندر ختم ہوتا تھا اور جہاں کھاڑی کے ایک ممنوعہ علاقے میں انڈین نیوی کے جنگی اور طیارہ بردار جہاز ”وکرانت“ اور ”میسور“ اور ”رنجیت“ آبدوز شکن فریگیٹ جہازوں کی حفاظت میں لنگر انداز ہوتے تھے...... بندرگاہ کے عقب کی ایک مارکیٹ میں اپنا چھوٹا سا کاروبار شروع کر دیا...... ہم اس کاروبار کی نوعیت آپ کو نہیں بتائیں گے...... یوں سمجھ لیں کہ یہ ایک عام قسم کا کاروبار تھا جس کی شاہ جی عرف چندر

کانت گجراتی کو خاصی طور پر ٹریننگ دی گئی تھی...... ایک دکان میں اس نے اپنا چھوٹا سا دفتر بنالیا۔ دکان کے اوپر ایک چوبارہ تھا جس میں رہائش اختیار کرلی...... اس نے یہ ظاہر کیا کہ اس کے ماتا پتا بمبئی میں رہتے تھے...... وہ گجراتی تھے اور سورت کے رہنے والے تھے۔ وہ بمبئی میں پیدا ہوا...... پھر ماتا پتا کے ساتھ سورت آگیا۔ ابھی دس برس کا تھا کہ ماتا پتا سورگباش ہوگئے۔ یعنی مرگئے...... ایک رشتے دار نے اسے پڑھایا لکھایا...... وہ بڑا ہوا تو بمبئی واپس چلا گیا اور اپنا آبائی کام کرنے لگا...... وہاں کاروبار نہ چلا تو بھاؤنگر میں آگیا جہاں اس کا کاروبار تھوڑا جم گیا۔ وہ ایک خاص مشن لے کر بھاؤنگر آیا تھا۔ اس کا کام آبنائے کی کھاڑی میں انڈین نیوی کے طیارہ بردار اور جنگی جہازوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی اور ان کے خفیہ اڈوں کا سراغ لگانا تھا۔ جب وہ بھاؤنگر میں آیا تھا تو انڈیا کے پاس کوئی طیارہ بردار جہاز نہیں تھا۔ صرف جنگی جہاز تھے...... پھر انڈیا نے ایک طیارہ بردار جہاز تیار کرلیا جس پر اسی (۸۰) طیارے اترتے اور چڑھتے تھے۔ انڈین نیوی نے سن 65ء کی جنگ میں ناکامی کے بعد اپنے جنگی جہازوں اور آبدوز شکن تباہ کن جہازوں میں بہت اضافہ کرلیا تھا۔ اسی وقت انڈین نیوی کے پاس ایک طیارہ بردار بحری جہاز سات بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہاز پچاس آبدوز شکن فریگیٹ اور تقریباً نصف درجن بڑے جنگی جہاز تھے جن کی نمائش جنگی مشقوں میں انڈین نیوی کی طرف سے ہوتی رہتی تھی۔ متفرق جنگی جہاز بیس تھے اور تین فلیٹ ٹینکر تھے۔ مارچ 1975ء میں انڈین نیوی نے پاکستان کو فرضی نشانہ بنا کر بمبئی اور کوچین کے ساحلوں سے دور جنگی مشقیں بھی کی تھیں...... شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی انڈین نیوی کی بحری قوت اور اس کے جنگی جہازوں کی نقل و حرکت کی پوری رپورٹ تیار کر کے خفیہ نقطوں کی زبان میں لکھ کر پاکستان برابر بھیجتا رہتا تھا۔ یہ کام اسے انتہائی خفیہ طریقے اور بڑی احتیاط سے کرنا پڑتا تھا۔ یہ اس قدر خطرناک کام تھا کہ ذرا سی غفلت اسے انڈین نیوی کے فائرنگ سکوئیڈ کے سامنے کھڑا کرسکتی تھی اور اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو سکتا تھا، لیکن وہ یہ کام رضاکارانہ طور پر وطن پاک کی محبت، اس کی سالمیت اور اس کے استحکام کے لئے کررہا تھا، کیونکہ اسے معلوم ہوگیا تھا کہ بھارت کی ہندو حکومت نے پاکستان کے وجود کو ابھی تک دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اسے ختم کرنے کے ناپاک عزائم رکھتی ہے۔ شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی کا اپنے حلقے میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو جین مت کا پیروکار ظاہر کیا ہوا تھا اور جانوروں کے ہسپتال کے لئے ہر ماہ ایک خاص رقم بطور چندہ دیتا تھا۔ جین مندر میں جا کر پوجا پاٹھ بھی کرتا تھا...... ماتھے پر جینوں کا سفید تلک ہر وقت لگائے رکھتا تھا...... کسی نشے کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر اس نے شادی کی تو ظاہر ہے کسی ہندو عورت سے ہی شادی کرے گا اور یوں اس کے مسلمان ہونے کا راز فاش ہوجائے گا۔ اس نے مشہور کر رکھا تھا کہ میں جینی مہاتما وردھنا جی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ساری عمر برہمچاری رہوں گا اور شادی نہیں کروں گا۔ محلے میں لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ہندوؤں میں بیٹھ کر وہ اکثر پاکستان کے خلاف بولا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہمیں بھارت ماتا کے اس ٹکڑے کو جو اس سے جدا کردیا گیا ہے، پھر سے جوڑنا ہے۔ سیاست میں وہ صرف دیش بھگت تھا اور کسی خاص سیاسی جماعت سے منسلک نہیں تھا، نہ وہ گوشت کھاتا تھا...... نہ سگریٹ شراب پیتا تھا۔ اس طرح اس نے سرکاری حلقوں میں بھی ایک خاص سطح پر کافی اثر و رسوخ پیدا کرلیا ہوا تھا۔

شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی کا یہ تعارف بڑا ضروری تھا، کیونکہ ہمارے دونوں کمانڈوز عمران اور جبران اسی کے پاس جارہے تھے اور اسی نے انہیں آگے ان کے مشن کے سلسلے میں گائیڈ کرنا تھا...... اب ہم واپس اپنے جانبازوں کے پاس آتے ہیں جو اپنے گائیڈ کی راہ نمائی میں بھاؤنگر کی کھاڑی سے کافی پیچھے رات کی تاریکی میں ساحل پر اتر چکے ہیں...... ساحل پر اترنے سے پہلے انہوں نے کشتی کے خفیہ خانے میں سے اپنے اپنے آٹومیٹک پستول نکال کر لباس کے اندر چھپالئے تھے۔ ہندوستان

میں ابھی برسات کا سیزن شروع نہیں ہوا تھا۔ پاکستان میں سردیوں کا موسم تھا لیکن گجرات کا ٹھیاواڑ کے علاقے میں صرف رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ گائیڈ نے بتایا کہ دن کے وقت یہاں گرمی ہوتی ہے اور سمندر کے قریب جو علاقے ہیں وہاں حبس بھی ہو جاتا ہے۔ گائیڈ دو قدم آگے چل رہا تھا...... اندھیرے میں ایک طرف کئی جھونپڑیاں تھیں...... یہ ماہی گیروں کی جھونپڑیاں تھیں...... یہ لوگ ان جھونپڑیوں سے کچھ فاصلے پر ہو کر گزر گئے۔ کھاڑی والی بندرگاہ اور کھاڑی کے سمندر میں کھڑے ایک دو جہازوں کی روشنیاں نظروں سے اوجھل ہو گئی تھیں اور اب بہاؤنگر شہر کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں...... یہ روشنیاں کافی دوری پر دائیں جانب تھیں...... گائیڈ ان روشنیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

تاڑی کے ستونوں ایسے اونچے درختوں کے درمیان ایک جھونپڑے کے پاس آ کر ہمارا گائیڈ رک گیا۔ کہنے لگا۔

"آدھی رات کے بعد شہر میں جانا ٹھیک نہیں"۔

یہ حساس علاقہ ہے...... رات کے وقت پولیس گشت پر ہوتی ہے...... تھوڑی سی رات رہ گئی ہے۔ یہاں آرام کرتے ہیں...... دن چڑھے گا تو شہر کا رخ کریں گے۔

جھونپڑے میں بانس کی تین چارپائیں بچھی ہوئی تھیں...... دونوں تھکے ہوئے تھے...... چارپائیوں پر لیٹتے ہی گہری نیند میں کھو گئے۔ صبح کے وقت گائیڈ نے انہیں جگا دیا...... یہاں سے وہ بہاؤنگر شہر کی طرف چل پڑے...... یہ اتنا بڑا شہر نہیں تھا، دن کافی نکل آیا تھا...... بازاروں میں دکانیں کھلی تھیں...... ہر قسم کا ٹریفک رواں تھا۔ دونوں کمانڈو عمران اور جبران اپنے گائیڈ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے...... وہ مچھیروں کے لباس میں تھے...... کسی کو ان پر شک نہیں ہو سکتا تھا...... مچھیرے شہر میں آتے جاتے رہتے تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک بازار میں آ گئے جہاں سے کافی فاصلے پر بندرگاہ میں کھڑے دو ایک جہازوں کے مستول نظر آ رہے تھے۔

گائیڈ کہنے لگا۔

"یہی وہ کھاڑی ہے جہاں انڈین نیوی کے بحری جنگی جہاز ایک خفیہ مقام پر کھڑے کئے جاتے ہیں جس جہاز کے مستول تمہیں دکھائی دے رہے ہیں، یہ مرچنٹ نیوی کا مال بردار جہاز ہے۔ جنگی جہاز یہاں سے نظر نہیں آ سکتے"۔

جس سڑک پر وہ چلے جا رہے تھے وہ ایک چوک میں جا کر بائیں جانب ایک چھوٹی سڑک کی طرف مڑ گئی جس کی دونوں جانب ڈھلواں چھتوں والے مکان کھڑے تھے۔ اس سڑک پر دکانیں نہیں تھیں...... دفتر بنے ہوئے تھے جن کے باہر کہیں چھوٹی کاریں اور کہیں سکوٹر اور موٹر سائیکل کھڑے تھے۔ ایک دو منزلہ بس ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ اسی سڑک پر ہمارے آدمی شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی نے ایک آفس کھول رکھا تھا۔ یہ آفس ایک لمبی دکان کی شکل میں تھا۔ پیچھے ہارڈ بورڈ کی دیواریں کھڑی کر کے پارٹیشن کی ہوئی تھیں۔ آگے آمنے سامنے چھ سات بید کی پرانی کرسیاں اور ایک چھوٹی میز پڑی تھی۔ دیوار پر جین مت کے بانی وردھنا کی فریم کی ہوئی تصویر لگی تھی جس کے نیچے کارنس پر پھول پڑے تھے اور لوبان سلگ رہا تھا۔ شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی پارٹیشن کے اندر میز کرسی لگائے بیٹھا ایک رجسٹر دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس ایک ادھیڑ عمر کانگریسی ٹوپی والا منشی جھک کر کھڑا تھا۔ گائیڈ دونوں کو لے کر کمرے میں داخل ہوا تو گائیڈ کے ساتھ ساتھ دونوں کمانڈو عمران اور جبران نے بھی ہاتھ جوڑ کر گجراتی زبان میں پرنام کیا۔ چندر کانت گجراتی نے گائیڈ کی طرف دیکھ کر گجراتی میں کہا۔

"اس دفعہ تمہاری مچھلیوں کی سپلائی ٹھیک نہیں تھی...... اگر اس طرح کا مال سپلائی کرو گے تو مجھے تمہارا ٹھیکہ کینسل کرنا پڑے گا"۔

عمران اور جبران غور سے شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی کو دیکھ رہے تھے...... ان کی عمر پچاس کے قریب ہو گی۔ سر درمیان سے گنجا تھا۔ چھوٹی مونچھوں اور

سر کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے...... اس نے کھدر کا کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ سر پر شتری رنگ کی میلی سی گاندھی کیپ تھی اور آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا...... گائیڈ نے معذرت پیش کرتے ہوئے گجراتی زبان میں ہی کہا۔

"آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا...... میں خود موقع پر پہنچ کر مال چیک کیا کروں گا"۔

"بیٹھ جاؤ" چندر کانت نے کہا...... "یہ مچھیرے کون ہیں؟"۔

چندر کانت کو معلوم ہو گیا تھا کہ گائیڈ اپنے ساتھ وہی دو پاکستانی کمانڈو لایا ہے جس کے بارے میں اسے پیشگی اطلاع مل چکی تھی، لیکن دفتر کے ہندو منشی کے سامنے اسی قسم کی باتیں کرنی ضروری تھیں...... گائیڈ نے عمران اور جبران کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ ہم نے نئے مچھیرے بھرتی کئے ہیں...... میں انہیں کھاڑی والے گودام میں لے جا رہا تھا...... سوچا آپ سے بھی ملاتا جاؤں"۔

چندر کانت گجراتی نے منشی سے گجراتی زبان میں ہی کہا۔

"ورما جی آپ ڈیسائی سیٹھ کے پاس جائیں اور خود چیک لے کر آئیں۔ یہ لوگ اپنے طور پر کبھی ادائیگی نہیں کریں گے"۔

"ٹھیک ہے ماراج"۔

یہ کہہ کر منشی چندر کانت گجراتی کے کمرے سے نکل گیا...... پارٹیشن کی دیوار میں چھوٹی سی کھڑکی پر شیشہ لگا ہوا تھا...... اس شیشے میں سے دفتر کا منشی کاغذ پر کچھ لکھتا نظر آ رہا تھا...... منشی نے لکھا ہوا کاغذ اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈالا اور دکان سے اتر کر ڈیسائی سیٹھ کی دکان کی طرف چل پڑا۔

منشی کے جانے کے بعد چندر کانت کا چھوٹا سا دفتر خالی ہو گیا۔ تب اس نے عمران اور جبران کی طرف مخاطب ہو کر گجراتی زبان میں ہی پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تم دونوں وہی پاکستانی کمانڈو ہو جن کی مجھے اطلاع دی گئی ہے...... تمہیں اپنی شناخت کے لئے کوڈ جملوں کو دہرانا ہو گا"۔

عمران نے کہا۔

"میں اس کے لئے تیار ہوں"۔

چندر کانت گجراتی نے خفیہ زبان میں ایک جملہ بولا...... اس کے جواب میں عمران نے بھی خفیہ زبان کا ایک جملہ بول دیا...... چندر کانت نے دوسرا جملہ جبران کو مخاطب کر کے بولا...... جبران کو بھی خفیہ کوڈ بتا دیا گیا تھا، چنانچہ اس نے بھی خفیہ زبان میں ٹھیک جملہ دہرایا...... چندر کانت نے گائیڈ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"تم اپنے کام پر واپس جاؤ...... مجھے پاکستان سے جن دو کمانڈوز کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی یہ وہی ہیں...... اس کی تصدیق ہو گئی ہے"۔

عمران اور جبران نے بھی تصدیق کر لی تھی کہ یہ وہی چندر کانت گجراتی ہے جو حقیقت میں مسلمان پاکستانی جاسوس ہے اور عرصہ پچیس برس سے دشمن کے مورچے میں بیٹھا اپنی ڈیوٹی ادا کر رہا ہے اور جس کی فوٹو پاکستان سے روانہ ہوتے وقت ان دونوں کو دکھا دی گئی تھی۔

گائیڈ نے کمانڈو عمران اور جبران سے ہاتھ ملائے اور وہاں سے رخصت ہو گیا...... اس کے جانے کے بعد لمبی دکان میں بنا ہوا شاہ جی عرف چندر کانت کا دفتر بالکل خالی ہو گیا...... اب وہاں ان تینوں کے سوا چوتھا کوئی نہیں تھا...... چندر کانت نے پنجابی میں دونوں سے پوچھا۔

"راستے میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟"۔

عمران نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پنجابی زبان میں ہی جواب دیا۔

"جب آبدوز ہمیں سمندر پر نکالنے کے لئے پانی سے باہر آئی تھی تو اس وقت ضرور خطرہ تھا کہ کہیں دشمن کا دوار کا ریڈار سٹیشن ہمیں دیکھ نہ لے، لیکن ہمیں کسی نے

نہیں دیکھا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے پنجابی میں عمران سے کہا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہمارے بارے میں تمہیں رپورٹ مل چکی ہو گی کہ ہمارا کیا پروگرام ہے"۔

چندر کانت کہنے لگا۔

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں"۔

کمانڈو عمران بولا۔

"ہمارے مشن کا خفیہ نام مشن یو بوٹ-29 رکھا گیا ہے، یعنی مشن آبدوز-29"

"یہ مجھے معلوم ہے" چندر کانت یعنی شاہ نے اپنی عینک کے شیشے رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا...... "میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے آگے کون جائے گا اور یہاں کون رہے گا"۔

عمران نے کمانڈو جبران کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"کمانڈو جبران یہاں پیچھے رہے گا...... میں یعنی کمانڈو عمران آگے جاؤں گا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی نے عینک آنکھوں پر لگائی...... میلا سا رومال واسکٹ کی جیب میں ڈالا اور کہا۔

"کیا تمہیں اس حقیقت کا احساس ہے کہ تمہیں کس قدر اہم اور کس قدر خطرناک مشن پر بھیجا گیا ہے؟"۔

کمانڈو جبران نے پنجابی زبان میں ہی جواب دیا۔

"شاہ جی! ہم اپنے وطن پاکستان کی عزت و ناموس اور استحکام کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا کر دشمن کے ملک میں آئے ہیں۔ موت ہماری جیب میں ہے...... وہ کسی بھی جگہ، کسی بھی موڑ پر ہمیں دبوچ سکتی ہے، لیکن ہم یہ عہد کر کے آئے ہیں کہ اپنا مشن مکمل کیے بغیر نہیں مریں گے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت کا چہرہ سنجیدہ تھا...... عمران نے کمانڈو جبران کے حب الوطنی کے جذبے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہم طارق بن زیاد کی طرح اپنی ساری کشتیاں جلا کر دشمن کے مورچوں میں آئے ہیں...... ہم اس وقت تک پیچھے نہیں جائیں گے جب تک کہ ہمارا مشن کامیابی سے مکمل نہیں ہو جاتا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت کے چہرے پر بدستور سنجیدگی چھائی رہی۔ عمران سوچنے لگا کہ یہ شخص واقعی بڑا متحمل مزاج آدمی ہے۔ یونہی پچیس سال سے دشمن کے پیٹ میں بیٹھا وطن پاک کے لئے خطرناک ترین جاسوسی نہیں کر رہا۔ اس آدمی کو ایسا ہی ٹھنڈے مزاج کا سنجیدہ آدمی ہونا چاہئے تھا...... اب چندر کانت عمران کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

"تم جب یہاں سے آگے اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤ گے تو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہارا میرے ساتھ کسی قسم کا خفیہ پیغام رسانی کا کوئی رابطہ نہیں رہے گا۔ میں اپنے پاس خفیہ پیغام رسانی کے لئے وائرلیس یا ریڈیو ٹرانسمیٹر رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ یاد رکھو ایک کمانڈو جاسوس کی سب سے بڑی کمزوری اس کا خفیہ ٹرانسمیٹر ہوتا ہے جس پر وہ خفیہ کوڈ زبان میں اپنے ملک کو ریڈیو سگنل بھیجتا ہے۔ یہ غلطی کبھی نہ کرنا۔ بھارت کا ملک کوئی دقیانوسی غیر ترقی یافتہ ملک نہیں ہے...... یہ ایک جدید اور اعلیٰ ٹیکنالوجی والا ملک ہے اور اب وہ ایٹمی طاقت بھی بن چکا ہے...... اس کے لئے خاص طور پر حساس علاقے میں اجنبی سگنل پکڑنا اور یہ معلوم کرنا کہ یہ ریڈیائی سگنل کہاں سے نشر ہو رہے ہیں کوئی مشکل کام نہیں ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں، لیکن آپ کو جب کوئی رپورٹ یا پیغام

پاکستان بھیجنا ہوتا ہے تو آپ کون سا ذریعہ اور کون سا طریقہ استعمال کرتے ہیں؟"۔

شاہ جی عرف چندر کانت ایک دو لمحے عمران کی طرف دیکھتا رہا...... پھر اپنے سامنے رکھا ہوا رجسٹر بند کرتے ہوئے بولا۔

"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا اور آئندہ اس قسم کا احمقانہ سوال مجھ سے کرنا بھی نہیں"۔

"آئی ایم سوری" عمران نے فوراً معذرت پیش کر دی۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کمانڈو جبران سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم میرے پاس رہو گے، لیکن میں تمہیں اپنے مکان پر نہیں رکھ سکتا...... شہر سے باہر میرا ایک چھوٹا سا سٹور ہے جہاں میرا اسپلائی کا مال پڑا ہوتا ہے...... اس سٹور کے ساتھ ہی چوکیدار کے لئے ایک کوٹھڑی بنی ہوئی ہے۔ اتفاق سے میرا پرانا چوکیدار شدید بیماری کی وجہ سے کام چھوڑ کر اپنے گاؤں جا چکا ہے، تم وہاں بطور نئے چوکیدار کے سٹور کی حفاظت کرو گے اور رات کو کوٹھڑی میں رہو گے...... قریب ہی ایک کالونی ہے، وہاں چھوٹے چھوٹے ہوٹل بھی ہیں...... وہاں تمہیں کھانے پینے کی ہر شے مل جائے گی"۔

پھر وہ عمران سے مخاطب ہو کر کچھ کہنے لگا تو پارٹیشن کی شیشے کی کھڑکی میں سے دیکھ کر بولا۔

"کوئی بات نہ کرنا"۔

وہ اٹھ کر باہر چلا گیا...... عمران اور جبران نے شیشے کی کھڑکی پر نگاہ ڈالی۔ ایک گیروے کپڑوں والا سادھو ٹائپ کا آدمی دکان میں داخل ہوا تھا...... چندر کانت نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا اور گجراتی میں بولا۔

"مہاراج! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا"۔

اور اس نے جیب سے کچھ سکے نکال کر سادھو کے ہاتھ میں تانبے کا جو پیالہ پکڑا ہوا تھا اس میں ڈالے اور ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج! اسے سویکار کریں"۔

سادھو نے ہاتھ اٹھا کر شاہ جی عرف چندر کانت کو اشیر باد دیا اور دکان سے نکل گیا...... چندر کانت واپس آ کر بولا۔

"آج منگل وار ہے...... یہ لوگ تانبے کے پیالے میں تیل ڈال کر دکھشنا لینے آتے ہیں"۔

اس نے ایک نظر کھڑکی کے شیشے پر ڈالی، وہاں سے بازار میں گزرتے لوگ نظر آ رہے تھے...... چندر کانت نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"تم آج کی رات میرے آفس کے اوپر جو چھوٹا سا کمرہ ہے وہاں سوؤ گے...... کل صبح صبح تم اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤ گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"مجھے بھارت کے کون سے شہر جانا ہو گا؟"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا۔

"یہ کل تمہیں معلوم ہو جائے گا...... لیکن اس سے پہلے تمہیں یہ حلیہ بدلنا ہو گا۔ شام کو میں تمہارے لئے کچھ کپڑے لاؤں گا...... تم وہ پہن لینا"۔

پھر اس نے کمانڈو جبران سے کہا۔

"تم یہیں بیٹھو...... میں عمران کو اوپر چھوڑ آتا ہوں...... اس کے بعد تمہیں سٹور میں لے جاؤں گا...... ناشتہ تم وہیں کرو گے"۔

کمانڈو جبران دفتر میں ہی بیٹھا رہا...... شاہ جی عرف چندر کانت عمران کو دفتر کے اوپر والے کمرے میں لے آیا...... چھوٹا سا کمرہ کباڑ خانہ بنا ہوا تھا، کونے میں ایک چارپائی بچھی تھی...... اس نے عمران سے کہا۔

"میں خود تمہارے لئے ناشتہ لاتا ہوں...... تم نیچے مت آنا"۔

کمانڈو عمران چارپائی پر بیٹھ گیا...... زینے کے پاس آکر اس نے پلٹ کر عمران کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"تم لوگوں کے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ بھی ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ایک ایک آٹومیٹک پستول ہے اور فالتو میگزین بھی ہے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"اسے سنبھال کر رکھنا۔ اگر میرے دفتر میں ہنگامی صورت حال پیدا ہو جائے تو اسے سامنے والی کھڑکی میں سے باہر بدرو میں پھینک دینا"۔

"کیا اس سے پہلے بھی اس قسم کی صورت حال پیدا ہوئی ہے؟" کمانڈو عمران نے پوچھا۔

شاہ جی عرف چندر کانت کہنے لگا۔

"کبھی نہیں...... لیکن تم آئے ہو تو ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں...... یہاں قدم قدم پر سی آئی ڈی کے آدمی پھر رہے ہیں"۔

وہ چلا گیا...... کمانڈو عمران نے اٹھ کر کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر دیکھا...... نیچے ایک گندا نالہ بہہ رہا تھا...... اس نے سامنے کی جانب نگاہ اٹھائی تو اسے کچھ فاصلے پر انڈین نیوی کا ایک آبدوز شکن جہاز (فریگٹ) آہستہ آہستہ خلیج کھمبات میں داخل ہوتا نظر آیا...... اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی...... میرے خدا...... وہ سوچنے لگا...... اپنا یہ آدمی شاہ جی عرف چندر کانت تو بالکل دشمن کے سر کے اوپر اور موت کے منہ میں بیٹھا ہے...... انڈین نیوی کے جہازوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لئے اس سے موزوں جگہ شاید اور کوئی نہیں تھی۔ کھڑکی اس نے اس لئے فوراً بند کر دی تھی کہ یہ انتہائی سیکورٹی کا زون تھا اور عین ممکن ہے کہ خلیج یعنی آبنائے میں سیکورٹی والے دور بینوں سے اس علاقے پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔

شاہ جی عمران کے لئے چائے اور ڈبل روٹی لے آیا...... کہنے لگا۔

"میں دفتر کو تالا لگا کر جبران کو سٹور پر لے جا رہا ہوں...... تم یہیں خاموشی سے بیٹھے رہنا۔ مجھے ایک گھنٹہ لگ جائے گا"۔

اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"اس کھڑکی کو کھولنے کی غلطی مت کرنا...... یہ سارے مکان خلیج کی سیکورٹی والوں کی نگاہوں میں ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے اس کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے تم فکر نہ کرو"۔

عمران نے دشمن کی سرزمین میں قدم رکھنے کے بعد یہ پہلا جھوٹ بولا تھا...... اتنا جھوٹ اس کی کمانڈو ٹریننگ کا حصہ تھا اور اسے اس کی خاص تربیت دی گئی تھی۔

شاہ جی عرف چندر کانت دفتر کو تالا لگا کر جبران کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ کمانڈو عمران بند کمرے میں بڑے صبر اور استقامت سے بیٹھا رہا، حالانکہ وہاں گرمی تھی اور کھڑکی کھولنے سے اندر سمندر کی جانب سے ٹھنڈی ہوا آسکتی تھی، مگر دوسری بار وہ یہ حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد شاہ جی عرف چندر کانت واپس آیا، کہنے لگا۔

"جبران کو میں نے ناشتہ بھی کرا دیا ہے اور سٹور کی چابی بھی دے دی ہے۔ جب تک تم اپنے مشن سے واپس نہیں آؤ گے وہ اسی جگہ رہے گا"۔

وہ کمرے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے دفتر میں جا کر بیٹھ گیا۔ لوگ اس سے ملنے آتے رہے۔ کبھی کبھی ٹیلی فون کی گھنٹی بھی بج اٹھتی۔ شاہ جی عرف چندر کانت فون پر گجراتی زبان میں بالکل ہندوؤں کی طرح بڑی لجاجت کے ساتھ کوئی بات کرتا اور پھر فون بند ہو جاتا۔ دوپہر کے وقت دفتر میں ذرا خاموشی ہوئی تو چندر کانت مجھے خود اوپر آکر کھانا دے گیا، کہنے لگا۔

"اب میں شام کو آؤں گا...... تھوڑی دیر کے لئے مجھے دفتر کو تالا لگا کر مارکیٹ میں جانا ہوگا، تمہارے لئے نئے کپڑے لانے ہیں...... تم کمرے سے باہر قدم مت نکالنا"۔

عمران کھانا کھا کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا اسے بہت جلد نیند نے آلیا...... اسے شاہ جی عرف چندر کانت نے آکر جگایا۔ وہ کمانڈو عمران کے لئے میل خوری رنگ کی پتلون قمیض اور ٹھنڈی جیکٹ لایا تھا۔ ایک جوڑا جوتوں کا بھی تھا کہنے لگا۔

"تمہیں اپنا ہندوانہ نام یاد ہے نا؟"۔

عمران بولا۔

"مجھے زبانی یاد ہو گیا ہے...... میرا نام دیوی دت ہے اور جبران کا نام دھرم داس ہے"۔

چندر کانت نے کہا۔

"تمہیں انڈیا میں رہ کر گاندھی کیپ اور کانگریسی کھدر کا لباس پہننے کی ضرورت نہیں۔ آج کل یہاں زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ ہندو سکھ لڑکیاں نیکریں پہن کر کالج جاتی ہیں۔ کھدر کے کرتے پاجامے ماضی کا قصہ بن چکے ہیں۔ یہ لباس صرف کانگریس کے لیڈر اور ورکر ہی پہنتے ہیں۔ میں اس لئے یہ لباس پہنتا ہوں کہ میں نے شروع ہی سے یہی پہناوا کیا ہوا ہے۔ میں اسے بدلنا نہیں چاہتا...... پہناوا بدلنے سے میں خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤں گا"۔

دفتر اس نے بند کر دیا ہوا تھا۔ رات کا کھانا چندر کانت نے عمران کے ساتھ دفتر کے اوپر والے کمرے میں ہی بیٹھ کر کھایا...... کہنے لگا۔

"میں ایک لمبے عرصے سے یہاں رہ کر انڈین نیوی کے جہازوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا ہوں...... اب تو میں جہاز کی سیٹی کی آواز سے پہچان لیتا ہوں کہ یہ فریگیٹ کی آواز ہے...... یہ بڑے جنگی جہاز کی آواز ہے اور یہ طیارہ بردار بحری جہاز کی آواز ہے اور یہ عام پٹرولنگ موٹر بوٹ کی آواز ہے۔ جب اس کھڑکی میں سے ایک خاص وقت پر کسی جنگی جہاز کو خلیج میں سے داخل ہوتے دیکھتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیج کے اندر جا کر کون سے خفیہ مقام پر لنگر انداز ہوگا۔ اسی طرح مجھے انڈین نیوی کے سب سے بڑے طیارہ بردار جنگی جہاز کا بھی علم ہے کہ وہ خلیج میں سے کن خفیہ راستوں سے گزر کر کس جگہ جا کر لنگر انداز ہوتا ہے۔ یہ معلومات میں ہر ماہ ایک سروے رپورٹ کی شکل میں پاکستان پہنچا دیتا ہوں۔ میری یہ معلومات تمہارے مشن یو بوٹ-29 میں بھی بہت کام آئیں گی"۔

کمانڈو عمران نے شاہ جی عرف چندر کانت سے پوچھا۔

"آپ نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ مجھے کون سے شہر جانا ہے اور وہاں اپنے کس آدمی سے ملاقات کرنی ہے...... میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کیونکہ بقول آپ کے میں صبح منہ اندھیرے یہاں سے روانہ ہونے والا ہوں"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے عمران کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں یہ سب کچھ بتا دوں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم پہلے کبھی انڈیا آئے ہو؟ اگر آئے ہو تو کیا دلی شہر تم نے دیکھا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ایک دینی جماعت کے ساتھ میں نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر حاضری دینے کئی بار دلی آیا ہوں اور اس شہر کی میں نے خوب سیر کی ہے۔ اس کے علاوہ ویزا لے کر دوستوں کے ساتھ امرتسر اور چندی گڑھ کرکٹ میچ دیکھنے بھی آتا رہا ہوں...... اس کے سوا میں انڈیا میں کہیں نہیں گیا...... اب اس علاقے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت بولا۔

”یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم دلی شہر سے واقف ہو......اب میری بات غور سے سنو......کیا تمہیں کبھی دلی کی جامع مسجد دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے؟“۔

عمران بولا...... ”ہم اپنی دینی جماعت کے ارکان کے ساتھ جب بھی دلی آتے تھے تو جمعہ کی نماز دلی کی جامع مسجد میں ہی پڑھتے تھے“۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا۔

”پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ جامع مسجد کے ارد گرد کئی ہوٹل اور ریستوران ہیں اور یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے“۔

عمران نے کہا...... ”جی ہاں...... مجھے معلوم ہے...... ہم لوگ وہیں چوک کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا بھی کھاتے تھے“۔

چندر کانت کہنے لگا۔

”بس اب تم وہاں پہنچ گئے ہو جہاں میں تمہیں پہنچانا چاہتا ہوں...... جامع مسجد کے عقب میں جو چوک ہے وہاں ایک درمیانے درجے کا ہوٹل ہے جس کا نام...... ہے“۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے کمانڈو عمران کو اس ہوٹل کا صحیح نام بتادیا تھا جسے ہم مصلحتاً یہاں ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ہم اس کا فرضی نام نگینہ ہوٹل رکھ لیتے ہیں اور چندر کانت نے اس ہوٹل کے مالک کا نام جو بتایا تھا وہ بھی ہم پوشیدہ رکھ رہے ہیں...... اس کا بھی فرضی نام حاجی جمال الدین رکھ لیتے ہیں...... دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہم نے علاقے کا حدود اربع بھی بدل دیا ہے، کیونکہ یہ لوگ آج بھی وہاں پر موجود ہیں اور وطن عزیز کے لئے اپنی جان اور اپنے بچوں کا مستقبل خطرے میں ڈال کر کام کر رہے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہیں پاکستان سے محبت ہے اور وہ پاکستان کو طاقتور اور دشمنوں کے ہتھکنڈوں سے محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں...... یہ تبدیلیاں بہت ضروری ہیں، لیکن اس سے جرات و شجاعت کی اس داستان میں کوئی تبدیلی نہیں کی

ی۔ تمام [illegible] دلیری اور حب الوطنی میں سرشار واقعات اسی طرح پیش کئے جارہے ہیں جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ ہم چاہیں گے کہ آپ یہاں سے یہ بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ ہم دشمن کے ملک بھارت میں اور بھارت کے ہر شہر میں اپنے جن آدمیوں کا ذکر کریں گے اس کا نام فرضی ہوگا...... حلیہ فرضی ہوگا اور حدود اربع بھی تبدیل کیا ہوگا لیکن واقعات حرف بہ حرف سچے ہوں گے۔ اب ہم حریت و شجاعت کی اس حب الوطنی اور اسلام کے جذبے میں ڈوبی ہوئی مجاہدانہ کمانڈو داستان کو لے کر آگے چلتے ہیں۔

شاہ جی عرف چندر کانت عمران کو کہہ رہا تھا۔

”چوک جامع مسجد میں نگینہ ہوٹل ہے جس کے مالک کا نام جمال الدین ہے، مگر لوگ انہیں حاجی صاحب کہہ کر بلاتے ہیں۔ تم دلی پہنچ کر حاجی صاحب سے جاکر ملو گے...... میں تمہیں خفیہ زبان میں لکھا ہوا ایک خط دوں گا۔ وہ خط تم حاجی صاحب کو دو گے، وہ سب سمجھ جائیں گے کہ تم کون ہو اور کس مشن پر بھارت آئے ہو۔ اس کے بعد تمہیں کیا کرنا ہوگا؟ یہ تمہیں حاجی صاحب ہی بتائیں گے...... تمہاری گاڑی بہاؤ نگر سے صبح منہ اندھیرے چلتی ہے۔ یہ گاڑی تمہیں احمد آباد تک لے جائے گی۔ احمد آباد سے تم دلی جانے والی ٹرین پکڑو گے جو تمہیں اودھے پور، اجمیر شریف، جے پور، الور اور علی گڑھ سے ہوتی ہوئی دلی پہنچادے گی۔ تمہارا دلی تک کا ٹکٹ اور راستے کا خرچہ یہاں سے روانہ ہوتے وقت تمہیں مل جائے گا...... حاجی صاحب کے پاس دلی پہنچنے کے بعد تمہیں روپے پیسے کی کمی محسوس نہیں ہوگی...... اب تم آرام کرو...... میں صبح 4 بجے آکر تمہیں جگادوں گا“۔

شاہ جی یعنی چندر کانت عمران کو شب بخیر کہہ کر چلا گیا...... عمران کچھ دیر بستر پر لیٹا بہت سی باتوں پر غور کرتا رہا...... پھر سو گیا، صبح ٹھیک چار بجے شاہ جی نے آکر اسے جگادیا اور کہا۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ...... ناشتہ تم راستے میں کرو گے"۔

عمران نے جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر پتلون قمیض اور جیکٹ پہنی۔ شاہ جی عرف چندر کانت نے کچھ روپے اور بہاؤ نگر سے دلی تک کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ اس کے حوالے کیا اور کہا۔

"پستول اچھی طرح سے چھپا کر رکھنا۔ اگر راستے میں کوئی خطرہ دیکھو تو اس کو کسی جگہ پھینک دینا، ابھی تمہیں اسلحہ وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جب ضرورت پڑے گی تو تمہیں ہر قسم کا اسلحہ مل جائے گا...... تمہارا ساتھی کمانڈو جبران میرے پاس ہی رہے گا اور ہم تمہاری واپسی کا انتظار کریں گے" اب خاموشی کے ساتھ دفتر کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر نکل جاؤ۔ آگے ایک چوک آئے گا، اس چوک میں تمہیں کوئی رکشا ٹیکسی مل جائے گی۔

خدا حافظ! اللہ! تمہیں اپنے مشن میں کامیاب کرے...... آمین!۔

عمران شاہ جی سے ہاتھ ملا کر کمرے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے دفتر میں آ گیا۔ دفتر کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر بازار میں نکل آیا...... پو پھٹ رہی تھی، ابھی اندھیرا تھا۔ بازار میں بجلی کے لیمپ روشن تھے، جس طرف جانے کو شاہ جی نے بتایا تھا وہ اسی طرف چل پڑا۔ بازار بالکل خالی پڑا تھا...... دور کسی مندر سے گھنٹیوں کی دبی دبی آواز آ رہی تھی۔ چوک میں آیا تو وہاں صرف ایک موٹر رکشا کھڑا تھا جو خالی تھا۔ اس کا ڈرائیور جاگ رہا تھا۔ عمران نے گجراتی زبان میں کہا۔

"ریلوے سٹیشن لے چلو"۔

وہ رکشے میں بیٹھ گیا اور رکشا بہاؤ نگر کے ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ سٹیشن پر زیادہ رونق نہیں تھی۔ وہ پلیٹ فارم پر آ گیا...... پلیٹ فارم پر احمد آباد جانے والی گاڑی ابھی نہیں لگی تھی۔ تھوڑے سے مسافر بیٹھے گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ چائے کی کینٹین کھلی ہوئی تھی، دو تین مسافر کاؤنٹر کے پاس کھڑے ناشتہ وغیرہ کر رہے تھے۔ عمران نے بھی وہیں کھڑے ناشتہ کیا اور چائے پیتے ہوئے مسافروں کا جائزہ لینے لگا۔ کمزور چہروں والے مفلوک الحال قسم کے مسافر تھے۔ پولیس کا ایک سپاہی چھوٹا سا ڈنڈا گھماتا پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا۔ عمران کو اپنے پستول کا خیال آ گیا جو اس نے اپنی پتلون کے اندر جانگئے کی جیب میں چھپایا ہوا تھا۔ تشویش کی بظاہر کوئی بات نہیں تھی۔ پولیس کے سپاہی نے عمران کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ عمران کو ہنگامہ خیز حالات میں بھی پر سکون رہنے کی خاص تربیت ملی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی اور سکون کے ساتھ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے چائے پیتا رہا۔

پلیٹ فارم کے تمام پنکھے چل رہے تھے، بتیاں جل رہی تھیں۔ جہاں پلیٹ فارم کی چھت ختم ہوتی تھی وہاں صبح کی ہلکی ہلکی نیلگوں روشنی نمودار ہونے لگی تھی...... اتنے میں ٹرین آ کر پلیٹ فارم پر لگ گئی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ عمران بھی تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں بیٹھ گیا۔ ڈبے میں پہلے سے مسافر لمبی تان کر سو رہے تھے۔ یہ ٹرین صرف احمد آباد تک جا رہی تھی۔ ٹرین کچھ دیر کے بعد چل پڑی۔ شہر سے نکلنے کے بعد دونوں جانب ہرے ہرے کھیت شروع ہو گئے۔ جب احمد آباد قریب آیا تو پہلے دونوں طرف بڑے بڑے کتنے ہی کارخانے گزرے۔ یہ سب کپڑے کے کارخانے تھے۔ احمد آباد پر ٹرین رکی تو سارے مسافر اتر گئے...... معلوم ہوا کہ دلی جانے والی ٹرین ایک گھنٹے بعد چلے گی۔ عمران نے پستول کے ساتھ پلیٹ فارم پر بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں آ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ احمد آباد کا سٹیشن کافی بڑا اسٹیشن تھا۔ اس وقت تک دن کے نو بجے کا ٹائم ہو چکا تھا۔ آخر دلی جانے والی گاڑی آ گئی...... دلی کے مسافر پلیٹ فارم کی طرف دوڑ پڑے۔ ان کے پیچھے پیچھے عمران بھی پلیٹ فارم پر آ گیا...... اس نے گہری نظر سے پلیٹ فارم کا جائزہ لیا...... اسے کوئی خاص بات نظر نہ آئی...... وہ صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کسی کی نگاہ میں تو نہیں آ گیا...... ایسی کوئی بات نہیں تھی...... وہ تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو گیا۔ آدھے

گھنٹے کے بعد ٹرین دلی کی طرف چل پڑی۔

یہ کافی لمبا سفر تھا...... ٹرین ایکسپریس تھی...... احمد آباد سے نکلتے ہی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ چھوٹے چھوٹے سٹیشن چھوڑتی چلی جارہی تھی...... عمران کو خوشی ہوئی کہ وہ اپنی منزل پر جلدی پہنچ جائے گا...... شاہ جی عرف چندر کانت گجراتی نے دلی کے نگینہ ہوٹل والے حاجی صاحب کے نام جو کوڈ الفاظ میں خط لکھ کر دیا تھا وہ لفافے میں بند عمران کی جیب میں محفوظ تھا۔ سارا دن سفر میں گزر گیا...... شام بھی گزر گئی...... ٹرین علی گڑھ پہنچی تو رات ہو چکی تھی...... یہ علاقے کمانڈو عمران پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ٹرین رات کے گیارہ بجے کے قریب دلی پہنچی۔ عمران نے رکشا پکڑا اور جامع مسجد آ گیا...... چوک میں نگینہ ہوٹل تلاش کرنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ درمیانے درجے کا تین منزلہ ہوٹل تھا۔ ہوٹل میں کچھ لوگ بیٹھے چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ دلی میں گجرات کاٹھیاواڑ کے مقابلے میں موسم کافی ٹھنڈا تھا۔ کمانڈو عمران بھرپور جوان آدمی تھا۔ کمانڈو کی تربیت نے اس کے جسم کو کسرتی اور لوہے کی طرح مضبوط بنا دیا تھا...... اسے سردی کا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا...... دلی میں لوگوں نے خوب گرم کپڑے پہن رکھے تھے۔

عمران نے ہوٹل کے ایک لڑکے سے حاجی صاحب کے بارے میں پوچھا...... اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"حاجی صاحب وہ سامنے آرام کرسی پر بیٹھے ہیں"۔

"کاؤنٹر کے پاس کرسی پر جو شخص بیٹھا تھا...... اس کا رنگ گندمی تھا...... عمر پچاس سے ایک دو سال اوپر ہی ہو گی...... چھوٹی چھوٹی شرعی داڑھی تھی جس کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سر پر گرم اونی ٹوپی تھی...... سفید کرتے پاجامے کے اوپر پشمینے کی گرم چادر اوڑھ رکھی تھی اور بڑے آرام سے کرسی پر نیم دراز حقہ پی رہے تھے۔ عمران ہوٹل کے دروازے کی ایک طرف کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ حاجی صاحب اسی لائن کے آدمی تھے، دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یا تو یہ شخص سی آئی ڈی کا آدمی ہے یا اپنی انٹیلی جنس کے کسی آدمی نے اسے ان کے پاس بھیجا ہے۔ ایک بار نظر بھر کے عمران کو دیکھا اور پھر کاؤنٹر پر جو منشی حساب کتاب کر رہا تھا اس سے باتیں کرنے لگے، لیکن کنکھیوں سے عمران کو بھی دیکھ لیتے تھے۔ عمران آگے بڑھ کے ان کے پاس گیا...... سلام علیک کیا...... انہوں نے وعلیکم السلام کہہ کر حقے کی لے ایک طرف کر دی اور پوچھا۔

"میاں تمہیں پہلی بار دیکھا ہے...... کہاں سے آرہے ہو؟"۔

عمران نے شاہ جی عرف چندر کانت کا خط جیب سے نکال کر انہیں دیا اور کہا۔

"آپ کے نام یہ خط لایا ہوں"۔

حاجی صاحب نے لفافہ کھولا اور عبارت کو دیکھتے ہی بولے۔

"میاں! تشریف رکھیں"۔

عمران ان کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا...... خط پڑھ کر حاجی صاحب بولے۔

"بہن بھائی سب خیریت سے ہیں نا؟"۔

عمران نے کہا...... "جی ہاں...... اللہ کا بڑا فضل ہے"۔

کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"آپ نے کھانا کھایا ہے یا نہیں؟"۔

عمران نے کہا...... "جی سٹیشن پر کھا لیا تھا۔ شکریہ!"۔

"رات کافی گزر چکی ہے...... میرا خیال ہے آپ آرام کریں...... صبح باتیں ہوں گی، آیئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں"۔

وہ عمران کو ہوٹل کی دوسری منزل پر ایک کمرے میں لے آئے جہاں پلنگ پر بستر لگا تھا۔ کمبل تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... دروازہ بند کرنے کے بعد ان کے قریب آکر بولے۔

"تمہارا کوئی پیچھا تو نہیں کر رہا تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا"۔

کہنے لگے...... "بیٹھ جاؤ"۔

پھر انہوں نے انٹر کام فون پر کسی سے کہا کہ کمرہ نمبر ۳ میں چائے لے آؤ......

فون بند کر کے بولے۔

"میں نے شاہ جی کا خط پڑھ لیا ہے...... تمہارے بارے میں انہوں نے سب کچھ بڑی تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ یہ بتاؤ کیا تم شوقیہ کمانڈو ہو یا تم نے باقاعدہ کمانڈو ٹریننگ حاصل کی تھی"۔

عمران نے کہا۔

"جی میں فوج کی کمانڈو بٹالین کا کمانڈنگ آفیسر رہ چکا ہوں...... فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد مجھے جہاد کشمیر میں شرکت اور وطن پاک کے استحکام کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ یہاں لے آیا ہے"۔

"بڑی مبارک بات ہے" حاجی صاحب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"تم لوگ خوش قسمت ہو کہ پاکستان میں رہ رہے ہو، جو ایک آزاد اسلامی ملک ہے۔ پاکستان کے ایٹمی طاقت بن جانے سے بھارت کے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی ہے...... انشاءاللہ پاکستان اب ہمیشہ سلامت اور مستحکم رہے گا، لیکن ہندو پاکستان کا دشمن ہے۔ وہ پاکستان کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتا"۔

عمران نے کہا۔

"ہندوؤں کے ان ہی ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے اور کشمیری مسلمانوں کے حق خود ارادیت کی خاطر کٹ مرنے کا جذبہ مجھے دشمن کے گھر میں کھینچ لایا ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"شاہ جی نے تمہارا اسلامی نام عمران لکھا ہے...... یہی نام ہے نا تمہارا؟"۔

"جی ہاں" عمران نے جواب دیا۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"میاں عمران! ابھی تم آرام کرو...... کل تم سے باقی باتیں ہوں گی اور ہاں تمہارا پستول کہاں ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے اسے اپنے انڈرویئر میں چھپا رکھا ہے"۔

"وہ نکال کر مجھے دے دو...... اس کا تمہارے پاس رہنا ٹھیک نہیں"۔

کمانڈو کبھی اپنا اسلحہ کسی اجنبی کو نہیں دیتا...... لیکن شاہ جی نے حاجی صاحب کا جو حلیہ بتایا تھا حاجی صاحب کا وہی حلیہ تھا اور انہوں نے مرموز زبان میں لکھے ہوئے خط کی تحریر بھی پڑھ لی تھی۔ یہ حاجی صاحب کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ عمران کو ہچکچاتے دیکھ کر حاجی صاحب بولے۔

"میاں! یہ تمہاری امانت میرے پاس رہے گی...... جب اس کی ضرورت سمجھو مجھ سے لے لینا"۔

اس نے کہا...... "جیسے آپ کی مرضی"۔

اور عمران نے پستول نکال کر مع میگزین ان کے حوالے کر دیا...... پستول کو رومال میں لپیٹ کر انہوں نے چادر کے اندر چھپا لیا...... اتنے میں لڑکا چائے لے کر آگیا...... وہ چائے پینے لگے۔ لڑکے کو باہر بھیج کر حاجی صاحب نے اٹھ کر دروازے کے باہر جھانک کر دیکھا...... جب انہیں یقین ہو گیا کہ باہر کوئی نہیں ہے تو دروازے کھلا ہی رہنے دیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔

"عمران میاں! تم جس مشن پر آئے ہو وہ اس اعتبار سے بے حد خطرناک ہے کہ یہ سانپ کے منہ سے ہیرا نکال کر لانے والی بات ہے...... اس میں ہر قدم پر جان کا خطرہ ہے...... ذرا سی غفلت، ذرا سا غلط اٹھا ہوا قدم تمہارے ساتھ ہمیں بھی پھانسی کے تختے پر

پہنچا سکتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! یہ ساری باتیں میرے ذہن میں ہیں...... مجھے پورا یقین ہے کہ اس مہم میں میرا کوئی قدم غلط نہیں اٹھے گا اور اگر کسی وجہ سے ایسا ہو گیا تو میں اکیلا ہی پھانسی چڑھوں گا...... میری زبان سے ہرگز ہرگز کسی دوسرے کا نام نہیں نکلے گا"۔

حاجی صاحب خاموشی سے عمران کی باتیں سن رہے تھے اور چائے بھی پی رہے تھے۔ پیالی میز پر رکھ کر دروازے کے پاس گئے...... باہر جھانک کر دیکھا اور عمران کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"شاہ جی گجراتی نے خفیہ زبان میں لکھے گئے خط میں لکھا ہے کہ تم لوگوں کو اس بحری جہاز کے بارے میں معلومات چاہئیں جو بھاری مقدار اور بھاری تعداد میں گولہ بارود اور جدید ترین اسلحہ لے کر یورپ کی کسی بندرگاہ سے چل پڑا ہے اور جسے گجرات کاٹھیاواڑ کی کسی بندرگاہ پر آ کر لگنا ہے...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"۔

"بالکل صحیح فرما رہے ہیں آپ...... اس وقت ہمارے سامنے یہی مشن ہے کہ کسی طریقے سے ہمیں اس جہاز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ جہاز کا نام کیا ہے۔ جہاز کا نام معلوم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ اسلحہ کسی خاص جنگی جہاز میں نہیں لایا جا رہا بلکہ مرچنٹ نیوی کے ایک عام باربردار جہاز میں لایا جا رہا ہے جس پر انڈیا کا جھنڈا بھی نہیں ہو گا...... یہ اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ اسلحہ بردار جہاز کی شناخت کو خفیہ رکھا جائے...... گجرات کاٹھیاواڑ کے ساحل پر باربردار جہاز آتے ہی رہتے ہیں...... ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اپنے طور پر یہ معلوم کر سکیں کہ وہ باربردار جہاز کون سا ہے جس میں بھاری مقدار میں گولہ بارود اور اسلحہ لدا ہوا ہے...... اگر ہمیں جہاز کا نام اور نمبر معلوم ہو جائے تو اس خاص جہاز کی نشان دہی ہو جائے گی...... بس ہمیں صرف اتنی ہی معلومات درکار ہیں جو ہمیں انڈین گورنمنٹ کے محکمہ دفاع کے سیکرٹیٹ کاغذات میں سے ہی مل سکتی ہیں جو دلی کے سیکرٹریٹ میں ہے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ اسلحہ کشمیر کے محاذ پر کشمیری حریت پرستوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا...... یہ فرمائیے کہ آپ اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اس وقت تو آپ آرام کریں...... انشاءاللہ اس موضوع پر کل تفصیل سے گفتگو ہو گی...... کل تک میں یہ بھی معلوم کر لوں گا کہ میں آپ کی کس حد تک اس بارے میں مدد کر سکتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر حاجی صاحب شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل گئے...... عمران نے اٹھ کر دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگائی اور بستر پر لیٹ کر کمبل اوپر کر لیا اور سوچنے لگا...... کیا حاجی صاحب ہماری مدد کر سکیں گے؟

دوسرے دن عمران نے حاجی صاحب کی ہدایت کے مطابق اپنے کمرے میں ناشتہ کیا...... اپنے کمرے میں ہی دوپہر کا کھانا کھایا...... دوپہر کے کھانے کے بعد حاجی صاحب اوپر میرے کمرے میں آگئے، کہنے لگے۔

"میاں کوئی تکلیف تو نہیں؟ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتادو"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ آپ کو معلوم ہی ہے"۔

حاجی صاحب کھڑے کھڑے باتیں کر رہے تھے...... ذرا مسکرائے، کہنے لگے۔

"انشاءاللہ وہ چیز آپ کو شام کو مل جائے گی فکر نہ کرو"۔

اور حاجی صاحب چلے گئے...... ان کی ہدایت تھی کہ عمران دن کے وقت وقت کمرے میں ہی رہے تو بہتر ہے۔ عمران کو کوئی اعتراض نہیں تھا...... شام ہو پھر رات ہوگئی...... حاجی صاحب نے کمرے میں کھانا پہنچادیا...... عمران کھانا کھا کے بعد بستر پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ شاید حاجی صاحب کو اپنے ذرائع سے ابھی خاص معلومات حاصل نہیں ہوئیں، ورنہ وہ ضرور آکر اس سے بات کرتے...... وہ جاکر ذرا ٹہلنا چاہتا تھا...... وہ نیچے جانے ہی والا تھا کہ حاجی صاحب آگئے۔ ان کے ساتھ پتلون کوٹ والا ایک نوجوان تھا جس نے گلے میں مفلر لپیٹ رکھا تھا...... شکل صورت سے ذہین اور سنجیدہ مزاج پڑھا لکھا نوجوان لگتا تھا...... حاجی صاحب نے نوجوان تعارف کرایا، کہنے لگے۔

"میاں عمران! یہ جمیل مہدی صاحب ہیں، باقی اپنا تعارف یہ خود کرائیں گے...... تم لوگ باتیں کرو...... میں تمہارے لئے چائے بھجوا رہا ہوں"۔

یہ نوجوان سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا...... وہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا......

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کا نام تو مجھے معلوم ہو گیا ہے...... باقی تعارف اگر آپ خود ہی کرادیں تو میں بڑا ممنون ہوں گا"۔

وہ نوجوان جس کا نام جمیل مہدی بتایا گیا تھا بولا۔

"لڑکا چائے لے کر آجائے...... پھر بات ہوگی"۔

اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر عمران کی طرف بڑھایا۔

"آپ سگریٹ کا شوق کریں گے؟"۔

عمران نے شکریئے کے ساتھ کہا کہ میں سگریٹ نہیں پیتا...... جمیل مہدی نے پوچھا۔

"آپ کو اس کا دھواں اگر ناگوار گزرتا ہے تو میں سگریٹ نہیں سلگاؤں گا"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں نہیں مہدی بھائی...... بلکہ الٹا مجھے سگریٹ کی خوشبو اچھی لگتی ہے"۔

"اچھی بات کہی ہے آپ نے"۔

اور مہدی صاحب نے سگریٹ سلگالیا...... وہ دلی کے موسم کی باتیں کرنے لگے...... اتنے میں ہوٹل کا ملازم لڑکا چائے لے کر آگیا...... جب وہ چائے کے برتن میز پر لگا چکا تو مہدی نے اسے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی...... اب تم بے شک چلے جاؤ...... ہم خود ہی چائے بنالیں گے"۔

لڑکا چلا گیا۔

جمیل مہدی صاحب نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور چائے بنانے لگے۔
اس بار دلی میں اتنی سردی نہیں پڑی...... پاکستان میں موسم کیسا تھا"۔
عمران نے کہا۔
"بس ٹھیک تھا"۔
جمیل مہدی ایک بار پھر اٹھ کر بند دروازے کے پاس گئے...... دروازے کے ساتھ کان لگادیا...... پھر واپس آکر عمران کے بالکل سامنے بیٹھ گئے اور سگریٹ کا ہلکا سا کش لگا کر سگریٹ کو ایش ٹرے میں دبا کر بجھادیا۔ ایک دو سیکنڈ تک عمران کو خاموشی اور تجسس بھری نظروں سے دیکھتا رہا...... پھر دھیمی آواز میں ذرا آگے کی طرف ہو کر بولا۔
"جو انفارمیشن آپ کو چاہئے وہ ٹاپ سیکرٹ انفارمیشن ہے اور وہاں تک میری پہنچ نہیں ہے...... اتنا مجھے معلوم ہے کہ ایک اسرائیلی بندرگاہ سے مرچنٹ نیوی کا ایک بار بردار عام قسم کا بحری جہاز کشمیر کے محاذ پر کشمیریوں کے خلاف استعمال ہونے والا اسلحہ اور گولہ بارود لے کر روانہ ہونے والا ہے...... اس جہاز کا نام کیا ہے...... نمبر کیا ہے؟ یہ ایک ٹاپ سیکرٹ فائل میں درج ہے اور یہ فائل محکمہ دفاع کے ٹاپ سیکرٹ سیکشن کی ایک الماری میں بند ہے...... اس الماری کو کھولنے کی سوائے سیکشن آفیسر کے اور کسی کو اجازت نہیں ہے۔ سیکشن آفیسر بھی جب اشد ضرورت کے وقت اس الماری کو کھولتا ہے تو انٹیلی جنس کے دو اعلیٰ آفیسر اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوتے ہیں...... ان کی نگرانی میں سیکشن آفیسر الماری میں سے فائل نکال کر ضروری معلومات حاصل کرتا ہے اور فائل دوبارہ الماری میں رکھ کر الماری کو تالا لگادیا جاتا ہے۔ الماری کی چابی سیکشن آفیسر کے پاس بھی نہیں ہوتی...... یہ چابی انٹیلی جنس کے ایک آفیسر کی تحویل میں ہوتی ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ چابی کہاں رکھتا ہے۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے لئے گولہ بارود اور اسلحہ لانے والے جہاز کا نام اور نمبر معلوم کرنا کس قدر مشکل بلکہ ناممکن ہے"۔

عمران بڑی توجہ سے جمیل مہدی کی بات سن رہا تھا...... جب مہدی نے اپنی بات ختم کی تو اس نے کہا۔
"مہدی بھائی! آپ بھارت کے محکمہ دفاع میں کام کرتے ہیں...... کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی ترکیب ہے جس پر عمل کرتے ہوئے میں اس ٹاپ سیکرٹ فائل تک پہنچ سکتا ہوں؟ آپ معاملے کی سنگینی کو ضرور سمجھ رہے ہوں گے۔ اگر ہم نے اس جہاز کو تباہ نہ کیا تو اس میں لدا ہوا اسلحہ اور گولہ بارود سینکڑوں بے گناہ کشمیریوں کی جان لے لے گا اور ان کے گھروں اور عبادت گاہوں کو نذر آتش کر دے گا"۔
جمیل مہدی سوچ میں پڑ گیا...... چند لمحے وہ گہری سوچ میں گم رہا...... پھر نظر اٹھا کر اس نے عمران کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔
"میں اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا...... مجھے کل کا دن دے دیجئے...... میں حالات اور محل وقوع کا پورا جائزہ لینے کے بعد کل رات کو اسی وقت آپ کے پاس آؤں گا اور بتا سکوں گا کہ اس سلسلے میں کیا ہو سکتا ہے...... اب مجھے اجازت دیجئے"۔
جمیل مہدی کے جانے کے دو تین منٹ بعد حاجی صاحب عمران کے کمرے میں آگئے...... بڑی راز داری سے پوچھا۔
"کوئی تسلی بخش بات ہوئی؟"۔
عمران بولا۔
"آدھی بات ہوئی ہے...... مہدی صاحب نے کل اسی وقت آنے کا وعدہ کیا ہے"۔
حاجی صاحب عمران کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔
"یہ شخص بھارت کے محکمہ دفاع میں خاص پوسٹ پر تعینات ہے...... مسلمانوں کو بھارتی سرکار ایسی کلیدی آسامیوں پر کبھی نہیں لگاتی، لیکن جمیل مہدی کی سیکرٹری دفاع نے سفارش کی تھی...... اس کی وجہ جمیل مہدی کی سیاسی دانشمندی ہے...... اس

نے بھارت کی دفاعی پوزیشن کے راز معلوم کرنے کی خاطر اپنے آپ کو پاکستان کا دشمن اور بھارت کا زبردست دیش بھگت مشہور کر رکھا ہے...... یہ راز ہم اپنے ذرائع سے کشمیر کے محاذ پر حریت پرست مجاہدین تک پہنچا دیتے ہیں...... یہ ہمارا ٹاپ سیکرٹ معاملہ ہے...... اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"جی ہاں...... میں پوری طرح سمجھ گیا ہوں"۔

اور اس کے بعد عمران نے حاجی صاحب کو وہ ساری باتیں بیان کر دیں جو جمیل مہدی اسے بتا گیا تھا...... حاجی صاحب بولے۔

"فکر کرنے کی کوئی بات نہیں...... مجھے یقین ہے جمیل مہدی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا"۔

جمیل مہدی نے جو راستہ نکالا وہ موت کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا......

دوسرے دن رات کو ٹھیک وقت پر وہ آگیا۔ عمران اس کا انتظار کر رہا تھا...... حاجی صاحب نے اسے اوپر عمران کے پاس بھیج دیا کہنے لگا۔

"عمران بھائی! اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے مگر اس میں کامیابی کی امید دس فی صدی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مہدی صاحب! کامیابی اور ناکامیابی تو اللہ کے اختیار میں ہے...... آپ یہ بتائیں کہ مجھے کرنا کیا ہو گا"۔

جمیل مہدی بولا۔

"کیا آپ کو کبھی ایک فٹ قطر یعنی ڈایا میٹر کے پائپ میں سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

عمران جمیل مہدی کا منہ تکنے لگا کہ یہ شخص کیا کہنا چاہتا ہے...... اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے ایسا کبھی اتفاق نہیں ہوا...... آپ کی اس سے کیا مراد ہے؟"۔

جمیل مہدی کہنے لگا۔

"میرا مطلب بالکل واضح ہے...... اب آپ میری بات پوری توجہ سے سنیں...... میں نے اپنے تمام ذرائع بروئے کار لاتے ہوئے حالات کا پورا تجزیہ کیا تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں اگر اپنے تمام ظاہری اور خفیہ ذرائع کو استعمال میں لاتے ہوئے اگر ایک ہزار سال تک بھی کوشش کرتا رہوں تو بھارتی محکمہ دفاع کے ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں داخل ہو کر ٹاپ سیکرٹ فائل تک نہیں پہنچ سکتا، لیکن اگر آپ موت کے منہ میں سے گزرنے کے لئے تیار ہیں تو میں آپ کی مدد ضرور کر سکتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"مہدی بھائی! پلیز ان باتوں کو چھوڑیں اور مجھے یہ بتائیں کہ مجھے کرنا کیا ہو گا...... زندگی موت، کامیابی، ناکامیابی کو آپ بھول جائیں"۔

جمیل مہدی اس دوران سگریٹ سلگا رہا تھا...... سگریٹ کا ہلکا سا کش لے کر بولا۔

"تو پھر سنئے...... یہ جو محکمہ دفاع کا ہمارا ٹاپ سیکرٹ سیکشن ہے یہ محکمہ دفاع کے سرکاری کمپلیکس کے تیسرے بلاک میں ہے...... اس کی ساخت یعنی اس کو اس طریقے سے تعمیر کیا گیا ہے جس طریقے سے بنکوں کے لاکرز روم بنائے جاتے ہیں...... اس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ ہے جس کے دو گیٹ ہیں...... پہلا گیٹ لکڑی کے مضبوط کیواڑوں کا ہے...... اس کو کھول کر آگے جائیں تو دوسرا گیٹ لوہے کی موٹی سلاخوں کا دروازہ ہے...... ان دونوں دروازوں پر ہر وقت ایک ایک سنتری لائٹ مشین گن لئے پہرے پر موجود رہتا ہے...... سلاخوں کے دروازے کے آگے پھر ٹاپ

سیکرٹ سیکشن کے کمرے کا اپنا دروازہ ہے جو ہر وقت بند رہتا ہے...... اس دروازے پر نمبروں والا کمپیوٹرائزڈ تالہ لگا ہوا ہے جو صرف کوڈ نمبر ملانے سے ہی کھلتا ہے...... ان نمبروں کا علم سیکرٹری دفاع سیکشن آفیسر اور بھارت کے پردھان منتری کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں"۔

جمیل مہدی سگریٹ کا کش لگانے کے لئے رک گیا...... عمران سوچ رہا تھا کہ دیکھیں اس تھیلے میں سے کیا نکلتا ہے...... سگریٹ کا ایک کش لگانے کے بعد جمیل مہدی بولا۔

"میں نے اس مسئلے پر کافی غور کیا اور مجھے صرف ایک ہی صورت اس ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں داخل ہونے کی نظر آئی ہے مگر اس میں تھوڑے دل گردہ قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ مطلب میرے کہنے کا یہ ہے کہ اس ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں داخل ہونے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے...... صرف ایک راستہ ہے جس کی طرف شاید سیکورٹی والوں کا دھیان نہیں گیا"۔

"وہ کون سا راستہ ہے؟" عمران نے بے چین سا ہو کر پوچھا...... جمیل مہدی کہنے لگا۔

"ٹاپ سیکرٹ سیکشن کے کمرے میں، جہاں تمام ٹاپ سیکرٹ کاغذات اور فائیلیں وغیرہ رکھی جاتی ہیں ایک آتش دان بھی ہے...... شاید یہ غیر ضروری اور انتہائی خطرناک معلومات بہم پہنچانے والے کاغذات کو نذر آتش کرنے کے لئے بنایا گیا تھا...... مجھے سیکرٹری دفاع کے ساتھ صرف دو بار اس کمرے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور میں نے دونوں دفعہ دیکھا تھا کہ آتش دان میں کچھ پرانی فائیلیں اور کاغذات جل رہے تھے...... بہر حال اسی آتش دان کی ایک تیں پینتیس فٹ اونچی چمنی ہے جو آتش دان کی دیوار کے اندر سے گزرتی اوپر چھت پر جا کر کھلتی ہے...... اس چمنی کا قطر میرے اندازے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فٹ ہے...... اگر آپ اس کمرے میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو صرف اس چمنی کے اندر سے گزر کر ہی کمرے میں داخل ہو سکتے ہیں، دوسرا کوئی ذریعہ آپ کے لئے اس ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں داخل ہونے کا نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں ڈیڑھ فٹ قطر کی چمنی میں سے اتر بھی جاؤں گا اور واپس بھی آجاؤں گا...... لیکن سوال یہ ہے کہ وہاں رات کے وقت سیکورٹی کا کیا انتظام ہوتا ہے۔ محکمہ دفاع کے کمپلیکس میں رات کے وقت داخل ہونا اور پھر ٹاپ سیکرٹ سیکشن کی چھت پر چڑھنا اتنا آسان نہیں ہوگا...... وہاں تو سیکورٹی کا زبردست بندوبست کیا گیا ہوگا...... آپ مجھے صرف یہ بتادیں کہ یہ بندوبست کس قسم کا ہے"۔

جمیل مہدی نے کہا۔

"ظاہر ہے اس قسم کی انتہائی حساس نوعیت کی عمارتوں میں رات کے وقت سیکورٹی بڑی سخت کردی جاتی ہے۔ یہاں بھی رات کے وقت مسلح پولیس کی دو پٹرول پارٹیاں گشت کرتی رہتی ہیں...... سیکشن کے کمرے کے دروازے کے سامنے دو گارڈ رات کے وقت موجود رہتے ہیں...... اس کو چھوڑیں...... میں آپ کو چھت پر جانے کا راستہ بتادوں گا، لیکن اصل سوال ٹاپ سیکرٹ سیکشن میں ان الماریوں کے میگنائزڈ نمبروں والے میکنیٹک تالے کھولنے کا ہے جن میں آپ کی مطلوبہ فائل رکھی جاتی ہے۔ آپ الماری کا تالا کس طرح کھولیں گے...... یہ کوئی عام قسم کا تالا نہیں ہے...... وہ خاص نمبروں کو جوڑ کر کھولا جاتا ہے اور ان نمبروں کا علم یا سیکشن آفیسر کو ہے یا سیکرٹری دفاع کو ہے اور یا بھارت کے پردھان منتری کو ہے"۔

عمران نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں...... میں اس قسم کے تالے کھولنے کا گر جانتا ہوں...... یوں سمجھ لیں کہ ہمیں ان تالوں کو کھولنے کی خاص تربیت دی جاتی ہے۔ آپ مجھے چھت پر جانے کا راستہ بتائیں"۔

جمیل مہدی نے بڑی تعجب خیز نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھا اور سگر ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولا۔

"چلئے ٹھیک ہے...... سیکرٹ سیکشن کی چھت پر چڑھنے کا بھی صرف ایک ذریعہ ہے......اس ایک منزلہ عمارت کی عقبی دیوار محکمہ دفاع کے احاطے کی دیوار صرف دوفٹ کے فاصلے پر ہے......احاطے کی دیوار اور سکیشن کے کمرے کی عقبی کے درمیان جو خالی جگہ ہے وہاں ردی کاغذ اور کوڑا کرکٹ بھرا رہتا ہے......احاطے دیوار دس فٹ اونچی ہے...... دیوار کی منڈھیر پر شیشے کے ٹکڑے سیمنٹ میں ہوئے ہیں...... سب سے اہم بات یہ ہے کہ جہاں سیکشن کے بلاک کی عقبی دیوار ہے وہاں احاطے کی دیوار کے باہر سڑک پر ایک موٹر سائیکل مرمت کرنے و مکینک کا عارضی کھوکھا ہے...... تم اس کھوکھے کی مدد سے احاطے کی دیوار پر چڑھ ہو۔ آگے تمہیں اپنی عقل اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہوگی"۔

"دیوار کے اس جانب سیکورٹی کا کوئی انتظام نہیں ہے؟"۔

عمران نے پوچھا۔

جمیل مہدی کہنے لگا۔

"بیس پچیس فٹ اونچی احاطے کی دیوار ہے اور دیوار کے اوپر شیشے کے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں...... باقی سیکشن روم کے سامنے کی طرف دو مسلح سپاہی کے وقت پہرے پر ضرور موجود ہوتے ہیں"۔

"اور چھت کے اوپر کوئی سنتری نہیں ہوتا؟"۔

عمران نے سوال کیا...... جمیل مہدی بولا۔

"چھت پر جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے"۔

اوپر کوئی کیسے جائے گا...... اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ تم سیکرٹ سیکشن چھت پر کیسے چڑھو گے...... آخر میں تمہیں اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم گئے تو تمہاری موت اتنی اذیت ناک ہوگی کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے......اب میں تم سے ایک بات کی یقین دہانی چاہتا ہوں"۔

"کس بات کی یقین دہانی؟" عمران نے پوچھا۔

جمیل مہدی نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ تم اس خطرناک مشن پر نکلو...... تمہیں مجھے یقین دلانا ہوگا کہ پکڑے جانے کی صورت میں تمہاری زبان پر میرا اور حاجی صاحب کا نام نہیں آئے گا......اگر تمہاری زبان پر ہم دونوں میں سے کسی کا نام آگیا تو نہ صرف یہ کہ ہم دونوں کو فائرنگ سکوئیڈ کے سامنے کھڑا کر کے شوٹ کر دیا جائے گا بلکہ بھارتی سرکار ہمارے خاندانوں کا نام ونشان تک مٹا دے گی"۔

عمران نے جمیل مہدی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور کہا۔

"مہدی بھائی! پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں کمانڈو ٹریننگ کے دوران ناقابل برداشت حد تک اذیتیں برداشت کرنے کی تربیت دی گئی ہے...... ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جب اذیت ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو کس طرح اپنے اوپر غشی طاری کی جاتی ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ میں موت کو ہنسی خوشی سینے سے لگالوں گا لیکن میری زبان پر تمہارا یا حاجی صاحب کا نام کبھی نہیں آئے گا...... اس سے زیادہ یقین دلانے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں"۔

جمیل مہدی نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"میں تم پر یقین کرتا ہوں...... ایک اور بات یہ ہے کہ تمہیں دن کی روشنی میں سیکرٹ سیکشن کے بلاک کے عقب میں جو سڑک گزرتی ہے وہاں جا کر اپنا ٹارگٹ کا سروے یعنی مشاہدہ کرنا ہوگا...... یہ کام تمہیں اکیلا کرنا ہوگا، میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا...... حاجی صاحب بھی تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے...... میں تمہیں اس بازار کا نام اور محل وقوع بتائے دیتا ہوں...... باقی تمہیں اپنے اس مشن کے لئے جن

جن چیزوں کی ضرورت ہوگی حاجی صاحب تمہیں مہیا کر دیں گے"۔

اس کے بعد جمیل مہدی نے عمران کو سڑک کا نام اور اس علاقے کے بارے میں پوری تفصیل کاغذ پر لکھوادی جہاں انڈین ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے ٹاپ سیکرٹ سیکشن والے بلاک کی عقبی دیوار لگتی تھی اور جہاں سڑک پر باہر کی جانب موٹر مکینک کا کھوکھ تھا...... عمران نے یہ سب کچھ لکھ کر سنبھال کر رکھ لیا...... جمیل مہدی بولا۔

"ایک اور ضروری بات میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا...... وہ یہ بات ہے کہ اگر تم آتش دان کی چمنی کے ذریعے زندہ حالت میں سیکرٹ سیکشن میں اترنے میں کامیاب ہوگئے تو وہاں تمہیں آتش دان کے بالکل سامنے والی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لوہے کی تین الماریاں نظر آئیں گی...... ان میں جو درمیان والی الماری ہوگی تمہاری ٹاپ سیکرٹ فائل جس میں اس بار بردار جہاز کا نام اور نمبر لکھا ہے جو بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود لے کر بھارت آنے والا ہے اور سب سے ضروری بات میں نے ابھی تک نہیں کی...... وہ یہ ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں ہو...... تمہارے پاس کوئی پاسپورٹ، ویزا نہیں ہے...... تمہیں بے حد محتاط رہنا ہوگا...... یہ دلی ہے اور بھارت کی راجدھانی ہے...... یہاں سول اور ملٹری انٹیلی جنس والوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ اگر کسی نے تم سے پوچھا تو اپنے آپ کو یہاں ہرگز ہندو ظاہر نہ کرنا...... مسلمان ہی ظاہر کرنا اور یہی کہنا کہ تم بہار کے رہنے والے ہو اور دلی میں کام کی تلاش میں آئے ہو اور رات کو سٹیشن پر سوتے ہو...... یہاں بہاری خاصی تعداد میں کام کی تلاش میں آئے ہوئے ہیں۔ اب میں چلتا ہوں...... تم کل کسی وقت ٹارگٹ کا مشاہدے کے لئے نکل جانا۔ میں کل رات کو نہیں تو پرسوں رات کو تمہیں اسی کمرے میں ملوں گا؟"۔

جمیل مہدی نے عمران سے ہاتھ ملایا اور کمرے سے نکل گیا...... عمران نے کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور صوفے پر بیٹھ کر اپنے ذہن میں ٹاپ سیکرٹ سیکشن مشن کی منصوبہ بندی کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا...... اس مشن کے لئے عقلمندی کے ساتھ ساتھ بے حد محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ معمولی سی غفلت نہ صرف یہ کہ اس کے مشن کو تہس نہس کر سکتی تھی بلکہ خود اسے بھی پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی تھی...... اسے جو کچھ بھی کرنا تھا اکیلے ہی کرنا تھا...... یہ اکیلے کمانڈو کا ہی کام تھا...... دو کمانڈوز میں اختلاف رائے کا امکان تھا اور یکسوئی کے ساتھ عمران کام نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے مشن کا پورا منصوبہ کمانڈو عمران کے ذہن میں آچکا تھا...... سب سے پہلے ٹارگٹ کا مشاہدہ ضروری تھا۔ جمیل مہدی نے اسے سیکرٹ سیکشن کے بلاک کی بیرونی ساخت تفصیل سے بتادی تھی...... اس کی سب سے بڑی نشانی بلاک کے اوپر لگا ہوا بھارت کا ترنگا جھنڈا تھا۔ عمران سو گیا۔

صبح حاجی صاحب کمرے میں آگئے...... کہنے لگے۔

"میاں ناشتہ اوپر ہی کرنا...... رات جمیل مہدی صاحب کی تمہارے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی وہ انہوں نے مجھے بتادی تھی...... تمہیں اس مشن کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے مجھے ان کی لسٹ بنا کر دے دو...... تمہیں ہر شے مل جائے گی"۔

عمران نے کہا۔

"سب سے پہلے میں آج رات کو ٹارگٹ کا محل وقوع دیکھنے جاؤں گا"۔

حاجی صاحب بولے۔

"تمہیں معلوم ہے نا بھارت کا محکمہ دفاع کون سی سڑک پر ہے؟"۔

"مہدی صاحب نے مجھے بہت کچھ بتادیا ہے" عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے" حاجی صاحب بولے...... زیادہ رات گئے مت جانا اور وہاں سڑک پر زیادہ چکر بھی نہ لگانا...... وہاں انٹیلی جنس والے پھر رہے ہوتے ہیں۔

عمران بولا۔

''میں اس کا خیال رکھوں گا...... ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہی میں بتا سکوں گا کہ مجھے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے''۔

''کوئی بات نہیں'' حاجی صاحب بولے...... تم سروے کر لو۔

مگر میں پھر کہوں گا کہ بہت محتاط ہو کر رہنا۔

عمران نے سارا دن ہوٹل کے کمرے میں ہی گزار دیا...... جب رات کا پہلا پہر شروع ہوا تو وہ خاموشی سے ہوٹل سے نکل گیا، جس علاقے میں بھارت کے محکمہ دفاع کے دفاتر تھے وہ علاقہ عمران کا دیکھا بھالا تھا...... وہ رکشے میں بیٹھ کر محکمہ دفاع کے کمپلیکس سے کچھ دور پیچھے ہی اتر گیا...... وہاں سے پیدل فٹ پاتھ پر چلنے لگا...... کمپلیکس کے صدر دروازے کی طرف جانے کی بجائے اس کے عقب میں جا رہا تھا۔ سارا علاقہ جدید ترین علاقہ تھا...... سڑکیں کشادہ اور روشن تھیں...... سڑک پر سے قسم کا ٹریفک گزر رہا تھا...... جمیل مہدی نے اسے جس طرح بتایا تھا وہ اسی طرح چل رہا تھا...... آخر ایک جگہ اسے محکمہ دفاع کے احاطے کی اونچی دیوار کے دوسری جانب ایک بلاک نظر پڑا جس کے درمیان والے کمرے کی چھت پر بھارت کا ترنگا جھنڈا لہرا رہا تھا...... ٹارگٹ کی سب سے اہم نشانی کسی موٹر مکینک کا کھوکھا یا چھوٹا سا گیراج تھا۔ آخر عمران کو یہ گیراج بھی نظر آ گیا...... گیراج ایک کھوکھے کی شکل میں تھا اور بلاک کے درمیانی کمرے کی عقبی دیوار کے آگے احاطے کی دیوار کے ساتھ ہی باہر کی جانب بنا ہوا تھا...... ایک سردار جی بجلی کی روشنی میں ایک سکوٹر کی مرمت میں لگے ہوئے تھے۔

عمران سڑک کراس کر کے سردار جی کے پاس آ گیا...... کہنے لگا۔

''سردار جی! میرے سکوٹر میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے...... کل سے بند پڑا ہے۔ سٹارٹ کر کر کے تنگ آ گیا ہوں...... سٹارٹ ہی نہیں ہوتا''۔

سردار جی نے ایک نظر عمران کو دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا کہنے لگا۔

''پٹرول اور فلو ہو رہا ہو گا''۔

عمران بولا۔

''میں نے چیک کیا ہے...... ایسی بات نہیں ہے''۔

سردار جی عمران کی طرف دیکھے بغیر بولے۔

''کل کسی وقت یہاں لے آنا...... میں دیکھ لوں گا...... کہاں رہتے ہو؟''۔

عمران نے کہا۔

''نہرو کالونی میں رہتا ہوں مہاراج''۔

دلی کی تین چار کالونیوں کے نام عمران کو اچھی طرح یاد تھے...... سردار جی نے کہا۔

''کل کسی وقت سکوٹر لا کر چھوڑ جانا''۔

اس دوران عمران نے کھوکھے کی چھت اور احاطے کی دیوار کا پوری طرح سے جائزہ لے لیا تھا...... کھوکھے کی چھت سے احاطے کی دیوار چار پانچ فٹ ہی اونچی تھی...... دیوار کے اوپر سیمنٹ میں لگے ہوئے ٹوٹی ہوئی شیشے کی بوتلوں کے ٹکڑے بجلی کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ بجلی کی روشنی سردار جی کے کھوکھے کے اوپر لگے ہوئے بلب کی تھی۔ سڑک پر جو بجلی کے کھمبے پر مرکری لائٹ جل رہی تھی، وہ وہاں سے پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر تھی۔ ظاہر ہے رات کو جب سردار جی گیراج بند کر کے چلے جاتے ہوں گے تو بجلی کی روشنی بھی بجھ جاتی ہو گی...... دیوار کی دوسری جانب بلاک کے اوپر ترنگا جھنڈا اس بات کی نشانی تھی کہ یہی محکمہ دفاع کے سیکرٹ سیکشن کا کمرہ ہے...... وہاں سے آتش دان کی چمنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید وہ چھت کی دوسری جانب تھی۔

عمران نے سردار جی سے کہا۔

''میں کل کسی وقت سکوٹر تانگے پر رکھوا کر لے آؤں گا''۔

سردار جی نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کام میں لگے رہے۔

عمران واپس آ گیا...... حاجی صاحب نے اسے ہوٹل میں اوپر جاتے دیکھا تو کچھ دیر بعد وہ بھی کسی بہانے اوپر آ گئے...... عمران نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ حاجی صاحب نے آہستہ سے دستک دی...... عمران نے دروازہ کھول دیا...... حاجی صاحب اندر آ گئے اور دروازہ بند کر دیا...... عمران کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور پوچھا۔

"دیکھ آئے ہو؟"۔

عمران بولا۔

"جی ہاں"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"تمہیں جس جس چیز کی ضرورت ہے مجھے لکھ کر دے دو...... تمہارا ارادہ مشن پر کس وقت جانے کا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"کل رات کو جاؤں گا"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"ایسا ہے کہ تمہارا اس ہوٹل سے آدھی رات کو اپنے مشن پر جانا اور پھر آ ہوٹل میں واپس آنا کسی خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے"۔

عمران بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا...... آپ کے پاس کوئی ایسی جگہ ہے جو قدرے غیر آباد علاقے میں ہو؟"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"ایک جگہ ہے...... میں یہی سوچ کر تمہارے پاس آیا ہوں...... وہاں تمہیں آتے جاتے کوئی نہیں دیکھ سکے گا...... بس صرف تمہیں اتنا خیال رکھنا پڑے گا کہ تمہارے پیچھے کوئی انٹیلی جنس والا نہ لگ جائے، کیونکہ تمہارا ٹارگٹ انتہائی حساس علاقے میں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں...... میں پوری احتیاط سے کام لوں گا...... اگر کوئی میرے پیچھے لگ گیا تو مجھے پتہ چل جائے گا...... پھر میں آپ کی بتائی ہوئی جگہ پر نہیں آؤں گا...... کسی دوسری طرف نکل جاؤں گا...... اس کے بعد میں جانوں اور انٹیلی جنس کا جو آدمی میرے پیچھے لگا ہو گا وہ جانے"۔

حاجی صاحب متفکر ہو کر بولے۔

"لیکن انٹیلی جنس کا آدمی تو تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گا"۔

عمران نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"وہ زندہ رہے گا تو میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا...... میں اسے کیسے زندہ چھوڑ سکتا ہوں"۔

حاجی صاحب خاموش ہو گئے...... اگرچہ وہ خود کمانڈو نہیں تھے، مگر اس سے پہلے کئی کمانڈو جانبازوں کو بھگتا چکے تھے...... انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ جب خفیہ پولیس والا آدمی کسی کمانڈو کے پیچھے لگ جاتا ہے تو پھر وہ کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایسے حالات میں کمانڈو اس خفیہ پولیس والے کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتے اور کمانڈو کے لئے اس قسم کے کسی آدمی کو ہلاک کر ڈالنا کوئی مشکل نہیں ہوتا...... انہوں نے عمران سے کہا۔

"کل میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر جگہ دکھا دوں گا...... یہ جگہ غیر آباد علاقے میں ہے...... دو تین سال پہلے میں نے یہ ایک کینال کا پلاٹ خرید کر چار دیواری بنائی ہوئی ہے...... میرا بوڑھا ملازم وہاں چوکیداری کرتا ہے...... دو کمرے ڈال رکھے ہیں...... ایک کمرہ چوکیدار کے پاس ہے، ایک میں نے بند کیا ہوا ہے...... اس کی چابی

میں تمہیں دے دوں گا...... علاقہ شہر سے زیادہ دور بھی نہیں ہے...... باقی تمہیں جس جس چیز کی ضرورت ہے وہ کاغذ پر لکھ کر مجھے دے دو"۔

عمران بولا۔

"میں ابھی لکھ دیتا ہوں"۔

عمران نے کاغذ پنسل نکال لیا اور بولا۔

"سب سے پہلے تو مجھے ایک انتہائی حساس اور چھوٹے سے چھوٹے فوٹو کیمرے کی ضرورت ہے۔ کیا آپ اس کا انتظام کر دیں گے؟"۔

حاجی صاحب مسکرائے...... کہنے لگے۔

"میاں! تم سے پہلے میں کئی جانباز کمانڈو کو بھگتا چکا ہوں...... پاکستان اور کشمیر کے جہاد کی خاطر تو میں اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوں...... تم فکر نہ کرو سمجھ لو کہ تمہارے مطلوبہ کیمرے کا انتظام ہو گیا ہے آگے لکھو...... کس چیز کی مزید ضرورت ہو گی"۔

عمران نے لکھتے ہوئے کہا۔

"میرا آٹومیٹک پستول تو آپ کے پاس ہی ہے وہ بھی مجھے دے دیجئے گا"۔

حاجی صاحب بولے۔

"ضرور لے لینا...... وہ تمہاری امانت ہے اور کچھ؟"۔

عمران لکھ بھی رہا تھا اور بولے بھی جا رہا تھا۔

"کم از کم پچیس گز لمبی نائیلون کی مضبوط اور باریک سے باریک رسی کی ضرورت ہو گی"۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا" حاجی صاحب نے کہا۔

عمران بولا۔

"اس کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس کے بغیر میرا مشن مکمل نہیں ہو سکتا...... خدا کرے کہ وہ مل جائے"۔

"تم اس چیز کا نام لو میاں...... میں اگرچہ خود کمانڈو نہیں رہا لیکن اتنے کمانڈوز کے لئے کام کر چکا ہوں کہ مجھے ان کی ایک ایک ضروری چیز کا علم بھی ہے اور میں نے اس کا پہلے سے انتظام کر رکھا ہے"۔

عمران کو قدرے اطمینان ہو گیا...... کہنے لگا۔

"یہ ایک بہت چھوٹا اور باریک الیکٹرانک پیچ کس ہوتا ہے جس کو بیٹری کے ذریعے چارج کیا ہوتا ہے...... اس میں معمولی سا کرنٹ ہوتا ہے...... وہ"۔

حاجی صاحب نے عمران کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"سیدھا کہو کہ تمہیں ایک الیکٹرانکس راڈ چاہیئے...... میں جانتا ہوں یہ کس کام آتا ہے...... اس کی مدد سے کسی بھی کنڈکٹر کو شارٹ سرکٹ کیا جا سکتا ہے"۔

عمران حیران ہو کر حاجی صاحب کو تکنے لگے...... اس شخص کو کمانڈوز کے کام آنے والے جدید ترین آلات کا بھی علم تھا، اس نے کہا۔

"حاجی صاحب! آپ نے بالکل صحیح کہا...... مجھے الیکٹرانک راڈ ہی چاہیئے، لیکن یہ سب سے چھوٹے سائز کا ہونا چاہیئے"۔

حاجی صاحب مسکرا رہے تھے...... کہنے لگے۔

"فکر نہ کرو...... یہ سب سے چھوٹے سائز کا ہو گا اور لکھو کیا چاہیئے"۔

عمران بولا۔

"اس کے علاوہ صرف ایک کمانڈو چاقو کی ضرورت ہو گی"۔

"اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا"۔

"بس اور کچھ نہیں چاہیئے" عمران نے کاغذ حاجی صاحب کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ حاجی صاحب نے کاغذ تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور بولے۔

"صبح میں تمہیں کچھ نقد رقم بھی دے دوں گا...... تمہیں ٹیکسی رکشا کے لئے اس کی ضرورت پڑے گی"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! میرے پاس آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں"۔

حاجی صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بھائی میاں شکریہ کیسا؟ یہ تو میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں، بلکہ یوں سمجھ لو کہ ایک طرح سے کشمیر کے جہاد میں شریک ہو رہا ہوں...... اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے بس مجھے اور کچھ نہیں چاہئے"۔

"جزاک اللہ" عمران بے اختیار پکار اٹھا۔

حاجی صاحب کے جانے کے بعد عمران نے ہوٹل کے اپنے کمرے میں ہی کھا منگوا کر کھایا...... کچھ دیر بیٹھا اخبار پڑھتا رہا...... پھر بتی بجھا کر سو گیا...... دوسرے رو صبح صبح حاجی صاحب نے عمران کو ساتھ لیا اور اسے وہ جگہ دکھانے چل دیئے جہاں سے عمران نے رات کو اپنے کمانڈو مشن پر روانہ ہونا تھا...... اس جگہ کا صحیح حدود اربعہ می بیان نہیں کروں گا...... یوں سمجھ لیں کہ یہ جگہ شہر سے تھوڑے فاصلے پر تھی۔ گورنمنٹ کا منصوبہ یہاں ایک نئی کالونی بنانے کا تھا، ابھی ایک ایک دو دو کنال کے پلاٹ کچھ فروخت ہو چکے تھے...... کچھ خالی پڑے تھے...... کسی جگہ بھی تعمیر کا شروع نہیں ہوا تھا۔ حاجی صاحب نے اپنے پلاٹ کے گرد چار دیواری بنا رکھی تھی۔ اندر الگ الگ دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ایک کمرے میں بوڑھا چوکیدار ر کو سوتا تھا...... دوسرا کمرہ خالی پڑا تھا۔ حاجی صاحب نے وہ کمرہ کھول کر چابی کمانڈو عم کو دے دی اور چوکیدار سے کہا کہ یہ میرے دوست ہیں...... آج کی رات ٹھہ گے...... کمرے کے پیچھے باتھ روم بنا ہوا تھا...... عمران حاجی صاحب کے ساتھ واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا...... اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ٹیکسی وغیرہ اسے وہاں طرف سے ملے گی...... دوپہر کے بعد حاجی صاحب عمران کے مشن میں کام آ چیزیں لے کر آ گئے...... انہوں نے پلاسٹک کے لفافے میں سے الیکٹرانک راڈ، کیمرہ اور کمانڈو چاقو نکال کر عمران کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ عمران نے سب سے پہلے الیکٹرانکس راڈ کو چیک کیا...... اس کی بیٹری چارج تھی...... یہ بہت باریک سلاخ کی طرح کا پیچ کس تھا...... عمران کو اس کی ضرورت تھی۔ کیمرہ بھی سگریٹ لائٹر سائز کا تھا...... عمران نے پوری طرح کیمرے کو چیک کیا...... حاجی صاحب نے کہا۔

"اس میں فلم ڈالی ہوئی ہے...... ایک فلم میں یہ ایک سو بیس تصویریں لیتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے اسی کیمرے کی ضرورت تھی"۔

ان چیزوں کے علاوہ نائیلون کی سیاہ رنگ کی رسی کا گچھا بھی تھا...... حاجی صاحب نے کہا۔

"میں نے اسے چیک کیا تھا...... تم بھی چیک کر لینا، یہ بہت مضبوط رسی ہے...... اس کے ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... تم سے پہلے کئی جانباز حریت پسند اسے آزما چکے ہیں"۔

باقی تمہارا پستول بھی میری جیب میں ہے۔

عمران بولا۔

"میرا خیال ہے اس مشن میں یہ پستول میرے کام نہیں آئے گا، اس کی وجہ ظاہر ہے...... اس کے آگے سائی لینسر نہیں لگا ہوا...... یہ پستول آپ اپنے پاس ہی رکھیں...... ہنگامی صورت میں میرا کمانڈو چاقو ہی کافی ہوگا"۔

عمران نے حاجی صاحب کو بتایا کہ وہ شام ہونے سے ذرا پہلے ہوٹل سے نکل جائے گا اور اگر پکڑا نہ گیا تو دوسرے روز منہ اندھیرے واپس آ جائے گا...... حاجی صاحب بولے۔

"آج تک میرے ہاں سے نکل کر اپنے مشن پر گیا ہوا کمانڈو ہمیشہ کامیاب ہی واپس لوٹا ہے...... تم بھی انشاءاللہ کامیاب و کامران واپس آؤ گے...... میں نیچے کاؤنٹر پر

جارہا ہوں...... انشاءاللہ کل ملاقات ہو گی“۔

عمران تیسرے پہر تک آرام کرتا رہا...... سورج ڈھلنے لگا تو وہ اٹھ کر تیار ہونا شروع ہو گیا...... اس نے مٹیالے رنگ کی پتلون اور اسی رنگ کی قمیض پہنی اور تمام ضروری چیزیں اپنی جیبوں میں رکھ لیں...... ضروری چیزیں دو ہی تھیں...... ایک الیکٹرانک راڈ، دوسرے چھوٹے سائز کا انتہائی طاقتور کیمرہ، نائیلون کی رسی اس نے پتلون کی پچھلی جیب میں ٹھونس لی...... کمانڈو چاقو بھی پتلون کی دوسری پچھلی جیب میں رکھا...... ایک کھیس جسم کے گرد لپیٹا اور اللہ کا نام لے کر کمرے کو تالا لگا کر ہوٹل سے باہر آ گیا...... چوک میں رکشا پکڑا اور حاجی صاحب کے خالی پلاٹ سے تھوڑے فاصلے پر رکشے کو چھوڑ دیا اور وہاں سے پیدل آیا۔

اس وقت تک سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کے سائے پھیلنے لگے تھے...... بوڑھے چوکیدار نے سلام کیا اور چائے کا پوچھا۔

عمران نے کہا۔

”میں کھانا وغیرہ کھا کر چائے پی کر آیا ہوں...... اب میں صبح تک آرام کروں گا...... مجھے بے آرام نہ کیا جائے“۔

چوکیدار اپنی کوٹھڑی کی طرف چل دیا...... عمران نے چابی لگا کر کمرے کا دروازہ کھولا اور کمرے میں آتے ہی دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی...... وہ عام طور پر رات کو کسی مشن پر جاتے ہوئے کھانا وغیرہ بالکل نہیں کھاتا تھا...... صرف اس خیال سے کہ کہیں نیند غالب نہ آ جائے...... گھڑی پر اس نے وقت دیکھا...... ابھی بہت وقت تھا...... کمرے میں ٹی وی تو نہیں تھا ایک چھوٹا ریڈیو کارنس پر پڑا تھا، اسی نے ریڈیو لگا کر سوئی گھمانی شروع کر دی...... ایک جگہ انگریزی میوزک ہو رہا تھا...... اس نے آواز دھیمی کر کے وہی سٹیشن رہنے دیا...... کمرے میں ہلکی ہلکی انگریزی میوزک کی دھنیں بکھرنے لگیں...... اسے یہ میوزک بڑا اچھا لگا...... وقت گزارنا اسے آتا تھا...... اس کی

ھی اسے ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ وہ جوتوں سمیت پلنگ پر کھیس تھوڑا اوپر کر کے لیٹ گیا ر بہت کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اپنی گھڑی پر وقت دیکھ لیتا تھا...... وقت گزرتا جا رہا ھا...... کمرے کی بتی روشن تھی...... جب رات کے بارہ بج گئے تو وہ کھیس الگ کر کے ٹھ کھڑا ہوا...... اس نے باتھ روم میں جا کر منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے...... ضو کیا...... دو نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے مشن کی کامیابی کی دعا مانگی۔ جیب سے یک ایک چیز نکال کر اسے اچھی طرح سے چیک کیا...... کمانڈو چاقو قمیض کے اندر ڈھا پتلون کے اندر آدھا باہر اس طرح سے رکھا کہ وقت آنے پر وہ ہاتھ ڈال کر سانی سے اسے نکال سکتا تھا...... کمرے کی بتی بجھائی...... آہستہ سے چٹخنی اتار کر دروازہ ھولا...... دروازے کو بند کر کے تالا لگایا...... چابی وہیں ایک جگہ چھپائی، کھیس کی بکل ری اور پلاٹ کے احاطے کے گیٹ میں سے رات کے اندھیرے میں باہر نکل گیا۔

سڑک اس نے دن کے وقت دیکھ رکھی تھی...... وہ ایک طرف ہو کر چپ چاپ ل پڑا...... رات سرد تھی...... سارا علاقہ سنسان پڑا تھا...... دور دور راجدھانی دلی کی وشنیاں جھلملا رہی تھیں...... وہ ایک چوک میں سے دائیں جانب مڑ گیا...... یہ سڑک ید ھی شہر کی طرف جاتی تھی...... اگلے چوک میں اسے ایک خالی رکشا مل گیا...... اس نے ہاتھ دے کر رکشا کھڑا کیا اور اندر گھس کر انڈین ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ والی سڑک کا ام لے کر ڈرائیور کو وہاں چلنے کے لئے کہا...... یہ جگہ وہاں سے کافی دور تھی...... رکشا رات کی خاموشی میں خالی سڑک پر دوڑنے لگا۔

اسے اپنی منزل پر پہنچتے پہنچتے آدھ گھنٹہ لگ گیا۔

حسب عادت یہاں بھی اس نے رکشا پیچھے ہی رکوا لیا...... اسے پیسے دیئے اور ٹ پاتھ پر چلنے لگا...... اس سڑک پر سے کبھی کبھی کوئی کار یا ٹرک وغیرہ گزر جاتا تھا...... عمران کھیس کی بکل مارے اپنے آپ کو سمیٹ کر چلا جا رہا تھا...... آخر اسے کچھ

فاصلے پر محکمہ ڈیفنس کے بہت بڑے کمپلیکس کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں...... وہ بائیں طرف ان روشنیوں سے ہٹ کر سڑک پر سے اتر کر ایک گراؤنڈ میں سے گزرتا ہوا کمپلیکس کے عقب والی سڑک پر آگیا...... یہ سڑک تقریباً خالی پڑی تھی...... وہ کمپلیکس کی چار دیواری کو چھوڑ کر سامنے والے فٹ پاتھ پر بظاہر اس طرح چلا جارہا تھا جیسے اپنی دھن میں مست ہو اور اسے دنیا کی کوئی خبر نہ ہو، لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ چاروں طرف سے باخبر تھا اور نیچی نگاہوں سے کچھ اندھیرے اور کچھ روشنی میں ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا...... آخر وہ سردار جی موٹر مکینک کے کھوکھے کے پاس پہنچ گیا...... سردار جی کا کھوکھا بند تھا...... کھوکھے کے اوپر جو بتی لگی تھی وہ بجھی ہوئی تھی...... صرف کمپلیکس کے احاطے کے اندر ہلکی روشنی ہو رہی تھی...... اس روشنی میں اسے سیکرٹ سیکشن کے بلاک کے اوپر لگا ہوا ترنگا جھنڈا نظر آگیا...... وہ بالکل نہ رکا...... چھ سات قدم بڑی بے نیازی سے چلتا گیا...... پھر ایک دم رکا اور بیٹھ گیا۔

بیٹھتے ہی اس نے گردن موڑ کر موٹر مکینک سردار جی کے کھوکھے کی طرف دیکھا...... سامنے سے کسی گاڑی کی روشنی سڑک پر پڑی...... عمران سڑک کی طرف پیٹھ کر کے اس طرح بیٹھ گیا جیسے پیشاب کر رہا ہو...... جب گاڑی گزر کر کافی دور چلی گئی تو وہ ایک دم سے اٹھا...... دوڑ کر سڑک پار کی اور کھوکھے کے پیچھے اندھیرے میں کھوکھے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عقابی نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا...... اس وقت اتفاق سے سڑک بالکل خالی پڑی تھی...... یہ ایک سنہری موقع تھا...... وہ کھوکھے کے عقب میں کھوکھے اور احاطے کی دیوار کے درمیان آگیا...... یہاں دو تین پرانے ٹائر پڑے تھے...... ان پر پاؤں رکھ کر وہ کھوکھے کی چھت پر چڑھ گیا...... یہاں سے احاطے کی دیوار کا فاصلہ بمشکل چار فٹ ہو گا اور بلندی بھی اتنی ہی تھی...... یہ اتنا کے محکمہ دفاع والوں کی نالائقی تھی کہ انہوں نے اتنے حساس ادارے کے باہر احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک موٹر مکینک کو کھوکھا بنانے کی اجازت دے دی۔ حقیقت یہ کہ اگر وہاں یہ کھوکھا نہ ہوتا تو عمران کے لئے تین مرد اونچی دیوار کو پار کرنا اچھا خاصا ایک مسئلہ بن سکتا تھا...... اس نے کھیس اتار کر اس کو تہہ کیا اور احاطے کی دیوار کے اوپر جو ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے ٹکڑے لگے تھے ان کے اوپر پھینک دیا...... اس کے ساتھ ہی اچھل کر دیوار کی منڈیر کو پکڑ لیا...... تہہ کئے ہوئے کھیس نے گدیوں کا کام دیا اور ہاتھوں کو شیشے کے ٹکڑوں سے زخمی ہونے سے محفوظ رکھا، لیکن اس کے ہاتھ ہلکی ہلکی چبھن ضرور محسوس کر رہے تھے۔

اس قسم کی دیواروں پر چڑھنے اترنے کی اسے کافی ٹریننگ ملی ہوئی تھی...... اس نے منڈیر پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھا...... دیوار پر کھڑے ہو کر سیکرٹ سیکشن کی منڈیر پر کمند ڈالنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... کسی طرف سے بھی وہ کسی گارڈ یا گشت کرتی پٹرول پارٹی کو نظر آسکتا تھا...... سیکرٹ سیکشن کی دیوار اور احاطے کی دیوار کے درمیان چھ سات فٹ کا خلا تھا...... نیچے کاٹھ کباڑ سا نظر آرہا تھا...... اس نے اللہ کا نام لیا اور منڈیر پر ہاتھ جما کر نیچے لٹک گیا...... اس طرح دیوار کا ایک مرد اونچائی کا فاصلہ کم ہو گیا تھا...... اس نے ہاتھ چھوڑ دیئے اور ردی کاغذوں کے انبار کے اوپر گرا اور وہیں سانس روک کر بیٹھا رہا...... وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کسی نے اسے دیکھا تو نہیں...... کسی طرف سے کوئی آواز تو نہیں آئی؟ احاطے کے اندر کمپلیکس میں خاموشی چھائی ہوئی تھی مگر بلاکوں کے آگے روشنی ہو رہی تھی...... اسے معلوم تھا کہ سیکرٹ سیکشن کے بلاک کے سامنے دو سپاہی پہرے پر کھڑے ہوں گے...... جمیل مہدی نے یہی بتایا تھا کہ وہاں دو سپاہی ہر وقت پہرے پر موجود ہوتے ہیں۔ اسے یہ خیال رکھنا پڑ رہا تھا کہ کہیں وہ اس کی آہٹ سن کر چوکنے نہ ہو جائیں، جہاں وہ ردی کاغذوں کے ڈھیر پر پڑا تھا وہاں اندھیرا تھا...... اس نے بیٹھے بیٹھے پتلون کی جیب سے نائیلون کی باریک رسی کا گچھا نکال کر کھولا اور رسی کے سرے کو رسی کے ساتھ جوڑ کر آگے تین فٹ قطر کا ایک گول حلقہ بنا دیا...... پھر اٹھ کر سیکرٹ سیکشن کی دیوار کا جائزہ لیا...... اوپر چھت پر اندھیرا

تھا، مگر اسے معلوم تھا کہ کس جگہ پر ترنگا جھنڈا لگا ہوا ہے...... جیسی کہ انہیں تربیت دی گئی تھی...... اس پر عمل کرتے ہوئے عمران نے رسی کے گول حلقے کو چھ سات مرتبہ زور سے گھمایا اور پھر اوپر چھت کی طرف اچھال دیا...... اس کا خیال تھا کہ وہ رسی کے حلقے کو جھنڈے کے پائپ میں ڈالنے میں کامیاب ہو جائے گا اور اگر اس میں کامیاب نہ بھی ہوا تو رسی کا حلقہ اوپر کسی نہ کسی جگہ ضرور اٹک جائے گا۔ پہلی بار ایسا نہ ہوا اور رسی کھنچنے سے نیچے آ گئی...... دوسری بار بھی اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی...... اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ عمران اندھیرے میں تیر چلا رہا تھا...... جھنڈے کا پائپ اسے نظر نہیں آر تھا...... اگر نظر آ رہا ہوتا تو پہلی بار ہی کمند پھینکنے سے رسی کا حلقہ پائپ کے اندر ا جاتا...... تیسری بار کمند کا حلقہ اوپر اچھال کر عمران نے رسی کو کھینچا تو وہ چھت پر کس جگہ اٹک گئی تھی...... عمران نے زور سے رسی کو کھینچا...... رسی کسی جگہ بڑی سختی سے اٹ ہوئی تھی...... اس نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دونوں پاؤں دیوار کے ساتھ لگائے اور دیکھتے دیکھتے بڑی پھرتی سے دیوار پر چڑھ گیا۔

دیوار پر چڑھنے کے بعد وہ وہیں اندھیرے میں بیٹھ گیا...... چھت پر اتنا اندھی نہیں تھا...... کمپلیکس کی دوسری عمارتوں اور دوسرے بلاکوں کی روشنیوں کے عکس پڑ رہے تھے اور پھیکی چاندنی ایسی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... عمران نے سب سے پ نائیلون کی باریک رسی کو سمیٹا...... اس کا حلقہ چھت کی منڈھیر کی باہر نکلی ہوئی اینٹو میں اٹکا ہوا تھا۔ رسی سمیٹ کر وہ اسی طرح چھت پر بیٹھا رہا...... وہ تیز نگاہوں ۔ چھت کا جائزہ لے رہا تھا...... اس کی آنکھیں آتش دان کی چمنی کو تلاش کر ر تھیں...... آخر چمنی اسے نظر آ گئی...... یہ چمنی دائیں جانب والی دیوار میں بنی ہ تھی...... عمران بیٹھے بیٹھے پاؤں کے بل کھسکتا ہوا چمنی کے پاس آ گیا...... جمیل مہا نے بتایا تھا کہ چمنی کے اندر پونے دو فٹ کا خلا ہے...... عمران نے گھٹنوں کے کھڑے ہو کر چمنی کے اندر نگاہ ڈالی...... نیچے سیکرٹ سیکشن کے کمرے میں جو بتی

رہی تھی اس کی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی...... عمران کو ٹریننگ کے دوران دو ڈھائی فٹ قطر کے پائپ میں سے کئی بار گزارا گیا تھا...... چمنی اور پائپ میں چند انچوں کا ہی فرق تھا۔

عمران نے جلدی سے رسی کا حلقہ چمنی کے گرد ڈال دیا اور رسی چمنی کے اندر لٹکا دی...... اب اسے چمنی کے اندر اترنا تھا...... عمران نے چمنی کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کی دیوار پر رگڑا اور باہر نکال کر غور سے دیکھا...... اس کا ہاتھ کالک سے کالا نہیں ہوا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ نیچے آتش دان میں لکڑیوں کی بجائے گیس وغیرہ کا ہیٹر سردیوں میں لگایا جاتا تھا...... چمنی کی دیوار کے ساتھ مٹی گرد اور جالے لگے ہوئے تھے...... اب یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ نیچے کمرے میں اس وقت کوئی آدمی تو نہیں بیٹھا ہوا...... یہ اس بات سے بے نیاز ہو کر عملی قدم اٹھانے کا وقت تھا اور عمران اسی لئے وہاں اتنا بڑا خطرہ مول لے کر آیا تھا...... اس نے رسی چمنی کے اندر پھینک دی اور جھک کر نیچے دیکھا...... وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر کمرے میں کوئی شخص موجود ہوا تو چمنی میں رسی گرتے دیکھ کر وہ ضرور رسی کو پکڑ کر چمنی میں سے اوپر دیکھے گا، مگر ایسا نہ ہوا...... رسی چمنی میں لٹکتی رہی...... عمران نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور چمنی میں اتر گیا...... اس کے کندھے چمنی کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا...... اس کا سارا بوجھ اس کے ہاتھوں نے اٹھا رکھا تھا...... نائیلون کی رسی اس کے ہاتھوں میں دھنسنے لگی...... عمران نے جلدی سے اپنے گھٹنے چمنی کی دیوار سے پھنسا دیئے...... اس طرح سے اس کے ہاتھوں پر جو بوجھ پڑا ہوا تھا وہ تھوڑا ہلکا ہو گیا...... اصولی طور پر عمران کو رسی اپنی کمر کے گرد اس طرح باندھنی چاہئے تھی کہ جیسے جیسے وہ نیچے اترتا جائے رسی کو چھوڑتا جائے، مگر اس کے لئے وہاں چمنی کے اندر جگہ تنگ تھی اور وہ ہاتھوں کی مدد سے رسی کو کمر کے گرد آہستہ آہستہ کھول نہیں سکتا تھا...... بہر حال وہ کسی نہ کسی طرح گھسٹتا ہوا چمنی کے پائپ میں سے نیچے اتر گیا...... جیسے ہی اس

کے پاؤں آتش دان کی زمین پر لگے وہ بیٹھ گیا...... اس کے آگے آتش دان میں گیس کا ہیٹر لگا ہوا تھا جو بند تھا...... کمرے میں روشنی ہو رہی تھی...... اس نے سر آگے کر کے کمرے کا بغور جائزہ لیا...... کمرہ بالکل خالی تھا...... جمیل مہدی کے کہنے کے مطابق بالکل سامنے دیوار کے ساتھ لوہے کی تین اونچی الماریاں لگی ہوئی تھیں...... اس نے درمیان والی الماری کا تالا کھولنا تھا، کیونکہ جمیل مہدی نے بتایا تھا کہ جنگی جہازوں کی آمد و رفت کے اندراج والی ٹاپ سیکرٹ فائل درمیان والی الماری کے خانے میں ہی ہے...... گیس کے ہیٹر کو ایک طرف ہٹا کر عمران آتش دان سے باہر نکل آیا۔

آتش دان کی چمنی کی رگڑ سے اس کی قمیض کے بازو اور پتلون اور سر پر چمنی کے اندر لگے ہوئے جالی چمٹ گئے تھے...... اس نے کمرے کا جائزہ لیا...... کمرے میں ایک بلب روشن تھا سامنے تین لوہے کی الماریاں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھیں...... دوسری دیواروں کے ساتھ ایک لمبی میز اور لکڑی کی الماریاں لگی تھیں...... اس نے کان لگا کر سنا...... باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی...... اس نے جیب سے الیکٹرانک راڈ نکالا اور درمیان والی الماری کی طرف بڑھا...... وقت ضائع کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... اسے یہ بھی ڈر تھا کہ ہو سکتا ہے الماری کو ہاتھ لگانے سے باہر کسی جگہ خطرے کا الارم بج اٹھے اور اس الارم کے بارے میں جمیل مہدی کو بھی علم نہ ہو...... بہر حال اب زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا...... اس نے الماری کے کیواڑ میں اندر کی جانب لگے ہوئے تالے کو غور سے دیکھا...... یہ ڈیجیٹل میگنیٹک تالا تھا...... صحیح خفیہ نمبر ملانے سے اس کی میگنیٹک لہر اپنے آپ موقوف ہو جاتی تھی اور تالا کھل جاتا تھا...... عمران کو ان نمبروں کا علم نہیں تھا...... ان نمبروں کا جمیل مہدی کو بھی علم نہیں تھا...... اس نے اپنے حساب سے الیکٹرانک راڈ کی باریک سلاخ تالے کے ایک خاص سوراخ میں ڈال کر اسے دائیں جانب تھوڑا سا گھمایا اور راڈ کے سرے کے قریب لگا ہوا بٹن دبا دیا...... کھٹک کی آواز کے ساتھ تالے میں ایک معمولی سا دھماکہ ہوا جس کی آواز بڑی مدھم تھی...... شارٹ سرکٹ کی وجہ سے کھل گیا...... عمران نے الماری کے دونوں پٹ کھول دیئے...... الماری میں ہر قسم کی فائیلیں اور کاغذات پڑے تھے...... مہدی صاحب نے کہا تھا کہ ٹاپ سیکرٹ فائل درمیانی خانے میں رکھی ہوتی ہے...... درمیانی خانے میں چار فائلیں پڑی تھیں...... عمران نے جلدی جلدی چاروں فائلیں دیکھیں...... ان میں سے ایک فائل پر اوپر انگریزی کے موٹے سرخ حروف میں کلاسی فائیڈ اور نیچے سیاہ لفظوں میں ٹاپ سیکرٹ لکھا ہوا تھا...... عمران فائل کھول کر دیکھنے لگا...... اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... یہی وہ فائل تھی جس کی اسے تلاش تھی......

اس کے دوسرے صفحے پر اس جہاز کا نام اور نمبر درج تھا جو بھاری مقدار میں گولہ بارود اور اسلحہ لے کر ہندوستان آنے والا تھا...... فائل میں اسرائیلی بندرگاہ کا نام بھی لکھا ہوا تھا جہاں سے جہاز کو بھارت کی طرف روانہ ہونا تھا...... دوسرے صفحے پر اس جدید ترین ہلاکت خیز اسلحہ کی پوری فہرست درج تھی جو جہاز میں کشمیریوں پر استعمال ہونے کے لئے لایا جا رہا تھا۔

عمران نے جیب سے سگریٹ لائٹر کے سائز کا طاقتور کیمرہ نکالا اور جلدی جلدی فائل کے مطلوبہ صفحات کی تصویریں لینے لگا...... اس کے بعد اس نے فائل کو بند کر کے دوسری فائلوں میں اسی طرح لگا دیا جس طرح سے وہ پہلے لگی ہوئی تھیں...... اب تالے کو پہلے کی طرح لاک کرنا اور اس میں برقی رو کو بحال کرنا تھا...... عمران نے الماری کو بند کیا...... تالا لگایا اور الیکٹرانک راڈ سے سب سے پہلے اس کی بیٹری کی برقی رو کو بحال کیا...... اس کے بعد راڈ کی سوئی کو ڈیجیٹل کے دو سوراخوں میں باری باری ڈالا اور ان پر ہلکا ہلکا دباؤ ڈال کر جلدی سے راڈ کی سوئی باہر کھینچ لی...... سرکٹ پورا ہونے پر کلک کی آواز آئی اور تالا پھر سے بند ہو گیا...... عمران نے جیب سے رومال نکال کر الماری اور تالے پر لگے ہوئے اپنی انگلیوں کے نشان اچھی طرح صاف کئے اور آتش دان کی طرف آ کر گیس کے ہیٹر کے پیچھے بیٹھ گیا...... نائیلون کی رسی اوپر تک جا رہی تھی......

اس نے رسی کو دو تین بار آہستہ آہستہ کھینچا...... جب اس کی تسلی ہو گئی تو چمنی کے پائپ
میں دونوں گھٹنے پھسائے اور رسی کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنا شروع کر دیا...... اس
وقت عمران کو احساس ہوا کہ دستانے لانے کتنے ضروری تھے۔

جیسے ہی اس کے ہاتھ چمنی سے باہر آئے اس نے رسی کو چھوڑ کر چمنی کی منڈیر
پکڑ لیا اور پوری طاقت سے جسم کو اوپر اٹھا کر بازوؤں سے منڈیر کو پکڑ کر اپنے جسم کو ک
تک باہر نکالا اور پھر باری باری دونوں ٹانگیں باہر نکال لیں...... چھت پر آنے کے بع
وہ وہیں بیٹھ گیا...... اس کا سانس پھول گیا تھا...... چمنی کے پائپ میں اوپر چڑھتے ہوئے
اسے کافی مشقت کرنا پڑی تھی...... اس نے جلدی جلدی نائیلون کی رسی کو او
کھینچا...... اس کا حلقہ چمنی سے اتارا...... اس کا گچھا بنا کر اسے پتلون کی جیب میں ٹھون
دیا...... الیکٹرانک راڈ اور کیمرے کو اس نے پہلے ہی پتلون کی محفوظ جیب میں سنبھال
رکھ لیا تھا...... جب وہ چھت کی عقبی سڑک والی منڈیر پر آیا تو اپنی حماقت پر وہ خود
شرمسار ہو گیا...... ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا مگر ہو گیا تھا۔

اسے یاد آ گیا کہ اسی رسی کی مدد سے اسے چھت سے نیچے اترنا تھا، جس کا اس
گچھا بنا کر جیب میں ڈال لیا تھا...... اس نے جلدی سے دوبارہ رسی جیب سے باہر نکالی
اس دفعہ منڈیر کی ایک ایسی باہر نکلی ہوئی پختہ اینٹ میں رسی کا حلقہ ڈالا جس کو نیچے
اچھال کر وہ باہر بھی نکال سکتا تھا...... رسی اس نے نیچے لٹکا دی...... یہ جگہ وہی تھی ج
احاطے کی سڑک والی دیوار اور سیکرٹ سیکشن کے کمرے کی دیوار کے درمیان ایک
جگہ تھی، جہاں ردی کاغذات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے...... وہ تیزی سے نیچے اتر گ
رسی کو دو تین بار اوپر کو اچھالا...... رسی اینٹ کے حلقے میں سے نکل کر عمران کے
آ کر گری...... اس کے بعد اس نے رسی کا گچھا بنا کر پتلون کی جیب میں ٹھونس د
احاطے کی دیوار کے پاس اس جگہ آ گیا جہاں اس نے دیوار کی منڈیر پر لگے ہوئے شیش
کے ٹکڑوں پر اپنا کھیس تہہ کر کے ڈال رکھا تھا۔

ردی کاغذوں کے ڈھیروں پر پاؤں رکھ کر کسی نہ کسی طرح وہ دیوار کی منڈیر پر
چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور دوسری جانب سردار جی موٹر مکینک کے کھوکھے کی چھت
پر کودنے کی بجائے منڈیر کے ساتھ چھپکلی کی طرح چمٹا رہا...... اسے موٹر کے انجن کی
آواز آئی تھی...... تھوڑی دیر بعد اس پر موٹر کی ہیڈ لائٹس کی روشنی پڑی، وہ بے حس و
حرکت ساکت ہو کر دیوار کی منڈیر سے چمٹا رہا...... یہ کوئی ٹرک تھا...... ٹرک گزر گیا،
سڑک جب خالی اور سنسان ہو گئی تو وہ کھوکھے کی چھت پر کود گیا...... کودنے کے بعد
بھی وہ چند سیکنڈ تک وہیں بیٹھا رہا...... پھر اس نے کھیس کے لٹکتے ہوئے کنارے کو پکڑ
کر اسے اوپر کو اچھالا...... دو تین بار ایسا کرنے سے کھیس منڈیر کے شیشے کے ٹکڑوں پر
سے نکل کر اس کے اوپر آ کر گرا...... اس نے کھیس اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا اور
کھوکھے کی چھت سے نیچے سڑک پر چھلانگ لگا دی...... اسے توقع نہیں تھی کہ اس کا یہ
مشکل کام اتنی جلدی اور آسانی سے ہو جائے گا...... اس کی کمانڈو کی زندگی کے تجربے
نے بتایا تھا کہ کبھی کبھی مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ کام بڑی آسانی اور روانی
سے ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی آسان اور سہل ترین کام میں ایسی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے
کہ ہزار کوشش کے باوجود اس میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ جاتا ہے۔

عمران سردار جی کے کھوکھے کی دیوار کے پاس ہی بیٹھا تھا...... اس نے احتیاط کے
طور پر بیٹھے بیٹھے جیب میں سے سگریٹ لائٹر کے سائز والا کیمرہ نکال کر ایک پاؤں کی
جراب کے اندر اس طرح ٹھونس دیا کہ کیمرہ اس کے بوٹ کے اندر پڑے ہوئے پاؤں
کے تلوے کے نیچے آ گیا...... ایسا اس نے اس لئے کیا تھا کہ اگر راستے میں گشتی پولیس
پارٹی اسے روک کر تلاشی لے تو کم از کم کیمرہ اس کی جیبوں میں سے برآمد نہ ہو......
نائیلون کی رسی کا گچھا اس نے وہیں ایک طرف پھینک دیا۔

اب اس کے پاس ایک ہی قابل اعتراض شے تھی یعنی کمانڈو چاقو...... عام پولیس
والوں کو کمانڈو چاقو کی پہچان نہیں ہوتی، لیکن اتنا بڑا چاقو تلاشی میں برآمد ہو جائے تو

پولیس کو شک پڑ سکتا ہے کہ یہ شخص کسی کو قتل کرنے تو نہیں جارہا...... یا کسی کا خون کر کے تو نہیں آرہا...... پہلے اس کو خیال آیا کہ وہ چاقو بھی وہیں کسی جگہ پھینک دے...... پھر یہ سوچ کر اس نے چاقو رہنے دیا کہ اگر کوئی ہنگامی صورت پیدا ہو گئی تو یہ چاقو اس کی بڑی مدد کر سکتا ہے...... باقی الیکٹرانک راڈ ایک پیچ کس کی طرح تھا...... اس پر کسی کو کیا شک ہو سکتا تھا...... سڑک کو خالی دیکھ کر وہ اٹھا اور اس نے بڑے آرام سے چلتے ہوئے سڑک پار کی اور دوسری طرف فٹ پاتھ پر چل پڑا...... اس نے بیٹھے بیٹھے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھ لیا تھا...... اس کی گھڑی کی چمکیلی سوئیاں رات کے پونے دو بجا رہی تھیں...... اسے کسی ٹیکسی رکشا کی شدت سے تلاش تھی، لیکن سڑک پر کوئی ٹیکسی یا رکشا نہیں تھا...... یہ سارا علاقہ بھارت کے محکمہ دفاع کے کمپلیکس کے عقب کا تھا اور بہت ممکن تھا کہ اس طرف بھی رات کے وقت کوئی پٹرول پارٹی سیکورٹی کی خاطر گشت لگا رہی ہو...... یہ سوچ کر عمران سڑک پر تھوڑا دور چلنے کے بعد اپنی بائیں جانب ایک چھوٹی سڑک پر مڑ گیا۔

اس سڑک کی دونوں جانب کوٹھیاں تھیں جن پر گہری خاموشی طاری تھی...... ہر کوٹھی کے برآمدے کے اوپر بتی روشن تھی لیکن کوئی چوکیدار وغیرہ نظر نہیں آرہا تھا...... عمران شہر کے گنجان علاقے کی طرف نکل جانا چاہتا تھا...... وہ سرکاری عمارتوں سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جانا چاہتا تھا...... یہ علاقہ اس کے لئے اجنبی تھا...... وہ اس طرف پہلے کبھی نہیں آیا تھا...... رات کے وقت اس علاقے میں پولیس کی گشت لازمی تھی...... اسے یہی ڈر تھا کہ کسی سپاہی سے مڈ بھیڑ نہ ہو جائے...... آمنے سامنے کوٹھیوں والی سڑک ختم ہو گئی، اب اس کے سامنے ایک چھوٹا سا پارک تھا...... پارک کا گیٹ تھا...... پارک کے گرد جنگلا لگا ہوا تھا...... عمران جنگلے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا...... جیسے نے اپنا رخ مشرق کی سمت ہی رکھا ہوا تھا، کیونکہ اس سمت اسے جانا تھا...... جیسے پارک کا جنگلا ختم ہوا اچانک دو آدمی ایک طرف سے نکل کر اس کے سامنے آگئے

انہوں نے گردن تک چڑھے ہوئے کالے سویٹر پہن رکھے تھے...... ایک نے سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا...... دوسرے کے سر پر اونی ٹوپی تھی جو اس نے کانوں کے اوپر تک کھینچ رکھی تھی...... پہلے تو عمران ذرا سا ٹھٹکا، لیکن یہ دیکھ کر وہ پولیس والے نہیں ہیں ان کے قریب سے گزرنے لگا تو ایک آدمی نے اس کا راستہ روک لیا۔

❁ ❁ ❁

عمران رُک گیا...... دونوں اسے گھور کر دیکھ رہے تھے۔

یہ آدمی جرائم پیشہ لگ رہے تھے...... ان میں سے جس نے عمران کا راستہ روکا تھا عمران سے بڑی رعب دار آواز میں پوچھا۔

"کون ہو؟ اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟"۔

عمران ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا...... اس نے بڑے انکسار سے کہا۔

"بہاری ہوں...... کام کی تلاش میں دلی آیا تھا...... کام نہیں ملا...... اب ریلوے سٹیشن جا رہا ہوں...... تین بجے والی گاڑی سے اپنے شہر واپس چلا جاؤں گا"۔

دوسرے آدمی نے کہا۔

"اس کی تلاشی لو...... یہ بہاری نہیں لگتا"۔

پہلے آدمی نے عمران کا کھیس کھینچ کر اتار دیا۔

"نکالو تمہارے پاس کیا ہے؟"۔

اس دوران عمران کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد دبی دبی گھٹی گھٹی سی ایک آواز سنائی دے جاتی تھی...... آواز سے لگتا تھا کہ یہ کسی عورت کی آواز ہے...... ایک آدمی عمران کی تلاشی لینے لگا...... دوسرے نے کہا۔

"ابے سالی ہوش میں آگئی ہے"۔

یہ کہہ کر وہ جھاڑیوں کی طرف دوڑا...... عمران نے کہا۔

"بھائی میرے پاس ریل کا کرایہ ہی ہے اور کچھ نہیں ہے"۔

دونوں دبلے پتلے سے آدمی تھے...... ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کس آدمی کو روک کر اس کی تلاشی لے رہے ہیں...... عمران کے لئے ان دونوں کی ایک ایک سیکنڈ میں گردن توڑنا کوئی مشکل کام ہی نہیں تھا، مگر وہ خواہ مخواہ کسی کی جان نہیں لینا چاہتا تھا...... اس آدمی نے عمران کی جیب سے پچیس تیس روپے نکال لئے...... پتلون کی پچھلی جیب میں ہاتھ ڈالا تو چاقو نکل آیا۔

"ابے گوپالے! اس آدمی کے پاس اتنا بڑا چاقو ہے"۔

اس نے چاقو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"کیوں بے بتا...... اس چاقو سے کسی کو قتل کرنے جا رہے ہو یا قتل کر کے آ رہے ہو؟"۔

اتنے میں جھاڑیوں کے پیچھے جس طرف دوسرا آدمی دوڑ کر گیا تھا اچانک ایک عورت کی فریاد سنائی دی۔

"اللہ رسول کے لئے مجھے چھوڑ دو...... میری شادی ہونے والی ہے...... خدا کے لئے میری عزت برباد نہ کرو"۔

یہ کوئی مسلمان عورت تھی جس کو یہ لوگ اٹھا کر لے آئے تھے اور اس کی مشکیں کس کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس سے زیادتی کرنے والے تھے کہ عمران وہاں سے گزرا اور انہوں نے عمران کو بھی پکڑ لیا...... اس وقت دوسرا آدمی جو عورت کے پاس دوڑ کر گیا تھا عورت کو ننگی گالیاں دے رہا تھا...... پہلے والا آدمی جو عمران کے پاس اس کا کمانڈو چاقو ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا اس نے غصے میں کہا۔

"ابے گوپال! اس سالی کا منہ بند کر"۔

اس کے بعد خدا جانے گوپال نے عورت کے منہ میں کپڑا ٹھونسا یا کیا کیا کہ عورت کی پہلے کی طرح سے گھٹی گھٹی دبی دبی آوازیں نکلنے لگیں...... گوپال دوڑ کر ا[illegible]

[illegible]ھی کے پاس آ گیا...... اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر بولا۔

"ابے دھر مو! یہ چکو تم نے کہاں سے لیا؟"۔

اس آدمی کا نام دھر مو تھا...... وہ بولا۔

"پہلے یہ بتا سالی کو اچھی طرح سے باندھ دیا ہے؟"۔

گوپال نے کہا۔

"میں نے باندھ کر منہ میں دوپٹہ ٹھونس دیا ہے...... اب اس آدمی سے جان [illegible]ڑاؤ اور چلو...... اپنا کام جلدی سے ختم کرتے ہیں"۔

دھر مو بولا۔

"ابے اب تو پہلے اس کا کام ختم کرنا ہوگا...... اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے...... یہ تو [illegible]قع کا گواہ بن گیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"بھائیو میں تو پردیسی ہوں...... میں صبح کی گاڑی سے اپنے ملک چلا جاؤں گا...... [illegible]ر اتم لوگوں کو دیکھنا نہ دیکھنا ایک برابر ہے...... مجھے جانے دو...... تمہاری مہربانی [illegible]گی"۔

عورت مسلمان تھی جس کے ساتھ یہ ہندو بدمعاش زیادتی کرنے والے [illegible]...... آپ خود ہی سوچیں کہ عمران ایسا باغیرت مسلمان کمانڈو ایک مسلمان عورت [illegible]ہندو بدمعاشوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہاں سے کیسے جا سکتا تھا...... عورت کی گھٹی [illegible]ی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔

گوپال نے کہا۔

"تو پھر سوچتا کیا ہے...... یہ چکو اس کے پیٹ میں گھونپ دے...... جہاں پہلے دو [illegible]نا کئے ہیں ایک خون اور سہی"۔

عمران سمجھ گیا کہ ان دونوں بدکردار اور بدمعاش ہندوؤں کی موت کا وقت آن

پہنچا ہے، بلکہ انہوں نے خود اپنی موت کو آواز دے کر بلایا ہے۔

اس کے بعد جیسے ایک بجلی سی چمکی...... چاقو دھرمو بدمعاش کے ہاتھ میں ہی
پکڑا رہ گیا اور دوسرے لمحے اس کی گردن عمران کے بازو کے فولادی شکنجے میں تھی......
صرف ایک جھٹکا ہی کافی تھا...... عمران نے دھرمو کی گردن بازو سے نکال دی اور موت
نے اس بدمعاش کو بے حس و حرکت کر کے نیچے گرا دیا...... دوسرا بدمعاش جس کا نا
گوپال تھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس دیکھتا ہی رہ گیا...... اس کی موت ابھی نہیں لکھ
ہوئی تھی...... وہ ایک دم ایک طرف کو بھاگ اٹھا۔

عمران نے دھرمو کے ہاتھ سے گرا ہوا کمانڈو چاقو اٹھا کر جیب میں رکھا اور جلد
سے جھاڑیوں کے پیچھے گیا...... اس نے دیکھا کہ ایک عورت کے ہاتھ پیر بند
ہیں...... منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا ہے...... اس کا دم گھٹ رہا ہے اور حلق سے دبی د
غراہٹ کی آوازیں نکل رہی ہیں...... عمران نے سب سے پہلے عورت کے منہ سے
نکال دیا...... عورت کا حلق خشک ہو چکا تھا...... اس سے بات نہیں ہو رہی تھی۔

عمران نے اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں بھی کھول دیں اور کہا۔

"فکر نہ کرو بہن! وہ لوگ بھاگ گئے ہیں...... اب تم اپنے گھر جا سکتی ہو؟"۔

عورت اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور رات کے ہلکے ہلکے اندھیرے میں عمران کی طر
دیکھ رہی تھی۔

"تم نے مجھے بہن کہا...... تم ضرور کوئی فرشتہ ہو...... خدا کے واسطے مجھے
سے لے چلو...... یہ لوگ میرے گھر آ کر مجھے مار ڈالیں گے"۔

عورت لڑکی تھی...... عمر انیس بیس سال کی ہوگی...... دبلی پتلی تھی...... اس
شلوار قمیض پہن رکھی تھی...... عمران نے پوچھا۔

"تم مسلمان ہو؟"۔

لڑکی نے بڑی مشکل سے اپنا سانس درست کیا تھا...... کہنے لگی۔

"میں مسلمان ہوں...... شکیلہ بانو میرا نام ہے...... میرا باپ میرا چھوٹا بھائی
یکٹری میں کام کرتے ہیں...... ہم دو بہنیں ہیں...... میری اگلے مہینے شادی ہونے والی
ہے...... ہم بڑے غریب لوگ ہیں...... ہندو ہمیں بڑا تنگ کرتے ہیں...... پولیس بھی
ہاری نہیں سنتی"۔

عمران اس کے لئے جو کچھ کر سکتا وہ اس نے کر دیا تھا...... اس کے علاوہ وہ جو کچھ
ر رہا تھا بطور ایک مجاہد کمانڈو کے کر رہا تھا...... اس نے لڑکی سے کہا۔

"چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں...... تمہارا گھر کہاں ہے؟"۔

لڑکی نے کہا۔

"بازار سیتارام میں ہے"۔

وہ لڑکی کو لے کر واپس آیا تو اسے خیال آ گیا کہ اس کے پاس جو رقم تھی وہ تو اس
بدمعاش نے لے کر اپنی جیب میں رکھ لی تھی جس کی لاش قریب ہی جھاڑیوں کی
دوسری طرف پڑی ہوئی تھی...... عمران نے لڑکی کو وہیں کھڑا کیا اور خود دھرمو کی لاش
کے پاس آ کر اس کی جیب سے پیسے نکالے اور لڑکی کے پاس آ گیا...... لڑکی نے پوچھا۔

یہ تو وہی بدمعاش تھا...... کیا تم نے اسے مار ڈالا ہے؟

عمران نے کہا۔

"نہیں...... میں نے اس کے سر میں مکا مارا تھا وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔

لڑکی نے اسے بتایا کہ اگلے چوک میں رکشا مل جائے گا...... چوک میں کوئی رکشا
تو نہ ملا...... البتہ ایک ٹیکسی مل گئی...... اس نے لڑکی کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ٹیکسی بازار
سیتارام کی طرف چل پڑی...... یہ جگہ وہاں سے کافی دور اور شہر کے گنجان علاقے
میں تھی...... ایک جگہ کچھ فاصلے پر عمران نے پولیس کے چند ایک سپاہی دیکھے......
لڑکی نے کہا۔

"وہ ہمارا گھر ہے"۔

عمران نے کہا۔

”وہاں تو پولیس کھڑی ہے“۔

لڑکی بولی۔

”ابا نے پولیس میں میرے اغوا کی رپورٹ درج کرا دی ہو گی“۔

عمران نے ٹیکسی وہیں رکوا دی اور لڑکی سے کہا۔

”بس اب تم اپنے گھر جاؤ“۔

لڑکی نے کہا۔

”بھائی تم بھی میرے ساتھ آؤ...... ابا اور بھائی تم سے مل کر خوش ہوں گے“۔

عمران نے لڑکی کو ٹیکسی سے اتارا اور ڈرائیور سے کہا۔

”واپس چلو“۔

ٹیکسی وہیں سے واپس ہو گئی...... راستے میں عمران نے اسے ایک خاص جگہ کا نام بتایا کہ وہاں چلو اور بہت جلدی چلو...... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... میں تمہیں انعام دوں گا...... رات کا پچھلا پہر تھا...... دلی کے اس علاقے کی سڑکیں خالی پڑی تھیں...... انعام کے لالچ میں ڈرائیور نے ٹیکسی کو فل سپیڈ پر چھوڑ دیا...... اصل میں عمران کو کوئی جلدی نہیں تھی...... وہ پولیس کی زد سے نکل جانا چاہتا تھا...... لڑکی نے اپنے ماں باپ اور پولیس کو ضرور بتا دیا ہو گا کہ ایک مسلمان اسے چھوڑ گیا ہے جس نے ایک بدمعاش کو مار مار کر بے ہوش کر دیا تھا اور پولیس ہو سکتا ہے اس کی تلاش میں نکل کھڑی ہو۔

رات کے چار بج رہے تھے...... جب وہ حاجی صاحب کے پلاٹ والی کوٹھڑی میں پہنچا...... ٹیکسی اس نے راستے میں ہی چھوڑ دی تھی تاکہ ڈرائیور کو اس کی جگہ کا علم نہ ہو سکے...... کیونکہ آخر عمران ایک خبیث اور بدکردار ہندو کا خون کر چکا تھا...... چوکیدار بوڑھا بھی سو رہا تھا...... عمران نے بوٹ اتار کر جراب کے نیچے سے کیمرہ نکال کر سرہانے کے نیچے رکھ دیا اور بستر پر گر کر دہرا کمبل اوڑھتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا...... جب بوڑھے چوکیدار نے اسے جگایا تو دن کے دس بج چکے تھے...... وہ اس کے لئے چائے بنا کر لایا تھا...... عمران نے سب سے پہلے تکئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کیمرہ نکالا اور اسے اپنی گرم جیکٹ کی جیب میں سنبھال کر رکھ دیا...... کمانڈو چاقو اور الیکٹرانک راڈ بھی سنبھال کر رکھ لیا...... منہ ہاتھ دھویا...... اس کا کھیس وہیں پارک میں جھاڑیوں کے پاس ہی رہ گیا تھا...... رکشا لے کر وہ سیدھا جامع مسجد کے چوک والے نگینہ ہوٹل میں آ گیا۔

حاجی صاحب کسی کام سے گئے ہوئے تھے...... عمران نے کمرے میں آ کر غسل کیا...... پھر ناشتہ منگوا کر کیا اور دوسرے کپڑے پہن لئے...... دوپہر کے بعد حاجی صاحب اس کے کمرے میں آئے اور خیر خیریت دریافت کی۔

”رات کیسے گزری؟ سب کام ٹھیک سے ہو گیا تھا؟“۔

عمران نے جیب سے کیمرہ نکال کر انہیں دیا اور کہا۔

”بالکل ٹھیک سے سب کام ہو گیا تھا...... اس کیمرے میں میں نے سیکرٹ فائل کی ضروری اور مطلوبہ تصویریں کھینچی ہیں...... انہیں ڈیویلپ کروا دیجئے گا...... خدا کرے کہ ٹھیک سے تصویریں آ گئی ہوں“۔

حاجی صاحب نے کیمرہ لے کر اپنی صدری کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

”میاں! یہ کیمرہ تو اندھیرے میں بھی تصویر بنا لیتا ہے اور وہاں تو روشنی ہو گی کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی تھی“۔

عمران نے کہا۔

”بس قسمت اچھی تھی...... کہیں بھی کوئی دقت پیش نہیں آئی“۔

عمران نے لڑکی شکیلہ والا قصہ حاجی صاحب کو سنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی...... انہیں سنانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا...... پولیس کو دوسرے دن پارک

میں بدمعاش دھرمو کی لاش مل گئی ہو گی...... دلی ایسے بڑے اور جرائم سے بھرے ہوئے شہر میں روز ایک آدھ لاوارث لاش کہیں نہ کہیں سے ملتی ہی رہتی تھی...... اخبار میں کبھی خبر چھپتی تھی...... کبھی نہیں چھپتی تھی...... کچھ نہیں ہوتا تھا۔

اگلے روز فلم ڈیویلپ ہو کر آگئی...... بڑا اچھا رزلٹ آیا تھا...... پاکٹ بک سائیز کے صفحوں پر فائیل کے فل سکیپ کاغذ کی ایک ایک سطر صاف آئی تھی...... حاجی صاحب کہنے لگے۔

"فوٹو تم اپنے ساتھ لے جاؤ...... اس کا نیگیٹو میرے پاس ہی رہنے دو...... تمہارا سفر لمبا ہے...... راستے میں کسی قسم کے بھی حالات پیش آسکتے ہیں...... فوٹو اگر ضائع ہو گئی تو نیگیٹو تو محفوظ رہے گا"۔

حاجی صاحب نے بڑا اچھا مشورہ دیا تھا...... ویسے عمران نے فائیل کے ایک اہم صفحے کے عکس پر اس جہاز کا نام اور نمبر پڑھ کر اپنی پاکٹ بک پر نوٹ بھی کر لیا تھا اور اسے زبانی بھی یاد کر لیا تھا...... عمران نے نیگیٹو حاجی صاحب کے پاس ہی رہنے دیا اور سیکرٹ فائل کے چاروں صفحے جو چھوٹے سائز کے تھے حاجی صاحب کے مشورے سے ان کو تہہ کر کے ان کے گرد چمڑا مڑھ کر انہیں ایک تعویذ بنا کر اپنے بازو پر باندھ لیا...... اس طرح سے اسے یقین تھا کہ حالات چاہے راستے میں کیسی ہی صورت کیوں نہ اختیار کر لیں اس تعویذ کو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا...... اب عمران نے واپسی کی تیاری شروع کر دی...... دلی میں اس کا مشن مکمل ہو چکا تھا...... حاجی صاحب نے دلی سے احمد آباد تک تھرڈ کلاس کا ایک ٹکٹ منگوا لیا تھا...... دوسرے روز رات کی گاڑی سے عمران نے روانہ ہو جانا تھا۔

اس نے کمانڈو چاقو تو حاجی صاحب کو واپس کر دیا لیکن الیکٹرانک راڈ اپنے پاس ہی رکھا...... یہ چیز اس کے اگلے اہم مگر بڑے ہی خطرناک مشن میں کام آسکتی تھی...... رات کے دس بجے وہ حاجی صاحب سے اجازت لے کر رخصت ہوا اور اکیلا ہی رکشے میں بیٹھ کر دلی کے ریلوے سٹیشن پر آگیا...... کمانڈو جہاں ضروری ہو وہاں سیکنڈ اور فسٹ کلاس میں سفر کرتے وگرنہ عام طور پر وہ ریل کے تھرڈ کلاس میں ہی سفر کرتے ہیں...... اس کی وجہ یہ ہے کہ تھرڈ کلاس میں مسافروں کے رش کی وجہ سے دوسرے کی نظر میں آنے کا امکان کم ہوتا تھا اور اگر پولیس کی نگاہ میں آبھی جائے تو کمانڈو کو مسافروں کے ہجوم میں اپنے آپ کو چھپانے اور فرار کے مواقع آسانی سے مل جاتے تھے۔

واپسی کا سفر بھی کافی طویل اور تھکا دینے والا تھا، مگر کمانڈو کے بدن فولاد کے ہوتے ہیں...... وہ بڑے سخت جان ہوتے ہیں...... سفر چاہے دس دن کا ہو...... وہ تھکتے نہیں...... ہاں کسی کسی وقت بور ضرور ہو جاتے ہیں...... عمران خیریت سے احمد آباد پہنچ گیا...... راستے میں کسی کو اس پر پاکستانی ہونے کا شک نہیں پڑا تھا...... ہر سٹیشن پر مسافروں کا ایک ہجوم اترتا تھا تو دوسرا ہجوم ڈبے میں گھس آتا تھا...... کمانڈو ٹرین کے سفر میں بھی صرف مطلب کے وقت کسی مسافر کو دوست بناتا ہے، ورنہ وہ کسی مسافر سے کبھی بے تکلف نہیں ہوتا...... ہوں ہاں کر کے مسافر سے پیچھا چھڑا لیتا ہے...... احمد آباد سے عمران نے بہاؤنگر جانے والی ٹرین پکڑ لی...... اس ٹرین نے اسے رات کے سوا نو بجے بہاؤنگر پہنچایا...... شاہ جی عرف چندر کانت اپنے آفس میں بیٹھے کام کر رہے تھے...... سب کو معلوم تھا کہ ان کا آفس رات کے دس بجے تک کھلا ہوتا ہے...... عمران کو دیکھ کر سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا...... پہلی بات یہ پوچھی کہ کسی نے تمہارا پیچھا تو نہیں کیا...... جب عمران نے کہا کہ میرا خیال ہے میں صاف نکل آیا ہوں تو بولے۔

"تمہارا کام کس حد تک ہوا؟"۔

عمران بولا۔

"جس چیز کی ضرورت تھی وہ مجھے مل گئی ہے"۔

"اچھی بات ہے...... تم اوپر کمرے میں چلے جاؤ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں"۔

عمران اوپر کمرے میں جاکر پلنگ پر لیٹ گیا...... تھوڑی دیر میں شاہ جی بھی آگئے...... کہنے لگے۔

"اب پوری بات تفصیل سے بتاؤ"۔

عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب بڑے کام کے آدمی ہیں...... ان کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو اس مشن کی کامیابی مشکل تھی"۔

شاہ جی بولے۔

"مطلوبہ جہاز کا نام اور نمبر معلوم ہوا کیا؟"۔

عمران نے بازو کا تعویذ اتار کر اس کا چمڑا الگ کیا اور سیکرٹ فائل کے صفحات کی فوٹو کاپیاں ان کے سامنے رکھ دیں۔

"یہ بھارت کے محکمہ دفاع کی ٹاپ سیکرٹ فائل کے اہم ترین صفحات کی فوٹو کاپیاں ہیں"۔

پھر عمران نے ایک چھوٹا صفحہ شاہ جی کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے اس جہاز کا سیکرٹ نام اور نمبر جو مرچنٹ نیوی کا عام بار بردار جہاز ہے، لیکن جس پر کشمیر میں استعمال ہونے والے گولہ بارود اور اسلحہ کی بھاری مقدار بھارت لائی جارہی ہے"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پر لگائی اور بڑے غور سے اس صفحے کو دیکھنے لگے...... عمران بولا۔

"اس میں لکھا ہے کہ یہ جہاز خلیج کامبے کے اندر خلیج کی آخری بندرگاہ کامبے کی گودی پر آکر لگے گا اور وہاں سے گولہ بارود اور اسلحہ سے لدے ہوئے فوجی ٹرک مسلح گارڈز کی حفاظت میں آدھی رات کو احمد آباد جایا کریں گے جہاں سے آگے وہ جموں ملٹری ہیڈ کوارٹر جائیں گے"۔

شاہ جی کی نگاہیں سیکرٹ فائل کے صفحے پر جمی ہوئی تھیں...... کہنے لگے۔

"عمران! تم نے بڑا کام کیا ہے...... یہ انفار میشن ملنی بڑی مشکل تھی...... مجھے بھی اپنے ذرائع سے یہی خبر ملی تھی کہ اسلحہ سے لدا ہوا مرچنٹ نیوی کا جہاز بہاؤنگر بندرگاہ کی گودی پر آکر لگے گا جو انفار میشن غلط ثابت ہوئی ہے...... یہاں گلف آف کامبے کی آخری بندرگاہ کامبے کا نام لکھا ہے...... جہاز کا نام بھی اور نمبر بھی لکھا"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن اس ٹاپ سیکرٹ فائل میں بھی یہ نہیں لکھا کہ یہ جہاز کس روز گودی پر آکر لگے گا"۔

شاہ جی عرف چندر کانت بولے۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... یہ جہاز جس روز کامبے کی بندرگاہ پر آکر لگنے والا ہوگا مجھے اس کی ایک روز پہلے اطلاع مل جائے گی...... اب تمہارا کام یہ کہ اپنے اگلے مشن کی منصوبہ بندی شروع کر دو"۔

عمران نے کہا۔

"یہ کام میں اپنے ساتھی کمانڈو جبران سے مل کر ہی کر سکتا ہوں...... جب ہم پوری پلاننگ کر لیں گے تو آپ کو بتا دیں گے اور پھر آپ کا مشورہ بھی لیں گے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"جبران کو میں صبح یہاں بلوالوں گا...... وہ اس دوران میرے سٹور میں ہی رہا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کے اگلے مشن کا تقاضا ہے کہ تم بھی جبران کے ساتھ سٹور میں ہی ڈیرہ لگالو...... تم میں سے کسی ایک کا بھی میرے ہاں رہنا اور میرے آفس میں زیادہ آنا جانا مناسب نہیں"۔

شاہ جی کا مشورہ موقع کی مناسبت سے بالکل درست تھا...... چنانچہ عمران نے اسی لیے اس مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کہا۔

"ہمیں آپ کے مشورے کے مطابق عمل کرنا چاہئے..... اب جبران کو یہاں بلوانے کی ضرورت نہیں..... میں خود اس کے پاس سٹور میں چلا جاؤں گا..... مجھے صرف سٹور کا راستہ بتا دیں"۔

شاہ جی عرف چندر کانت بولے۔

"صرف راستہ بتا دینے سے تم وہاں نہیں پہنچ سکو گے..... میں منہ اندھیرے آؤں گا اور تمہیں خود وہاں لے کر جاؤں گا..... اب تم سو جاؤ"۔

کئی قسم کے خیالات عمران کے ذہن میں آ رہے تھے..... کیا ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے؟ دشمن کے گھر میں جا کر انتہائی زبردست سیکورٹی میں اس کے بہت بڑے اور بے حد اہم جہاز کو اڑا دینا کوئی معمولی کام نہیں تھا..... اس کے لئے مضبوط منصوبہ بندی اور عقل کی ضرورت تھی..... یہ ایسا خطرناک مشن تھا کہ مکمل منصوبہ بندی کرنے اور عقل سے کام لینے کے باوجود کچھ معلوم نہیں تھا کہ نتیجہ کیا نکلے گا..... ابھی دن نہیں نکلا تھا..... رات کا اندھیرا ہی تھا کہ شاہ جی نے آ کر عمران کو دبا

"میرے ساتھ آ جاؤ..... ناشتہ وہیں جا کر کر لینا"۔

شاہ جی کے پاس ایک پرانی کھٹارا جیپ تھی..... دونوں جیپ میں سوار ہو گئے..... شاہ جی خود جیپ چلا رہے تھے..... بہاؤ نگر کے بازار پچھلے پہر کے اندھیرے میں سنسا پڑے تھے..... شاہ جی کے سٹور تک پہنچتے پہنچتے آدھا گھنٹہ لگ گیا..... جبران عمران سے گلے لگ کر ملا..... پوچھنے لگا..... کیا ہوا؟"۔

عمران نے کہا۔

"جو کچھ ہوا بالکل درست ہوا ہے..... میں دلی سے کامیاب لوٹا ہوں"۔

جبران کو عمران نے ٹاپ سیکرٹ فائل کے فوٹو عکس دکھائے اور کہا۔

"جہاز کا نام یہ ہے اور یہ ہے اس کا نمبر..... یہ مرچنٹ نیوی کا ہی جہاز ہے اور یہ سامان لانے لے جانے کے کام آتا ہے..... فائل کے مطابق ظاہر یہ کیا جائے گا کہ اس جہاز میں گندم اور دوسری اشیائے خورد و نوش منگوائی گئی ہیں..... لیکن حقیقت میں یہ جہاز اسلحہ اور گولہ بارود سے بھرا ہوا ہو گا"۔

جبران نے کہا۔

"اس کی خلیج کامبے میں داخل ہونے کی تاریخ اور وقت نہیں لکھا ہوا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"اس بارے میں تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں" آخر میں اتنے برسوں سے یہاں کس لئے دھونی رما کر بیٹھا ہوا ہوں..... جس دن جہاز خلیج کی اوپر کی جانب آخری بندرگاہ کامبے کی گودی میں آ کر لگے گا اسی دن میرے آدمی مجھے جہاز کا نام اور نمبر بتا دیں گے..... میرا خیال ہے کہ انڈین نیوی بڑی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اس روز تین چار مال بردار جہاز خلیج میں لائے گی..... اسلحہ بارود والا جہاز جس کا نام فائل میں 'شیوا' بتایا گیا ہے ان جہازوں کے ساتھ ہی خلیج میں ایک عام مال بردار جہاز کی حیثیت سے گودی کے ساتھ آ کر لگ جائے گا..... اس کے بارے بڑی رازداری سے کام لیا جا رہا ہے..... لوگ اسے بھی مرچنٹ نیوی کا ایک تجارتی بار بردار جہاز ہی سمجھیں گے"۔

مگر میرے آدمی ان جہازوں میں سے اس جہاز کی اطلاع مجھے کر دیں گے..... جس میں اسلحہ وغیرہ لدا ہوا ہو گا۔

جبران نے عمران سے سوال کیا جو بڑا اہم سوال تھا، بلکہ اس مشن کا کلیدی سوال تھا..... اس نے پوچھا۔

"اس جہاز" تک پہنچنے کے لئے بھی تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ ہے"۔

عمران نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس وقت حتمی شکل میں کوئی منصوبہ نہیں ہے..... اس بارے میں ہمیں شاہ جی سے بھی مشورہ کرنا ہو گا"۔

شاہ جی قریب ہی بیٹھے ان کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے، کہنے لگے۔

"اس جہاز تک پہنچنے کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں..... یا تو سمندر کے نیچے غوطہ لگا کر اس تک پہنچا جائے اور یا کوئی بھیس بدل کر جہاز میں براہ راست داخل ہوا جائے مگر اس بات کا فیصلہ جہاز کے گودی میں لگنے کے بعد اس کے ارد گرد سیکورٹی کا انتظام دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے"۔

عمران بولا۔

"لیکن شاہ جی..... ہمیں دونوں صورتوں پر غور ضرور کر لینا چاہئے..... سب سے پہلے تو میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ اگر جہاز کے ارد گرد سیکورٹی کا زبردست انتظام ہوا جو کہ ظاہر ہے ہو گا اور ہم بھیس بدل کر بھی جہاز میں داخل نہ ہو سکے تو سمندر میں غوطہ لگا کر ہمیں جہاز کے نیچے پہنچ کر اپنا کام مکمل کرنا ہو گا..... اس صورت حال میں ہمیں آپ کی مدد کی اشد ضرورت ہو گی، بلکہ آپ کے تعاون کے بغیر ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے"۔

شاہ جی ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور زیر لب مسکرا بھی رہے تھے..... کہنے لگا۔

"تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو گی تمہیں مہیا کر دی جائے گی..... میں نے اپنے خفیہ ذرائع کے متعلق تمہیں کچھ نہیں بتایا اور بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے..... سب سے پہلے جہاز کو گودی پر لگنے دو..... اس کے بعد اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ تمہیں جہاز کو تباہ کرنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے"۔

جبران اور عمران خاموشی سے شاہ جی کی ایک ایک بات غور سے سن رہے تھے..... شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا۔

"لیکن اس معاملے میں تمہیں جس چیز کا بہت زیادہ خیال رکھنا پڑے گا وہ رازداری اور احتیاط ہے..... رازداری اور احتیاط..... ہر قدم پر..... ہر سانس پر..... جس روز جہاز گودی پر آ کر لگے گا اس دن سے تم میرے آفس اور دکان پر نہیں آؤ گے..... میں خود رات کے اندھیرے میں کسی نہ کسی وقت آ کر تم سے مل جایا کروں گا..... میں ایک مدت سے یہاں بیٹھ کر پاکستان اور کشمیر کے جہاد کے لئے کام کر رہا ہوں..... آج تک کسی کو مجھ پر شک تک نہیں پڑا..... اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ میں انتہائی رازداری اور انتہائی احتیاط سے کام لیتا رہا ہوں..... تم نئے نئے یہاں آئے ہو..... تمہیں بالکل نہیں پتہ کہ انٹیلی جنس والے کس کس حلیئے میں اس سارے نازک اور حساس علاقے میں چل پھر رہے ہیں..... مجھے سب کے بارے میں معلوم ہے..... میں ایک میل سے انٹیلی جنس والوں کی بو سونگھ لیتا ہوں اور جس روز اسلحہ اور گولہ بارود سے بھرا ہوا جہاز بندرگاہ پر آ کر لگا اس کے بعد تو سیکورٹی اور انٹیلی جنس کا تو اس سارے علاقے میں جال بچھا دیا جائے گا"۔

جبران بولا۔

"شاہ جی ہم آپ کے اشاروں پر چلیں گے..... آپ کے اشارے کے بغیر ہم اپنے مشن کے سلسلے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھائیں گے"۔

شاہ جی کہنے لگے۔

"اگر واقعی تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے حکم سے تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گے بلکہ تم پر انٹیلی جنس والوں کی نگاہ تک نہ پڑ سکے گی..... اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں دشمن کے پیٹ میں بیٹھ کر یہاں پچیس سال نہیں گزار سکتا تھا، بلکہ اب تک میری ہڈیاں بھی زمین کے نیچے گل سڑ چکی ہوتیں..... اب میں چلتا ہوں..... دن نکلنے والا ہے..... میں صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے اپنے اڈے پر پہنچ جانا چاہتا ہوں"۔

شاہ جی چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد جبران نے عمران سے کہا۔

"اگر ہم سمندر میں رات کے اندھیرے میں غوطہ لگا کر جہاز تک پہنچتے ہیں یا کوئی

بھیس بدل کر جہاز میں داخل ہونے میں کامیاب ہوتے ہیں ان دونوں صورتوں میں
ہمیں جس چیز کی سب سے پہلے ضرورت پڑے گی وہ انتہائی طاقتور مگر مختصر سائز کے بم
ہوں گے...... یہ بم ریموٹ کنٹرول بم بھی ہو سکتے ہیں اور ٹائم بم بھی ہو سکتے ہیں......
کیا شاہ جی اس قسم کے جدید ترین اور انتہائی دھماکہ خیز بم ہمیں مہیا کر سکیں گے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے شاہ جی اس کا انتظام ضرور کر دیں گے...... انہوں نے تو ہمیں یہ
یقین دلایا ہے کہ وہ ہمارے مشن میں کام آنے والی ہر ضروری شے ہمیں سپلائی کر دیں
گے...... باقی یہ تو وقت آنے پر ہی پتہ چلے گا کہ وہ کیا چیز مہیا کر سکتے ہیں اور کیا چیز
نہیں کر سکتے"۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے باہر سویرا ہو گیا...... بوڑھے چوکیدار نے آ کر ناشتہ
کا پوچھا...... عمران بولا۔

"ناشتہ اگر تیار ہے تو لے آئیں میاں جی"۔

چوکیدار جی اچھا کہہ کر چلا گیا...... جبران کہنے لگا۔

"یہ چوکیدار بزرگ مجھے یہاں کے نہیں لگتے...... ان کا اردو بولنے کا لہجہ دلی
والوں کا ہے"۔

عمران بولا۔

"بابا ہمارے شاہ جی کا کوئی انتہائی بھروسے کا آدمی لگتا ہے...... وہ ہم سے زیادہ
چیت نہیں کرتا اور یہ بڑی اچھی بات ہے"۔

تھوڑی دیر بعد چوکیدار بابا ناشتہ لے آیا...... دونوں خاموشی سے ناشتہ کرنے
لگے...... ناشتہ کے بعد چائے پیتے ہوئے جبران نے کہا۔

"انڈین نیوی نے محض سیکورٹی کی خاطر اسلحہ اور گولہ بارود ایک عام مال
جہاز میں منگوایا ہے...... اب خدا کرے کہ یہ ایمونیشن اسی جہاز میں آ رہا ہو جس
سیکرٹ فائل میں درج ہے"۔

عمران چائے کا گھونٹ نگلنے کے بعد کہنے لگا۔

"سیکرٹ فائل میں محکمہ دفاع کو جہاز کا غلط نام لکھنے کی کیا ضرورت تھی...... کہیں
نہ کہیں تو جہاز کا صحیح نام لکھنا ہی تھا اور وہ ٹاپ سیکرٹ فائل ہی ہو سکتی ہے...... ویسے
بھی جب جہاز بندرگاہ پر پہنچ جائے گا تو شاہ جی کے اتنے ذرائع ہیں اور وہ یہ معلوم
کروا لیں گے کہ اس خاص جہاز میں ایمونیشن لدا ہوا ہے یا نہیں"۔

جبران کچھ زیادہ حقیقت پسند واقع ہوا تھا...... کہنے لگا۔

"عمران بھائی! میں یہ ضرور کہوں گا کہ ابھی صورت حال واضح نہیں ہے...... یہ
مشن اتنا پیچیدہ اور نازک ہے کہ کسی وقت مجھے اس کی کامیابی پر شبہ ہونے لگتا ہے"۔

عمران نے چائے کی پیالی تپائی پر رکھ دی اور کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب موضوع تبدیل کر دینا چاہئے...... یہ بتاؤ کہ یہاں
دوسری چارپائی کا کیا بندوبست ہو گا...... آخر مجھے بھی اب یہیں رہنا ہے"۔

جبران ہنس کر کہنے لگا۔

"بھائی تم میری چارپائی پر سو جانا...... میں زمین پر سو جاؤں گا...... ویسے فکر نہ
کرو...... چوکیدار بابا اس کا انتظام کر دے گا"۔

عمران اور جبران نے اس کے بعد شاہ جی عرف چندر کانت کے آفس اور مکان پر
جانا بند کر دیا...... شاہ جی بھی ایک دن چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں کسی وقت اچانک
آ کر انہیں مل جاتے اور حالات سے باخبر کر جاتے تھے...... یہ جگہ جیسا کہ پہلے بیان کیا
جا چکا ہے...... گجرات کے اس ساحلی شہر کے باہر کچھ فاصلے پر تھی...... ارد گرد کوئی
آبادی نہیں تھی...... جنوب کی جانب دلدلی زمین شروع ہو جاتی تھی...... اس طرف
آگے جا کر سمندر کی چھوٹی کھاڑی آ جاتی تھی جہاں ماہی گیروں کی کشتیاں چلتی پھرتی
رہتی تھیں...... ساری زمین شور زدہ تھی جس کی وجہ سے اس طرف کسی نے مکان

غیرہ نہیں بنایا تھا...... شاہ جی نے مصلحتاً یہاں اپنا سٹور بنا رکھا تھا...... سٹور کی دیواروں کا سیمنٹ جگہ جگہ سے شور کی وجہ سے پھولا ہوا تھا...... رات کو مچھر بہت حملے کرتے تھے...... ان سے بچنے کے لئے عمران اور جبران مچھر دانیاں لگا کر سوتے تھے...... ان مچھروں سے انہیں صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ ان کے کاٹنے سے کہیں انہیں ملیریا بخار نہ چڑھ جائے...... بیمار ہونے کی صورت میں ان کا مشن دھرے کا دھرا رہ جاتا...... چنانچہ وہ اپنی صحت کو ہر قیمت پر بحال رکھنا چاہتے تھے...... وہ مختصر اور سادہ غذا کھاتے تھے اور دن کے وقت کچھ فاصلے پر جا کر تاڑ اور ناریل کے درختوں میں ہلکی پھلکی ورزش بھی کر لیا کرتے تھے۔

شاہ جی ایک دن چھوڑ کر کبھی رات کے دو بجے، کبھی رات کے پچھلے پہر اچانک آجاتے اور انہیں بتاتے کہ جہاز ابھی تک بندرگاہ پر آ کر نہیں لگا...... اسی طرح د بارہ دن گزر گئے...... ایک دن رات کو بارش ہو رہی تھی...... موسم بڑا حبس آلود کیونکہ ہوا بند تھی...... عمران اور جبران مچھر دانیاں لگا کر اپنی اپنی چارپائیوں پر جاگ رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے...... ایک ٹیبل فین کونے کی میز پر رکھا ہو سپیڈ کے ساتھ چل رہا تھا مگر اس کی ہوا مچھر دانیوں کی جالیوں میں سے بہت کم رہی تھی...... بارش کی آواز میں انہیں جیپ کے انجن کی آواز سنائی دی۔

عمران چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"جبران! میرا خیال ہے شاہ جی آئے ہیں"۔

"آواز تو ان کی کھٹارا جیپ کی ہی ہے"۔

یہ کہہ کر جبران بھی اٹھ بیٹھا...... جیپ کی آواز سٹور کے دروازے کے پاس رک گئی...... عمران اور جبران دونوں مچھر دانیاں ہٹا کر باہر نکل آئے...... درواز شاہ جی نے مخصوص انداز میں دستک دی...... عمران یہ کہہ کر اٹھا۔

"شاہ جی ہی ہیں"۔

اس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا...... شاہ جی اندر آگئے...... انہوں نے بارش والی ساتی پہن رکھی تھی...... اندر آتے ہی انہوں نے برساتی اتار کر ایک طرف رکھ دی ر بولے۔

"تم ابھی تک جاگ رہے تھے کیا؟"۔

جبران بولا۔

"جی ہاں...... ویسے بھی ہمیں غیر شعوری طور پر آپ کا انتظار تھا کیونکہ آج آپ کے آنے کی باری تھی"۔

یہ لوگ مچھر دانیاں ہٹا کر چارپائیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے...... ٹیبل فین کی وا بالکل سیدھی ان پر آ رہی تھی...... دیوار والا کمزور بلب روشن تھا...... یہ بلب ساری ات جلتا رہتا تھا...... عمران نے پوچھا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ آج آپ کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہیں"۔

شاہ جی عرف چندر کانت مسکرا رہے تھے...... کہنے لگے۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ میں کوئی خوش خبری لے کر آیا ہوں، یونکہ میرے دل میں خوشی یا غم کے جو بھی تاثرات ہوں وہ کبھی میرے چہرے پر ہیں آتے...... ایک کامیاب جاسوس یا کمانڈو کی یہی سب سے اہم خصوصیت ہوتی ہے"۔

عمران بولا۔

"یقین کریں آپ کے چہرے سے مجھے یہی معلوم ہوا تھا کہ آپ آج بھی کوئی بر نہیں لائے...... یہ تو محض میرے دل نے یا میری چھٹی حس نے مجھے بتا دیا تھا کہ شاہ کوئی اچھی خبر لائے ہیں"۔

شاہ جی بولے۔

تمہاری چھٹی حس نے بالکل صحیح بتایا ہے...... خوشی کی خبر یہ ہے کہ جس جہاز کا

تمہیں انتظار تھا وہ آج شام کے وقت خلیج کامبے میں داخل ہو کر کامبے (Cambay) کی بندر گاہ پر آکر لنگر انداز ہو گیا ہے...... اس جہاز کا وہی نام ہے اور اس کا وہی نمبر ہے جو محکمہ دفاع کی سیکرٹ فائل میں لکھا ہوا ہے"۔

عمران اور جبران کو یہ سن کر اطمینان نصیب ہوا...... ان کی انتظار کی کٹھن گھڑیاں ختم ہو گئی تھیں...... جبران نے پوچھا۔

"شاہ جی! آپ نے اس بات کی تصدیق کر لی ہے کہ یہ وہی جہاز ہے جس کا ہمیں انتظار تھا اور جس پر ایمونیشن اور جدید ترین بھاری اسلحہ لدا ہوا ہے؟"۔

شاہ جی نے گہری نگاہوں سے جبران کی طرف دیکھا اور کہا۔

"برخوردار جتنی تمہاری عمر ہے اتنی عمر مجھے یہاں دشمن کے گھر میں بیٹھ جاسوسی کرتے گزر گئی ہے...... میری اطلاع کبھی غلط نہیں ہوتی"۔

جبران نے فوراً معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"شاہ جی! یقین کریں میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا...... اگر آپ نے ایسا سمجھا تو میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں"۔

عمران بولا۔

"میں بھی جبران کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں"۔

شاہ جی نے عمران کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے برخوردار...... بہرحال ہمیں اصل موضوع پر آنا چاہئے...... بات یہ ہے کہ جہاز مرچنٹ نیوی کا مال بردار ہے...... اس کا نام بھی وہی اور نمبر بھی وہی ہے جو سیکرٹ فائل میں دیا گیا ہے...... اس کے باوجود کل دوپہر تک میں معلوم کر لوں گا کہ اس میں گولہ بارود لدا ہوا ہے کہ نہیں...... اتنی رپورٹ مل گئی ہے کہ جہاز کے گودی پر لگتے ہی وہاں خفیہ طور پر سیکورٹی بڑی سخت کر دی گئی اور نیوی، آرمی اور پولیس کے انٹیلی جنس والے سویلین کپڑوں میں جگہ جگہ پھیل گئے ہیں...... آج تک کبھی کسی مال بردار جہاز کے لئے سیکورٹی کا اتنا سخت انتظام نہیں دیکھا گیا...... اس کے باوجود ایمونیشن کے بارے میں مجھے تصدیق شدہ رپورٹ کل دوپہر یا شام تک مل جائے گی...... اگر یہ رپورٹ مجھے مل گئی تو میں کل رات کو کسی وقت آؤں گا"۔

شاہ جی جاتے وقت ایک بار پھر تاکید کر گئے کہ دن کے وقت زیادہ ادھر ادھر مت پھرنا...... ان کے جانے کے بعد وہ دیر تک یہی باتیں کرتے رہے کہ اگر یہی وہ جہاز نکلا جس کے پیچھے وہ یہاں تک آئے ہیں اور اتنی دربدری کی ہے تو کیا شاہ جی ان کی مطلوبہ ضرورتیں پوری کر سکیں گے...... اپنے ہیڈ کوارٹر سے چلتے وقت انہیں شاہ جی کے بارے میں یقین سے کہا گیا تھا کہ وہ ان کی ہر ضرورت پوری کر سکتے ہیں...... ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسری جگہ نہیں جانا پڑے گا۔

دوسرے دن شام تک بارش ہوتی رہی۔

بھارت کے اس علاقے میں بارشیں سردیوں کے موسم میں بھی کافی ہوتی ہیں...... سردیوں کا موسم تو اس طرف آتا ہی نہیں...... صرف اتنا ہوتا ہے دسمبر جنوری میں راتیں تھوڑی ٹھنڈی ہو جاتی ہیں...... بارش موسلا دھار ہو تو حبس ہو جاتا ہے...... شام کو بارش تھم گئی...... عمران اور جبران دونوں کمانڈو جانبازوں نے کمرے میں ہی کھانا کھایا اور مچھر دانیاں لگا کر لیٹ گئے...... جبران بولا۔

"میرا دل کہتا ہے شاہ جی کو رپورٹ مل گئی ہے اور آج رات وہ کسی بھی وقت ضرور آئیں گے"۔

اور ایسا ہی ہوا...... جس وقت دروازے پر دستک ہوئی عمران جاگ رہا تھا...... یہ دستک شاہ جی کی تھی...... عمران نے سرہانے کے نیچے سے گھڑی نکال کر دیکھی...... رات کا ایک بج رہا تھا...... اس نے جبران کو اٹھا دیا اور کہا۔

"میرا خیال ہے شاہ جی آئے ہیں"۔

جبران بولا۔

" دھیان سے جانا..... کوئی اور بھی ہو سکتا ہے"۔

عمران نے دروازہ کھولا تو شاہ جی اندر آگئے..... آتے ہی بولے۔

" بھائی صاحب مبارک ہو..... یہ وہی جہاز ہے جو آپ کا ٹارگٹ ہے..... اس کی نچلی دو منزلیں ہر قسم کے اسلحہ اور گولہ بارود سے بھری ہوئی ہیں..... اس کا کپتان گوا کا رہنے والا ہندوستانی ہے..... جہاز کے عملے میں پارسی، عیسائی اور مدراسی اور دو تین پنجابی بھی شامل ہیں..... یہ جہاز بظاہر جنوبی افریقہ سے پیاز اور سویا بین لے کر آ ہے..... جہاز کی تیسری منزل والے گودام میں محض دکھاوے کے لئے پیاز اور سویا بی کے چار پانچ ہزار بورے بھی لدے ہوئے ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

" یہ جہاز خلیج کامبے کی بندرگاہ کی کونسی گودی پر آکر لگا ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

" تم دونوں میں سے کسی نے کامبے کی بندرگاہ نہیں دیکھی..... میں نے دیکھ ہوئی ہے..... یہ بندرگاہ جہاں پر واقع ہے وہاں آکر خلیج کامبے کا سمندر ختم ہو ہے..... کامبے بندرگاہ کی تین گودیاں ہیں، چونکہ یہاں زیادہ تر مال بردار جہاز آکر ہیں اس لئے یہاں تین الگ الگ گودیاں بنائی گئی ہیں..... اس مقصد کے لئے دو جگہ سے سمندر کا پانی نہر کی شکل میں کاٹ کر اندر تک لے جایا گیا ہے..... یہ جہاز جس "شیوا" ہے..... یہ بندرگاہ کی تیسری اور آخری گودی پر لگایا گیا ہے..... وہاں سمندر ایک بڑی اور گہرے پانی والی نہر کی شکل میں جاتا ہے..... اس گودی کے طرف خشکی ہے..... صرف ایک طرف سمندر کی نہر یا کھاڑی ہے..... خشکی جانب جو گودام بنے ہوئے ہیں ان کی چھتوں پر نیوی اور آرمی کی فوج مشین گنو مورچے بنا کر بیٹھ گئی ہے..... اس طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے.....

تک کہ بندرگاہ کے عملے کے لوگ بھی گودی کے چیف آفیسر کی طرف سے جاری کئے گئے شناختی اجازت نامے کے بغیر اس طرف نہیں جاسکتے..... دن کے وقت اور رات کے وقت بھی کھاڑی کے سمندر میں نیوی کے سپاہی چھوٹی موٹر بوٹوں میں گشت لگاتے رہتے ہیں..... بتانے والے نے یہ بھی بتایا ہے کہ کھلے سمندر کی جانب کھاڑی میں آہنی جال کی ایک دیوار سمندر کے اندر کھڑی کردی گئی ہے..... یہ لوہے کے مضبوط اور موٹے تاروں والی جالی دار دیوار ہے..... یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس آہنی دیوار کے پیچھے کچھ دور تک سمندر میں بارودی سرنگیں بھی بچھادی گئی ہیں تاکہ کسی دہشت گرد کے سمندر کے نیچے سے اندر آکر جہاز کو تباہ کرنے کا امکان ہی باقی نہ رہے" "اگر تم لوگ سمندر کے اندر سے غوطہ لگا کر جہاز تک پہنچنا چاہو گے تو تمہیں سب سے پہلے سمندر میں بچھی ہوئی بارودی سرنگوں سے اپنے آپ کو بچانا ہوگا..... اس کے بعد آہنی جال کے موٹے تاروں کو کاٹنا ہوگا..... اس کے بعد کہیں تم جہاز کے پیندے تک پہنچ سکو گے..... وہاں بھی جہاز کے عقب میں سمندر میں گشتی پٹرول پارٹیاں موٹر بوٹوں میں گشت لگا رہی ہوں گی اور ان کی سرچ لائٹوں کی تیز روشنی سمندر کی سطح کو دن کی طرح روشن کر رہی ہوں گی..... تم میں سے کسی نے ذرا سا سر باہر نکالا نہیں کہ تم پر مشین گنوں کے فائر بارش کی طرح برسنا شروع ہو جائیں گے"۔

جبران نے پوچھا۔

" اگر ہم سمندر کے نیچے سے نہ جائیں تو جہاز پر اوپر سے یعنی باہر سے پہنچنے کے کیا امکانات ہیں؟"۔

شاہ جی نے فوراً اس سوال کا جواب نہ دیا..... کچھ دیر غور کرتے رہے..... پھر بولے۔

" اس کام میں سمندر کے نیچے سے بھی زیادہ خطرہ ہے..... لیکن اس کے لئے بہت زیادہ اور بڑی احتیاط کے ساتھ حالات کو دیکھ کر منصوبہ بندی کرنی پڑے گی..... یہ بات

ظاہر ہے کہ جہاز کے اوپر سوائے عملے کے آدمیوں کے اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہو گی...... تم لوگ بالکل اجنبی ہو...... تم جہاز پر کیسے جا سکو گے؟ کون سا بھیس بدل کر جاؤ گے؟ یہ بات غور طلب ہے"۔

عمران اس دوران ایسا لگتا تھا کہ کسی گہری سوچ میں گم ہے...... اس نے سر اٹھا کر شاہ جی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میرے خیال میں ہمارا جہاز کے اندر اوپر سے جانا ہی ٹھیک رہے گا...... اس میں صرف ایک کمزوری ہے کہ ہم کہیں پہچانے نہ جائیں...... اس کے واسطے ہمیں وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد سوچنا ہو گا کہ ہم کون سا بھیس بدل کر جہاز میں داخل ہوں...... یہ کوئی ایسا بھیس اور ایسا حلیہ ہونا چاہئے کہ کسی کو ہم پر شک نہ پڑے...... اس سلسلے میں شاہ جی آپ ہی ہمیں جہاز کے حالات کا جائزہ لے کر بتا سکتے ہیں کہ ہمیں کس بھیس میں جہاز پر جانا چاہئے"۔

شاہ جی بولے۔

"اس کے لئے مجھے تھوڑا وقت چاہئے، لیکن وقت ہمارے پاس زیادہ نہیں ہے...... جہاز پر سے گولہ بارود کسی بھی وقت رات کی تاریکی میں اتارنا شروع ہو سکتا ہے...... یہ ایمونیشن فوجی ٹرکوں میں کانوائے کی صورت میں احمد آباد اور وہاں سے آگے جموں لے جایا جائے گا...... اگر تم لوگ یہ سوچتے ہو کہ تم جہاز کی بجائے کانوائے کو تباہ کر کے ایمونیشن اڑا دو گے تو تم زیادہ سے زیادہ ایک فوجی ٹرک یا تین چار فوجی ٹرکوں کا ایمونیشن اڑا سکو گے اور یہ گولہ بارود اور اسلحہ صرف ایک کانوائے میں نہیں بلکہ دس بارہ کانوائیوں میں وقفے وقفے سے لے جایا جائے گا...... تم کس کس ٹرک کو تباہ کرو گے...... تمہارے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں...... یا تو سمندر کی تہہ میں غوطہ لگا کر سمندر کے اندر ہی اندر بارودی سرنگوں سے اپنے آپ کو بچاتے فولادی جال کے تاروں کو کاٹ کر جہاز کے پیندے تک پہنچ کر وہاں بم لگا دو اور یا جہاز کے اوپر کسی طریقے سے داخل ہو کر جہاز کی دوسری اور تیسری منزل تک پہنچو جہاں اسلحہ اور گولہ بارود بھرا ہوا ہے اور ٹائم بم لگا کر واپس نکل آؤ...... مگر یہ اتنا آسان کام نہیں ہے...... بھنیر سانپ کے منہ سے منکا نکالنا زیادہ آسان ہے مگر اس جہاز کے اندر جا کر ٹائم بم لگانا اس سے زیادہ مشکل کام ہے...... وہاں تو قدم قدم پر فوجی پہرہ لگا ہو گا، اس کے علاوہ انٹیلی جنس والوں کی تیز نگاہیں بھی تمہارا پیچھا کر رہی ہوں گی...... تم کس کس سے دامن بچاؤ گے"۔

جبران نے کہا۔

"شاہ جی! میرا خیال ہے ہمیں سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ہو گا کہ جہاز سے ایمونیشن کس دن سے اتارنا شروع ہو جائے گا"۔

شاہ جی بولے۔

"یہ میں معلوم کر لوں گا...... بہر حال تم لوگوں کو دونوں طریقوں پر عمل کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھنا ہو گا...... اپنی طرف سے میں تمہیں اتنا بتائے دیتا ہوں کہ اگر تم نے سمندر کے نیچے سے کمانڈو ایکشن کا فیصلہ کیا تو تمہیں غوطہ خوری کے سوٹ اور طاقتور سے طاقتور ریموٹ کنٹرول اور ٹائم کلاک والے بم مہیا کر دیئے جائیں گے...... اس طرف سے تمہیں بے فکر ہو جانا چاہئے...... میں حالات کا پورا جائزہ لینے اور پوری پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی آؤں گا، ہو سکتا ہے مجھے ایک دو دن لگ جائیں...... تم یہیں رہنا...... باہر کسی طرف کو مت نکل جانا...... تم خلیج کامبے کے بندرگاہ والے ساحل سے زیادہ دور نہیں ہو اور یہ سارا علاقہ انٹیلی جنس والوں کی زد میں ہے"۔

شاہ جی چلے گئے...... دوسرے دن بھی نہ آئے...... تیسرے دن رات کے وقت آگئے...... اس رات بارش تو نہیں ہو رہی تھی مگر آسمان پر بادل ہی بادل تھے اور سمندر کی طرف سے بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی...... ہم شاہ جی کے پاس بیٹھ گئے اور بڑے

تجسس کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ وہ کیا کہتے ہیں...... شاہ جی نے پہلی بات یہ کہی۔

"پہلے تو یہ سن لو کہ جہاز پر سے گولہ بارود ابھی نہیں اتارا جارہا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے یہاں اتنے فوجی ٹرک فارغ نہیں ہیں...... انبالہ چھاؤنی سے پچاس ساٹھ ٹرکوں کا کانوائے چل پڑا ہے...... اسے دو ایک دن یہاں پہنچتے پہنچتے لگ جائیں گے...... اس کے بعد ساٹھ خالی ٹرکوں کا ایک کانوائے میرٹھ چھاؤنی سے چل کر یہاں پہنچے گا...... اسے بھی دو تین دن لگ جائیں گے...... اس کے بعد انڈین نیوی اور آرمی آرڈیننس کے چیف ایگزیکٹو آفیسرز آکر رات کے وقت ایمونیشن کی چیکنگ کریں گے...... یہ آفیسرز بمبئی اور حیدر آباد کی آرمی چھاؤنی سے آئیں گے...... اس طرح سے کم از کم سات آٹھ دن لگ جائیں گے...... اس کے بعد جہاز پر سے ایمونیشن اتارا جانا اور فوجی ٹرکوں پر لوڈ کرنا شروع ہو جائے گا...... یہ کام بھی بڑی احتیاط کے ساتھ رات کے وقت ہوتا رہے گا"۔

عمران نے سوال کیا۔

"شاہ جی! سمندر کے اندر سے غوطہ لگا کر جانے کا معاملہ تو بالکل واضح ہو کر ہمارے سامنے آچکا ہے...... اس ایکشن میں جو خطرات ہیں وہ بھی ہمیں معلوم ہو چکے ہیں...... آپ یہ فرمائیں کہ جہاز کے اوپر سے اس کے اندر جانے کے کیا امکانات ہیں"۔

شاہ جی کہنے لگے۔

"میں یہی بتانے آیا ہوں...... بات یہ ہے کہ جہاز کے عملے کو جہاز کے کپتان کے علاوہ خلاص اور ملاح تک جانتے ہیں اور ان کی شکل و صورت سے واقف ہیں...... میں سے کسی کو اغوا کر کے یرغمال بنا کے تم میں سے کوئی اس کا حلیہ بنا کر جہاز پر نہیں جا سکتا...... یہ اپنے آپ کو خود گرفتاری کے لئے پیش کرنے والی بات ہو گی"۔

دونوں سوچ میں پڑ گئے...... دونوں کمانڈوز خاموش تھے...... شاہ جی بھی کچھ سوچ رہے تھے...... کہنے لگے۔

"مجھے کل کے دن کی مہلت دے دو...... میں جہاز کے عملے کے بارے میں ایک بار پھر پوری رپورٹ منگواتا ہوں...... مجھے یقین ہے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا...... سمندر کے نیچے غوطہ لگا کر جہاز تک پہنچنا میرے خیال میں مناسب نہیں رہے گا...... ہمارے پاس جو آکسیجن ماسک ہیں ان کا پانی میں ڈوبنے کے بعد دورانیہ اتنا زیادہ نہیں ہے کہ تم لوگ سمندر کے اندر ہی اندر تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ بھی طے کرو اور فولادی جالی بھی کاٹو...... تمہیں لامحالہ چھ سات منٹ کے بعد سمندر کی سطح پر آنا پڑے گا...... وہاں سرچ لائٹ کی روشنیاں ہوں گی اور تم پکڑے جاؤ گے...... اس طریق کار کو بھول جاؤ...... میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا راستہ نکل آئے کہ تم جہاز کے عرشے پر سے داخل ہو کر اپنا مشن پورا کر سکو...... بہر حال کل اسی سلسلے میں فائنل بات ہو جائے گی"۔

شاہ جی کے جانے کے بعد جبران اور عمران بھی غور و فکر کرتے رہے...... جہاز کے اوپر سے جہاز میں داخل ہونا اور پھر سارے عملے اور سیکورٹی سٹاف کی موجودگی میں جہاز کی نچلی منزل میں جا کر بم لگانا اتنی آسان بات نہیں تھی...... وقت بھی کم تھا...... دو تین روز کے اندر اندر انبالہ چھاؤنی اور میرٹھ چھاؤنی سے چلے ہوئے فوجی ٹرکوں کا پہلا کانوائے پہنچنے والا تھا اور اس وقت اسلحہ اور گولہ بارود جہاد سے نکلنا شروع ہو جائے گا...... وقت گزرتا جارہا تھا اور ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچے تھے۔

دوسرے دن شام ہوتے ہی شاہ جی عرف چندر کانت آگئے...... ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ کچھ امید پیدا ہو گئی ہے، کہنے لگے۔

"قدرت نے ایک سبب بنا دیا ہے...... آج ہی دوپہر کو انبالے چھاؤنی کے کمانڈنگ آفیسر کا ایک ٹیلکس جہاز کے کپتان کو ملا ہے کہ توپ خانہ رجمنٹ کے دو افسر کرنل ایم کے ترپاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی ایمونیشن کی چیکنگ کے لئے آرہے

ہیں...... انہیں ہر طرح کی سہولت ملنی چاہئے"۔

جبران اور عمران نے تجسس آمیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

عمران نے شاہ جی سے پوچھا۔

"اس سے ہمارے مشن کا کیا تعلق ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"تعلق ہے اور بڑا گہرا تعلق ہے...... اس لئے میں شام کا اندھیرا ہوتے ہی تمہارے پاس آگیا ہوں...... کرنل ایم کے تریاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی کو پہنچتے پہنچتے دو روز لگ جائیں گے...... اس سے پہلے یعنی کل ہی تم دونوں کرنل ایم کے تریاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی بن کر ایمونیشن کی چیکنگ کرنے جہاز پر پہنچ جاؤ گے کیا خیال ہے؟"۔

جبران اور عمران جیسے چونک سے گئے تھے...... یہ منصوبہ ایسا تھا کہ اگر وہ بھرپور اعتماد سے کام لیں تو صرف ایک گھنٹے میں وہ اپنے مشن کو کامیابی سے مکمل کر سکتے تھے...... عمران بولا۔

"ہم اسی منصوبے پر عمل کریں گے"۔

شاہ جی نے کہا۔

"یہ موقع قدرت کی طرف سے تمہیں مہیا ہوا ہے...... اس سے تم پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہو...... کسی لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں ہے...... کرنل اور کیپٹن کی فوجی وردیاں تمہیں مل جائیں گی...... یہ کوئی جنگی جہاز نہیں ہے کہ تمہیں آئی ڈی کارڈ دکھانے کی ضرورت پیش آئے...... سویلین جہاز ہے...... سویلین ہی جہاز کا کیپٹن ہے...... بس صرف بھرپور اعتماد کی ضرورت ہوگی...... فوجی انداز میں چلتے ہوئے جہاز پر چڑھ جاؤ اور پورے اعتماد اور رعب کے ساتھ کیپٹن سے اپنا تعارف کراؤ اور کہو کہ تم انبالہ چھاؤنی سے آئے ہو اور اسی وقت ایمونیشن کی چیکنگ کرنی ہے...... جہاز کے

ٹان کو تمہاری آمد کا پیغام مل چکا ہے...... اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا...... ایک بات خیال رکھنا...... گفتگو انگریزی میں کرنا اور بڑے اکھڑ طریقے سے آواز میں رعب پیدا ر کے بولنا...... میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک گھنٹے میں اپنا مشن کامیابی سے مکمل کر لو گے...... کیا خیال ہے"۔

عمران بولا۔

"بڑا اچھا خیال ہے...... ہم اس سنہری موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی شش کریں گے"۔

جبران نے کہا۔

"فوجی وردیاں تو ہمیں مل جائیں گی لیکن اصل شے یعنی ریموٹ کنٹرول یا ٹائم ک والا چھوٹے سے چھوٹے سائز کا میگناٹک بم کہاں سے اور کب ملے گا؟"۔

شاہ جی بولے۔

"وہ بھی تمہیں آج رات کے تین بجے تک مل جائے گا...... میں اب جا رہا ں...... اس وقت شام کے سوا سات بجے ہیں...... میں رات کے تین بجے آؤں گا اور ہارے کام آنے والی ہر شے لیتا آؤں گا...... تم ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر نا"۔

شاہ جی فوراً اٹھ کر چلے گئے۔

اچانک ایک منصوبہ عمران اور جبران کے سامنے آگیا تھا، لیکن وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہ تو پریشان ہوئے تھے اور نہ ان پر ہیجانی کیفیت طاری ہوئی تھی...... انگریزی لنا اور سمجھنا ان کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا...... انہیں تربیت کے دوران بھارت کی ان ہندی اور انگریزی اچھی طرح سے پڑھائی گئی تھی...... وہ بڑی روانی کے ساتھ یزی اور ہندی بول سکتے تھے اور لکھ بھی سکتے تھے...... ان میں اعتماد بھی بہت تھا...... ر ایک خطرہ دونوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ جہاز میں ایمونیشن کے معائنے کے

دوران کہیں اصلی ہندو کرنل اور کیپٹن وہاں وارد نہ ہو جائیں...... عمران نے اس
خدشے کا اظہار کیا تو جبران بولا۔

"اتنا خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی پڑے گا...... اگر اصلی کرنل اور کیپٹن آ بھی گئے تو
ہم سارا اسلحہ وہیں پھونک ڈالیں گے...... اگر جہاز کے ایمونیشن کے دھماکے سے
ہمارے جسم کے ٹکڑے بھی ساتھ ہی اڑ جاتے ہیں تو اڑ جائیں...... ہم تو اپنی زندگیاں
پہلے ہی اپنے وطن پاکستان کی حرمت و وقار کے نام کر چکے ہیں"

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے شاہ جی انتہائی طاقتور ریموٹ بم کا بھی انتظام کر دیں گے"۔

"بھائی وہ عرصہ پچیس برس سے یہاں رہ کر وطن پاک کے لئے کام کر رہے
ہیں...... انہوں نے یہاں کے پاکستان اور اسلام دوست مسلمانوں سے مل کر اپنا ایک خاص
حلقہ اثر بنایا ہوا ہے...... مجھے یقین ہے کہ ان کی مدد سے سارا بندوبست ہو جائے گا"۔

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے...... اس کے بعد گھڑی کو الارم لگا کر
سو گئے...... رات کے ٹھیک ساڑھے تین بجے ٹائم پیس کے الارم نے دونوں کو
جگا دیا...... دو منٹ بعد باہر جیپ کے رکنے کی آواز آئی...... عمران اور جبران جلدی سے
مچھر دانیوں میں سے نکل آئے...... عمران نے کہا۔

"شاہ جی ٹھیک وقت پر آئے ہیں...... میں دروازہ کھولتا ہوں"۔

اس نے دروازہ کھولا تو شاہ جی تیزی سے کمرے میں داخل ہو گئے...... ان
ہاتھ میں ایک بڑا لفافہ تھا...... لفافہ انہوں نے چارپائی پر رکھ دیا اور بولے۔

"ذرا وردیاں پہن کر ٹرائی کرو...... میرا خیال ہے تمہارے سائز ہی کی ہیں"۔

عمران نے کرنل کی اور جبران نے کیپٹن کی وردی پہننی شروع کر دی۔

***

اتفاق سے وردیاں ان کے جسموں پر بالکل فٹ تھیں۔

شاہ جی نے کھڑے ہو کر ان کا جائزہ لیا اور بولے۔

"تمہارے براؤن شوز ٹھیک رہیں گے...... انہیں تبدیل کرنے کی ضرورت
نہیں ہے...... ہر وردی کی جیب میں ایک ایک نوٹ بک اور فوجی بال پوائنٹ اور بٹوے
میں کچھ نقدی موجود ہے"۔

اس کے بعد شاہ جی نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا لفافہ نکال کر کھولا اور اس میں
سے سٹین لیس سٹیل کی ایک چھوٹی نلکی نکال کر عمران کو دی...... عمران نے کرنل ایم
کے ترپاٹھی کی وردی پہنی تھی اور جبران نے کیپٹن دیوندر سیٹھی کی وردی پہنی
تھی...... وردی کے کاندھوں پر کرنل اور کیپٹن کے نشان چمک رہے تھے...... شاہ جی
نے سٹیل کی نلکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ انتہائی طاقتور ٹائم بم ہے...... ریموٹ کنٹرول بم اس وقت نہیں مل سکا......
اس کا دورانیہ بٹن دبانے کے بعد پچیس منٹ کا ہے...... بٹن دبانے کے بعد تم دونوں کو
جہاز سے جتنی جلدی ہو سکے اور جتنی دور ہو سکے نکل جانا ہو گا...... جہاز سے نکلنے کے بعد
تم میرے دفتر کی طرف نہیں بلکہ اسی سٹور کی طرف آؤ گے اور پہلا کام یہ کرو گے کہ
وردیاں اتار کر اپنے معمول کے کپڑے پہن لو گے اور وردیاں لفافے میں ڈال کر
لفافے کو یہاں سے شمال کی جانب دلدل میں دبا دو گے...... اگر حالات خراب نہ ہوئے

تو تم اسی کوٹھڑی میں چھپے رہو گے...... اگر صورت حال خطرے والی پیدا ہو ئی تو تم یہاں سے مشرق کی طرف جنگل میں چلے جانا اور وہاں کسی جگہ چھپے رہنا...... میں خود کسی وقت تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا...... اس ٹائم بم کو اپنی جیب میں بڑی حفاظت سے رکھنا...... اب میرے ساتھ آجاؤ"۔

باتیں کرتے اور عمران اور جبران کو ضروری ہدایات دیتے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا اور دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا...... جبران اور عمران دونوں انڈین آرمی کے افسروں کی وردیوں میں ملبوس ہاتھوں میں بید لئے شاہ جی کی جیپ میں بیٹھ گئے اور جیپ اس علاقے سے نکل کر ایک ویران سے راستے پر دوڑنے لگی۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے دن کی روشنی زیادہ ہوتی جا رہی تھی...... پھر سورج طلوع ہو گیا...... شاہ جی عرف چندر کانت انتہائی ہوشیاری کے ساتھ دونوں کو ایک ایسے مقام کی طرف لے جا رہے تھے جہاں سے وہ پیدل بھی کامبے کی بندرگاہ پر پہنچ سکتے تھے...... وہ جیپ کو کافی تیز چلا رہے تھے...... ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے جیپ کچی سڑک کے ایک جانب کھڑی کر دی اور کہنے لگے۔

"یہاں تم اترو گے اور سامنے والی چھوٹی سڑک پر چلنا شروع کرو گے...... یہ راستہ شارٹ کٹ بھی ہے اور بندرگاہ کے سیکورٹی زون میں آتا ہے...... میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا...... اب جو کچھ کرنا ہے تم دونوں کو ہی کرنا ہے...... میں نے تمہیں سب کچھ سمجھا دیا ہے...... ڈیڑھ دو سو قدم چلنے کے بعد تمہیں اپنی دائیں جانب بندرگاہ کی گودی کا بڑا گیٹ نظر آئے گا...... تم اسی گیٹ میں سے گزر کر گودی تک پہنچو گے جہاں تمہیں سامنے مرچنٹ نیوی کا مال بردار جہاز کھڑا نظر آئے گا...... یہی وہ جہاز ہے جس کو تم نے تباہ کرنا ہے...... ایک بات یاد رکھنا...... اگرچہ تم ایسے تربیت یافتہ محب وطن کمانڈوز کو یاد دہانی کرانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی میں تمہیں کہنا چاہوں گا کہ اگر پانسہ الٹا پڑ گیا اور تم پکڑے گئے تو تمہاری زبان سے میرا یا دلی والے اپنے مجاہد حاجی صاحب کا نام نہیں نکلنا چاہئے۔

عمران بولا۔

"آپ خاطر جمع رکھیں...... ہم موت کو ہنسی خوشی سینے سے لگا لیں گے لیکن ہماری زبان پر آپ کا یا دلی والے حاجی صاحب کا نام نہیں آئے گا"۔

"شاباش" شاہ جی نے کہا...... "جاتے ہی اکھڑ فوجی افسروں کی طرح رعب دار لہجے میں انگریزی بولنی شروع کر دینا اور ان کے سیکورٹی کے نظام پر بھی سخت تنقید کرنا اور جتنی جلدی ہو سکے جہاز کی نچلی منزل میں جا کر ایمونیشن کا معائنہ شروع کر دینا اور موقع نکال کر ٹائم بم کسی مناسب جگہ پر چپکا دینا...... خدا حافظ!"

شاہ جی نے بڑی تیزی سے جیپ کو واپس موڑا اور فل ریس دے کر جیپ کو اڑاتے ہوئے لے گئے۔

سڑک پر جبران اور عمران اکیلے تھے...... عمران نے کہا۔

"کیپٹن سیٹھی!"

جبران نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"یس کرنل تریاٹھی"۔

عمران نے گونج دار آواز میں کہا۔

"ایڈوانس"۔

اور دونوں فوجی وردیوں میں تیز تیز چل پڑے...... جیسا کہ شاہ جی عرف چندر کانت نے کہا تھا...... ڈیڑھ دو سو قدم چلنے کے بعد دائیں جانب انہیں کامبے بندرگاہ کا گیٹ دکھائی دیا...... جیسے ہی وہ گیٹ کی طرف مڑے...... ایک طرف درختوں کے پیچھے سے دو سویلین لباس والے آدمی نکل کر سامنے آ گئے...... یہ دونوں انٹیلی جنس کے آدمی تھے...... دونوں فوجی افسروں کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر سویلین طریقے سے سیلوٹ کیا...... عمران نے تیز آواز میں کہا۔

"تم سویلین ادھر کیا کرتا پھرتا ہے...... تمہیں معلوم نہیں یہ سیکورٹی زون ہے؟"۔

دونوں میں سے ایک انٹیلی جنس والے نے کہا۔

"سر! ہمارا تعلق انٹیلی جنس سے ہی ہے...... آپ کو دیکھ کر صرف اپنی ڈیوٹی پوری کرنے آئے ہیں...... آپ بے فکر رہیں...... اس طرف کوئی سویلین نہیں آسکتا"۔

"ٹھیک ہے......اپنی ڈیوٹی پوری طرح سے کرو"۔

کم اون کیپٹن سیٹھی۔

اور دونوں فوجی انداز میں چلتے گیٹ کی طرف بڑھے...... گیٹ پر آمنے سامنے مسلح فوجی پہرہ دے رہے تھے...... انہوں نے دو فوجی افسروں کو اپنی طرف آتے د تو ایک دم سے اٹن شن ہوگئے اور صرف زور سے ایڑیاں بجا کر تعظیم بجالائے، کیو فوجی جب ڈیوٹی دے رہا ہو تو اسے سیلوٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی...... وہ ص ایڑیاں بجا کر تعظیم بجالاتا ہے...... عمران نے رعب دار آواز میں فوجیوں سے پوچھا

"جوان! سب ٹھیک ہے؟"۔

دونوں سپاہیوں نے بیک زبان کہا۔

"سب ٹھیک ہے صاب!"۔

عمران یعنی کرنل تریاٹھی نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔

"جہاز کے کپتان کو جاکر رپورٹ کرو کہ انبالہ چھاؤنی سے کرنل تریاٹھی او سیٹھی سات آرٹلری رجمنٹ جہاز کے معائنے کو آیا ہے...... ڈبل سے"۔

سپاہی ٹیک مارچ کرتا جہاز کی طرف بڑھا جو سامنے گودی کے ساتھ لگا ہوا بہت بڑا جہاز تھا...... ایک طرف ریمپ لگا تھا جہاں سے گودی کے قلی کچھ سا رہے تھے اور کچھ سامان جہاز پر چڑھا رہے تھے...... جہاز کے عملے کے دو آد وردیوں میں ملبوس عرشے کے جنگلے پر جھک کر کھڑے نیچے دیکھ رہے تھے...... دو فوجی افسروں کو جہاز کی طرف آتا دیکھ کر وہ جلدی سے سیدھے ہو کر کھڑے ہوگئے...... جہاز کے درمیان میں گولڈن ریلنگ والی سیڑھی لگی تھی...... فوجی جوان جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر جہاز کی تیسری منزل والے عرشے پر چلا گیا...... جبران نے آہستہ سے کہا۔

"اوپر ایک دو فوجی افسر ضرور ہوں گے"۔

"اب جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

عمران یہ کہہ کر جہاز کی سیڑھیوں کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا اور بید کو بڑی شان سے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ پر بجاتے ہوئے اوپر دیکھنے لگا...... دوسرے لمحے ایک بھاری بھرکم آدمی کپتان کی سفید وردی پہنے سر پر کیپٹن کی ٹوپی جمائے فوجی جوان کے ساتھ نمودار ہوا...... اس نے زینے کے پاس دو فوجی افسروں کو دیکھا تو جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالتا نیچے اترا اور عمران اور جبران کو سیلوٹ کر کے بولا۔

"سر!"

عمران نے بارعب آواز میں انگریزی میں کہا۔

"میں کرنل ایم کے تریاٹھی ہوں...... سات آرٹلری رجمنٹ اور یہ کیپٹن دیوندر سیٹھی ہے"۔

کیا جہاز پر سب ٹھیک ہے؟

جہاز کے کپتان نے دونوں سے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"سب ٹھیک ہے سر! اوپر آجائیں پلیز ہمیں کل ہی آپ کے آنے کا ٹیلیکس ملا تھا...... میں جہاز کا کیپٹن گومیز ہوں"۔

جو فوجی سپاہی کپتان کو بلا کر لایا تھا اس نے ایڑیاں جوڑ کر سیلوٹ کیا اور گیٹ پر ڈیوٹی دینے چلا گیا...... اس وقت وہ اپنی ڈیوٹی کی جگہ پر نہیں تھا اس لئے اس نے کرنل

اور کیپٹن کو سلیوٹ کیا تھا...... اس دوران جہاز کا کپتان گومیز کرنل تریاٹھی اور کیپٹن دیوندر سیٹھی یعنی عمران اور جبران کو ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتا جاتا تھا...... جیسا کہ شاہ جی عرف چندر کانت نے بتایا تھا جہاز کا کپتان گوانی تھا اور اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور توند سفید نیکر میں سے باہر نکلی ہوئی تھی...... وہ بے تکان انگریزی بول رہا تھا۔

وہ عمران اور جبران کو اپنے کپتان کے کیبن میں لے جانے لگا تو عمران نے کہا۔

"پہلے ہم ایمونیشن کا معائنہ کریں گے جس کے لئے ہمیں آرمی ہیڈ کوارٹر کے جنرل سندر جی نے بھیجا ہے"۔

کپتان گومیز نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"سر! ایک دو پیگ ہی پی لیجئے...... آپ تھکے ہوئے ہیں"۔

عمران نے تنی ہوئی گردن کے ساتھ تیز لہجے میں کہا۔

"نو کیپٹن! ہم ڈیوٹی پر ڈرنک کو ہاتھ نہیں لگاتے"۔

جہاز کے گوانی کپتان نے فوراً معذرت پیش کر دی۔

"سوری کرنل! سوری"۔

کیپٹن سیٹھی یعنی جبران نے کپتان سے انگریزی میں کہا۔

"ہمیں نچلی منزل میں لے چلو...... جہاں ایمونیشن ہے...... ہمیں ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کی چیکنگ کر کے ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ بھیجنی ہے"۔

"او کے سر" جہاز کے کپتان نے کہا...... "پلیز میرے ساتھ آیئے"۔

جہاز کے کپتان کو ان دونوں پر کیسے شک پڑ سکتا تھا...... شاہ جی کی رپورٹ کے مطابق کپتان گومیز کو کل ہی ایک فوجی ٹیلیکس ملا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ دو اعلیٰ رینک کے افسر جہاز کے معائنے کو آ رہے ہیں...... ان کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی جائے...... شاہ جی کی رپورٹ بالکل صحیح تھی...... عمران اور جبران فل فوجی افسروں کی وردیوں میں تھے...... کپتان گومیز نچلے ڈیک کی سیڑھیاں اترنے لگا...... عمران نے کپتان گومیز کو رازداری میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سوائے شاف کے اور کسی کو معلوم تو نہیں ہوا کہ جہاز پر ایمونیشن آیا ہے؟"۔

کپتان گومیز نے عمران کے قریب ہو کر اس سے زیادہ رازداری کے ساتھ کہا۔

"نو سر نو...... اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... ہم نے ایمونیشن کی کسی کو ہوا تک نہیں لگنے دی"۔

اسی وقت عمران نے اپنے دل میں کہا...... اب دیکھنا تھوڑی دیر بعد اس کو کتنی ہوا لگتی ہے...... جبران نے جہاز کی تنگ راہداری میں سے گزرتے ہوئے کپتان کو مخاطب کر کے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں کا یہاں سیکورٹی کا انتظام بڑا ناقص ہے"۔

کپتان گومیز معذرت خواہ انداز میں بولا۔

"سر! گودی کے چاروں طرف ہماری نیوی کی اور آرمی کی انٹیلی جنس پھیلی ہوئی ہے"۔

کرنل تریاٹھی یعنی عمران نے بلند آواز میں کہا۔

"یہ سب گدھے ہیں انٹیلی جنس والے...... ہمیں راستے میں کسی نے چیک نہیں کیا...... ہم ہائی کمان کو اس کی رپورٹ کرے گا"۔

جہاز کا کپتان کھسیانا ہو کر ٹوپی اتار کر سر کھجانے لگا...... پھر سر پر دوبارہ ٹوپی جمائی اور تیسری منزل کی سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک سٹور روم کی طرف بڑھا جہاں ایک فوجی جوان لائٹ مشین گن ہاتھ میں لئے اٹن شن کھڑا پہرہ دے رہا تھا...... دو فوجی افسروں کو کپتان کے ساتھ آتا دیکھ کر اس نے زور سے اپنی ایڑیاں بجائیں اور زیادہ اٹن شن ہو کر کھڑا ہو گیا...... جہاز کے کپتان نے اپنے کیبن سے چابیوں کا چمکیلا گچھا لے لیا

تھا...... اس میں ایمونیشن سٹور کے تالے کی چابی بھی تھی...... عمران کو اس بات کا پوری شدت سے احساس تھا کہ وہ شیر کے ہلاکت خیز نوکیلے دانتوں والے جبڑے کے اندر چل پھر رہا ہے...... یہاں کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا اور ان کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا اور وہ پکڑے جا سکتے تھے...... انبالہ چھاؤنی میرٹھ یا دلی کی ہائی کمان سے اس قسم کا ٹیلکس بھی آ سکتا تھا کہ ایمونیشن کی چیکنگ کرنے والے فوجی افسر آج نہیں پہنچیں گے...... وہ کل جہاز پر پہنچ جائیں گے...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اصلی فوجی افسر اچانک پہنچ جائیں...... اس لئے شاہ جی نے دونوں کو سخت تاکید کی تھی کہ ہر کام تیزی سے کرنا ایک سیکنڈ بھی ضائع نہ کرنا اور ایک گھنٹے کے اندر اندر جب لوہا گرم ہو تو اس پر چوٹ لگا دینا اور ایمونیشن سٹور میں بم پلانٹ کر کے فوراً وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا عمران ایسا ہی کر رہا تھا...... جیسے ہی ایمونیشن سٹور یا گودام کا دروازہ کھلا کرنل تریاٹھو یعنی عمران نے کپتان گومیز سے کہا۔

''اپنا ایمونیشن ہماری رپورٹ کے مطابق جہاز کی دو منزلوں میں رکھا گیا ہے''۔

جہاز کا کپتان فوراً بولا۔

''سر! اس کے اوپر بھی ایک منزل میں ایمونیشن سٹور کیا ہوا ہے...... اس کے بعد آپ اوپر گودام کی چیکنگ کیجئے گا''۔

''او کے...... تم یہاں باہر ہی ٹھہرو...... ہم کسی سویلین کو ایمونیشن سٹور میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتے''۔

عمران نے جہاز کے کپتان کو باہر رکنے کا آرڈر دیا...... کپتان نے بڑی برخورداری سے کہا۔

''او کے سر! نو پرابلم سر!''۔

اس کے بعد عمران نے اس فوجی جوان کو جو پہرہ دے رہا تھا فوجی انداز میں کہا۔

''تم جوان ادھر اٹن شن ہو کر کھڑا رہے گا...... کسی کو اندر نہیں آنے دے گا''۔

''یس سر!'' فوجی جوان نے ایڑیاں بجا کر کہا۔

عمران نے جبران کو ساتھ لیا اور گودام میں داخل ہو گیا...... باہر پہرہ دیتے فوجی جوان نے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا...... گودام میں بجلی کے دو بلب جل رہے تھے...... ان کی روشنی میں عمران اور جبران نے دیکھا کہ سارا گودام مختلف قسم کے فوجی اسلحہ اور میزائلوں اور بموں اور ہینڈ گرنیڈوں اور گولہ بارود کے ڈرموں سے بھرا ہوا تھا...... انہوں نے چل پھر کر یونہی ان چیزوں کی چیکنگ شروع کر دی۔

اس دوران میں عمران نے اپنی فوجی بش شرٹ کی جیب میں سے انتہائی طاقتور سٹین لیس سٹیل کی نلکی والا ٹائم بم نکال کر ہاتھ میں چھپا لیا تھا...... ایک جگہ دستی بموں اور میزائلوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے...... جبران نے ان کی طرف اشارہ کیا...... عمران نے ہینڈ گرنیڈوں کے ڈھیر کے اندر بڑے آرام سے بم رکھ دیا...... اس نے اس کا بٹن نہیں دبایا تھا...... وہ اتنی جلدی باہر نہیں نکلنا چاہتے تھے...... کچھ نہیں تو چیکنگ کے بہانے انہیں وہاں دس منٹ ضرور لگانے چاہئیں تھے...... عمران چاہتا تھا کہ یہ دس منٹ گزرنے کے بعد وہ ٹائم بم کا بٹن دبائے...... تاکہ انہیں جہاز سے نکلنے اور جہاز سے زیادہ سے زیادہ دور ہونے کے لئے مزید دس منٹ مل جائیں...... جبران نے آہستہ سے کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اب نکل جانا چاہئے...... ہمارا یہاں زیادہ دیر ٹھہرے رہنا ہمیں کسی مصیبت میں پھنسا سکتا ہے''۔

عمران نے دھیمی آواز میں کہا۔

''صرف پانچ منٹ اور ٹھہریں گے''۔

یہ پانچ منٹ انہوں نے گودام میں اسلحہ اور گولہ بارود کے ذخیروں کے درمیان گھوم پھر کر گزار دیئے...... عمران نے جبران سے کہا۔

”اوپر والے گودام میں کچھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے...... نیچے والا گودام اوپر والے گودام کو بھی اڑا دے گا......اب نکل چلو“۔

وہ فوجی انداز میں تیز تیز چلتے سٹور سے باہر آ گئے...... باہر آتے ہی عمران نے کپتان گومیز سے کہا۔

”او کے کیپٹن......ہر شے ٹھیک حالت میں ہے“۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ باہر نکلتے وقت عمران نے دستی بموں کے ڈھیر میں چھپائے ہوئے ٹائم بم کا ننھا سا نقطہ دبا دیا تھا......اور ٹائم بم کے اندر لگا ہوا چھوٹا سا کلاک چل پڑا تھا...... ٹھیک پچیس منٹ کے بعد بم نے پھٹ کر جہاز کو دھماکے سے اڑا دینا تھا......کپتان گومیز نے کہا۔

”سر!اب اوپر والے سٹور کی بھی چیکنگ کر لیں“۔

عمران نے کپتان کی طرف مسکرا کر دیکھا اور انگریزی میں کہا۔

”ویل کیپٹن گومیز! ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے...... تم بہت ڈیوٹی فل آفیسر ہے......اب اوپر والے سٹور کو چیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... ہم ابھی جا کر ہائی کمانڈ کو رپورٹ بھجوا دے گا......اب ہم جائے گا“۔

اس خیال سے کہ جہاز پر کسی کو شک نہ پڑے وہ زیادہ تیز بھی واپس نہیں جا سکتے تھے......بس جس رفتار سے آئے تھے اسی رفتار سے چلتے ہوئے وہ درمیانے عرشے کے زینے کے پاس آ گئے...... عمران اور جبران نے ٹائم بم کا بٹن دبانے کے ساتھ ہی اپنی اپنی گھڑیوں کو چیک کر لیا تھا اور اب ایک ایک منٹ کا حساب کر رہے تھے......ان کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا...... پھر بھی وہ زیادہ تیزی دکھا کر جہاز کے کپتان کو خواہ مخواہ شک میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے...... جہاز کا کپتان انہیں گودی کے گیٹ تک چھوڑنے آیا...... گیٹ کے باہر اس نے کوئی فوجی جیپ وغیرہ نہ دیکھی تو عمران سے کہا۔

”سر! آپ کی گاڑی اگر ابھی تک نہیں آئی تو میں اپنی گاڑی منگوا دیتا ہوں“۔

عمران نے کہا۔

”سیکورٹی ریزنز کی وجہ سے ہم اس طرف آرمی کی گاڑی دن کے وقت نہیں لانا چاہتے تھے......ہاں آپ اپنی گاڑی بھجوا دیں“۔

کپتان کی چھوٹی ماروتی گاڑی گودی پر ہی ایک طرف کھڑی تھی......اس نے پیچھے مڑ کر کچھ فاصلے پر کھڑے سفید وردی والے پیٹی آفیسر کو اشارہ کیا...... اس نے فوراً گاڑی بھجوا دی...... عمران نے اور جبران نے جہاز کے کپتان سے ہاتھ ملایا اور گاڑی میں بیٹھ گئے...... گاڑی فوراً چل پڑی...... عمران نے ڈرائیور سے کہا۔

”جوان گاڑی تیز چلاؤ ہمیں جلدی ہیڈ کوارٹر پہنچنا ہے“۔

مرچنٹ نیوی کے وردی پوش ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی...... عمران نے ڈرائیور کی طرف دیکھ کر سوچا قدرت اس ڈرائیور پر مہربان ہو گئی ہے جو اسے جہنم میں سے نکال کر لے آئی تھی......وہاں تھوڑی دیر بعد جہنم کے شعلے بلند ہونے والے تھے......اب یہ نیوی کے اس ڈرائیور کی قسمت تھی کہ یہ ابھی دس بارہ منٹ تک گودی پر واپس نہ جائے...... عمران ڈرائیور کو زیادہ دیر تک اپنے ساتھ بھی نہیں رکھ سکتا تھا، کیونکہ کچھ دیر بعد گودی میں قیامت خیز دھماکے ہونے والے تھے......وہ گودی سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے جا رہے تھے...... آخر ایک جگہ پہنچ کر عمران نے ڈرائیور سے کہا۔

”جوان گاڑی روکو......ہم ادھر اترے گا“۔

ڈرائیور نے سڑک کے ایک طرف اتار کر گاڑی روک دی...... عمران اور جبران اتر گئے...... انہوں نے اپنی اپنی گھڑی پر وقت دیکھا...... بم کے پھٹنے اور اس کے بعد سارے جہاز کے پھٹنے میں صرف سات منٹ رہ گئے تھے......نیوی کے ڈرائیور نے کہا۔

”سر! میں جاؤں یا ادھر آپ کا انتظار کروں“۔

عمران کے دل میں ایک خیال آیا......اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

جوان! تمہارا نام کیا ہے؟
اس نے بڑے ادب سے کہا۔
"سر! میرا نام غلام قادر ہے...... میں اڑی ضلع جموں کا رہنے والا ہوں"۔
عمران نے اس کو ایک بوگس یعنی فرضی ٹیلی فون نمبر کاغذ پر لکھ کر دیا اور حکم دینے کے انداز میں کہا۔
"غلام قادر! ادھر سے تم واپس گودی پر نہیں جاؤ گے...... تم ادھر سے سیدھا شہر کے بڑے ڈاک خانے میں جاؤ گے...... وہاں سے اس نمبر پر فون کرے گا...... ادھر سے کیپٹن تیواڑی بولے گا تم اسے بتائے گا کہ کرنل صاحب نے جہاز کا معائنہ کر لیا ہے اور ہیڈ کوارٹر واپس آ رہا ہے...... اگر نمبر انگیج ملا تو اس وقت تک تم فون کرتا رہے گا جب تک دوسری طرف سے کیپٹن تیواڑی نہیں بولے گا...... یہ آرڈر ہے...... اوکے؟"۔
"اوکے سر!"۔
ڈرائیور نے فرضی ٹیلی فون نمبر والا کاغذ جیب میں رکھ لیا اور سلیوٹ کر کے گاڑی کو جہاز کی گودی کی طرف لے جانے کی بجائے شہر کو جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔
جبران نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"عمران! میں سمجھ گیا ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے"۔
عمران بولا۔
"میں نہیں چاہتا تھا کہ جہاز کے ساتھ اس مسلمان ڈرائیور کے بھی پرخچے اڑیں...... وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے...... ہمیں اب دوسری طرف سے ہو کر سمندر کے دلدلی علاقے کی طرف جانا ہوگا...... یہاں زیادہ دیر رہنا درست نہیں"۔
دونوں بندرگاہ کی مخالف سمت کو چل پڑے۔
چلتے چلتے وہ تھوڑی دیر بعد گھڑیوں پر نگاہ ڈال لیتے تھے...... جب پچیس منٹ گزرنے میں صرف دو منٹ باقی رہ گئے تو عمران بولا۔
"اس چٹان کے پیچھے آ جاؤ...... اگر ٹائم بم نے دھوکا نہ دیا تو دو منٹ بعد وہ پھٹ جائے گا"۔
سمندر کا شمال مشرقی دلدلی علاقہ شروع ہو چکا تھا...... یہاں کہیں کہیں چٹانیں زمین سے باہر نکلی ہوئی تھیں...... وہ ایک چٹان کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئے...... دونوں کے دلوں کی دھڑکن معمول سے زیادہ تیز ہو گئی تھی...... بم پھٹنے میں صرف پندرہ سیکنڈ رہ گئے تھے...... عمران سیکنڈ گننے لگا...... پندرہ سیکنڈ پورے ہو گئے مگر کوئی دھماکہ نہ ہوا...... پھر اچانک زمین ہلنے لگی...... جبران بولا۔
"زلزلہ آ رہا ہے"۔
یہ جملہ ابھی جبران کے منہ میں ہی تھا کہ ایک ایسا دھماکہ ہوا کہ جیسے دس بارہ آتش فشاں پہاڑ ایک ساتھ پھٹ پڑے ہوں...... اس کے بعد دوسرا دھماکہ ہوا...... یہ پہلے دھماکے سے زیادہ دہشت ناک اور قیامت خیز تھا...... زمین کو جھٹکے لگ رہے تھے...... دونوں زمین پر اوندھے لیٹ گئے تھے...... ان کے اوپر سے پھٹتے بموں اور میزائلوں اور جہاز کے ٹکڑے چیختے شور مچاتے گزر رہے تھے...... بندرگاہ کی طرف آسمان آگ اور دھوئیں میں سرخ اور سیاہ ہو رہا تھا...... عمران نے کہا۔
"یہ دوسرا دھماکہ جہاز کی اوپر والی منزل کے ایمونیشن کا تھا"۔
جبران نے منہ میں رومال ٹھونس لیا تھا...... زمین تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایسے لرز رہی تھی جیسے قریب ہی بمبار طیارے مسلسل بم گرا رہے ہوں...... چھوٹے بڑے دھماکے ہو رہے تھے...... عمران نے کہا۔
"اٹھو اور یہاں سے نکل چلو"۔
دونوں اٹھے اور انہوں نے بندرگاہ سے ہٹ کر شمال کی طرف چلنا شروع کر دیا...... جبران بولا۔
"ہمیں شاہ جی کے گودام کی طرف جانا چاہیئے تھا...... وہ جگہ بندرگاہ سے کافی

فاصلے پر ہے اور محفوظ بھی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہم ادھر ہی جا رہے ہیں لیکن ہم ایک لمبا چکر کاٹ کر جائیں گے...... یہ سارا راستہ میری نظروں میں ہے"۔

دھماکوں کی شدت کم ہو گئی تھی...... بندرگاہ کی سمت آسمان آگ کے شعلوں میں سرخ ہو رہا تھا...... جبران کہنے لگا۔

"شاہ جی نے بڑا کارگر بم ہمیں دیا تھا...... ہم نے بڑی جلدی ٹارگٹ مار لیا ہے...... مجھے اس کی امید نہیں تھی"۔

عمران بولا۔

"اگر جہاز کے کپتان کو انبالہ چھاؤنی سے ٹیلیکس نہ ملا ہوتا تو معاملہ دوسرا ہوتا...... پھر اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی ہم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے"۔

جبران نے کہا۔

"شاہ جی نے کہا تھا کہ ہم اپنی وردیاں دلدل میں دبا دیں گے مگر ہمارے پاس دوسرے کپڑے نہیں ہیں...... وردیاں دلدل میں دبا دیں تو کیا ہم شاہ جی کے گودام تک ننگے جائیں گے"۔

عمران بولا۔

"اس وقت ایسا نہ تو مجھے خیال آیا اور نہ شاہ جی نے کہا کہ دوسرے کپڑے ساتھ لے جانا اور انہیں کسی جگہ چھپا دینا"۔

"پھر اب کیا کریں؟" جبران نے پوچھا۔

عمران بولا۔

"اب گودام میں جا کر ہی دوسرے کپڑے پہن سکتے ہیں"۔

"چوکیدار ہمیں فوجی وردی میں دیکھ کر کیا سوچے گا؟"۔

جبران کے اس خدشے کے اظہار پر عمران نے کہا۔

"بوڑھا چوکیدار شاہ جی کے بھروسے کا آدمی ہے...... مسلمان ہے اور ایک مدت سے شاہ جی کی خدمت کر رہا ہے...... ہو سکتا ہے اسے تمام حالات کا علم ہو...... علم نہ بھی ہو جب بھی وہ کسی کے آگے زبان نہیں کھولے گا"۔

ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ شاہ جی عرف چندر کانت کے گودام میں پہنچے تو چوکیدار وہاں پر موجود نہیں تھا...... چابی وہ ایک جگہ چھپا کر رکھ دیتے تھے...... عمران نے خفیہ جگہ سے چابی نکال کر کوٹھڑی نما کمرے کا تالا کھولا اور کمرے میں آتے ہی عمران نے کہا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے...... تو نے ہمیں سرخرو کیا"۔

جلدی جلدی انہوں نے انڈین آرمی کی وردیاں اتار کر اپنے کپڑے پہنے اور وردیوں کو ایک پلاسٹک کے لفافے میں ٹھونس کر لفافہ ایک طرف رکھ دیا...... جبران نے کہا۔

"اسے ابھی لے جا کر دلدلی علاقے میں دبا آتے ہیں"۔

عمران بولا۔

"اس وقت باہر جانا مناسب نہیں...... یہ کام رات کے اندھیرے میں کریں گے"۔

کچھ دیر بعد بوڑھا چوکیدار آ گیا...... اس نے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھا تو آ کر کہنے لگا۔

"صاب! میں آج بھنڈیاں پکا رہا ہوں...... آپ کو بھنڈیاں پسند ہیں؟ اگر نہیں تو کچھ اور پکا لیتا ہوں"۔

عمران نے کہا۔

"بابا! تم جو پکاؤ گے ہم کھا لیں گے"۔

بوڑھا چوکیدار چلا گیا...... اس نے بالکل نہ پوچھا کہ آپ صبح کہاں چلے گئے

تھے...... سارا دن عمران اور جبران نے کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے گزار دیا...... دوپہر
گزر گئی...... شام آگئی...... پھر رات پڑ گئی...... اب انہیں شاہ جی کا انتظار تھا...... وہ جانتے
تھے کہ شاہ جی کو بھی جہاز کی تباہی کا علم ہو گیا ہو گا...... عمران نے کہا۔

"یہ تو اب شاہ جی کی زبانی معلوم ہو گا کہ جہاز کتنا تباہ ہوا ہے"۔

رات کو تھوڑا بہت کھانا کھا کر وہ لیٹ گئے...... دونوں میں سے کسی کو بھی نیند
نہیں آ رہی تھی...... وہ شاہ جی سے اپنے مشن کی کامیابی کا نتیجہ معلوم کرنا چاہتے
تھے...... جب رات کے پونے بارہ بجے تو انہیں باہر جیپ کے آنے اور باہر ایک طرف
رکنے کی آواز آئی...... دونوں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

جبران بولا۔

"شاہ جی آگئے ہیں؟"۔

تھوڑی دیر میں شاہ جی بھی آگئے...... بہت خوش تھے...... آتے ہی انہوں نے
عمران اور جبران کو گلے لگا لیا اور بولے۔

"تمہیں بہت بہت مبارک ہو کہ اللہ نے تمہیں کامیاب کیا"۔

عمران نے کہا۔

"شاہ جی! یہ کامیابی آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھی"۔

شاہ جی عمران کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئے...... کہنے لگے۔

"بندرگاہ پر اس قدر تباہی ہوئی ہے کہ گودی پوری کی پوری اڑ گئی ہے......
اپنے آدمیوں نے بتایا ہے کہ جہاز کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا...... اس کے ٹکڑے
اڑ کر بہاؤ نگر کے بازاروں میں گرے ہیں اور کئی لوگ زخمی ہوئے ہیں"۔

مجھے یقین تھا کہ تم اس مشن میں کامیاب ہو گے اور اپنی ڈیوٹی پوری ذمے داری
سے نبھاؤ گے...... اب تمہیں ایک اور ذمے داری سونپی گئی ہے۔

جبران اور عمران شاہ جی کو تکنے لگے...... عمران نے پوچھا۔

"یہ ذمے داری کس کی طرف سے سونپی جا رہی ہے؟"۔

شاہ جی بولے۔

"یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندوؤں نے پاکستان کے وجود کو دل سے کبھی
تسلیم نہیں کیا اور انڈیا کی ہر حکومت کی یہ اولین پالیسی رہی ہے کہ پاکستان کے وجود کو کسی
نہ کسی طرح ختم کیا جائے...... اس ناپاک ارادے کو عملی شکل دینے کے واسطے بھارت کی
ہر حکومت دوسرے ملکوں خاص طور پر روس سے اسلحہ کے ڈھیر جمع کرتی رہی ہے......
بھارت اپنی خفیہ تنظیم "را" (Raw) کی مدد سے نہ صرف پاکستان میں دہشت گردی
کروا رہا ہے اور مختلف صوبوں میں جھوٹا پراپیگنڈہ کر کے انہیں پاکستان کے خلاف اٹھ
کھڑے ہونے کی ناپاک کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے بلکہ بھارت نے روس کے
ساتھ فوجی معاہدہ بھی کر رکھا ہے جس کی رو سے بھارت کو روس زبردست جنگی امداد
دے رہا ہے...... یہ سارا جنگی ساز و سامان اور گولہ بارود انڈیا صرف پاکستان کے خلاف
جنگ کی صورت میں استعمال کرنے کے لئے ذخیرہ کر رہا ہے...... اب بھارت کو ایٹمی
قوت بھی حاصل ہو گئی ہے اور وہ روس کے سائنس دانوں کی مدد سے میزائلوں اور
ٹینک شکن راکٹوں اور توپوں کے گولوں کے آگے چھوٹے چھوٹے ایٹمی وار ہیڈ بھی لگا
رہا ہے۔ جنگ کی صورت میں وہ یہی کہے گا کہ ہم ایک دوسرے کے خلاف ایٹم بم استعمال
نہیں کریں گے اور وہ اس ڈر سے واقعی ایٹم بم استعمال نہیں کرے گا کہ اگر اس نے ایٹم بم
پاکستان کے کسی شہر پر گرایا تو پاکستان بھی اس کے بمبئی، مدراس اور دلی ایسے بڑے شہروں
پر ایٹم بم گرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ یہی پیکٹ کرے گا کہ ہم روایتی اسلحے سے جنگ
لڑیں گے لیکن اس کے میزائلوں، ٹینک شکن راکٹوں اور توپوں کے گولوں کے آگے
نیوکلیر وار ہیڈ لگے ہوئے ہوں گے۔ یہ جب پھٹیں گے تو ان کا دائرہ اثر ایٹم بم کی طرح
وسیع نہیں ہو گا نہ اس میں سے اتنی زیادہ تابکاری خارج ہو گی، لیکن اس سے اتنی
زبردست حرارت پیدا ہو گی کہ ٹینک پگھل جائیں گے اور مورچے زمین میں دھنس

جائیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"اگر بھارت نے جنگ کی صورت میں ایسا کیا تو پاکستان خاموش تماشائی نہیں
رہے گا۔ وہ بھی نیوکلر وار ہیڈ استعمال کر کے اینٹ کا جواب پتھر سے دے گا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"لیکن بھارت پہل کر چکا ہوگا اور جنگ میں جو پہل کرتا ہے وہ بہت سے جنگی مفا
حاصل کر لیتا ہے۔ خیر یہ تو ضمنی باتیں تھیں۔ اب میں اصل موضوع پر آتا ہوں...
بات یہ ہے کہ آج شام کو مجھے پاکستان کے خفیہ ذرائع سے ایک پیغام موصول ہوا ہے
تمہارے نام ہے"۔

عمران اور جبران ایک دم خاموش ہو گئے...... شاہ جی بولے۔

"تمہاری ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ بھارت کی جنگی قوت اور اس کے پاکستان
خلاف جمع کیے گئے آرمی، نیوی اور ایئر فورس کے اسلحہ کی پوری رپورٹ مہیا کرو
اس مہم میں میں جس قدر تمہاری مدد کر سکتا ہوں کروں گا۔

جبران بولا۔

"لیکن یہ تو انتہائی ٹاپ سیکرٹ دستاویزات ہوں گی"۔

"ضرور ہوں گی" شاہ جی بولے۔ "یہ ٹاپ سیکرٹ دستاویزات کی نقل یا اس
درج بھارت کی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی پوری قوت کے مندرجات معلوم کر
ہوں گے...... یہ کام تم دلی جا کر حاجی صاحب کے تعاون سے ہی سرانجام دے سکو گے

عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں تیار ہوں...... آپ دلی میں حاجی صاحب کو
کر دیں...... نہیں تو میں خود وہاں پہنچ کر انہیں اس مشن کے بارے میں بتا دوں گا"

شاہ جی نے کہا۔

"تم کیا سمجھتے ہو ہم یونہی غافل ہو کر یہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ برخوردار! ہم دشمن
ے مورچوں کے عین سامنے بیٹھے ہیں...... ہمیں دشمن کی ایک ایک نقل و حرکت کی
لحہ خبر رکھنی پڑتی ہے...... پاکستان سے جس ذرائع سے ہمیں یہ خفیہ پیغام ملا ہے، انہی
رائع نے دلی میں حاجی صاحب کو بھی اطلاع دے دی ہے...... انہیں یہ بھی بتا دیا گیا
ہے کہ اس سلسلے میں کمانڈو عمران آپ سے رابطہ کرے گا...... چنانچہ تمہیں پہلی
رصت میں دلی پہنچ کر حاجی صاحب کو رپورٹ کرنی ہوگی"۔

یہاں اس بات کی وضاحت میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دلی میں ہم اپنے جس
دمی کو حاجی صاحب کے نام سے پکارتے ہیں ان کا یہ نام بالکل فرضی ہے اور دلی میں
ن کے ہوٹل کا نام بھی نگینہ ہوٹل نہیں ہے...... ہمارے اصل آدمی کا نام بھی کچھ اور
ہے اور وہ دلی میں کسی دوسری جگہ پر رہ رہا ہے جس کو ہم ظاہر نہیں کر سکتے...... صرف
ب الوطنی کی یہ داستان حریت بیان کرنے اور پاکستان کی نئی نسل کو ہندو کے پاکستان
ثمن ناپاک عزائم سے روشناس کروانے اور موت کے منہ میں بیٹھ کر اپنے جانباز
انڈو وطن کے استحکام اور وقار کی خاطر جو قربانیاں دے رہے ہیں ان کو اجاگر کرنے
ے لئے اپنے تمام آدمیوں کے نام اور مقام فرضی لکھے جا رہے ہیں...... نام مقام ضرور
ضی ہیں، لیکن جرات و بہادری کی یہ داستان سچی ہے۔

جبران بولا۔

"میں بھی عمران کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں"۔

شاہ جی نے کہا۔

"اوپر سے صرف کمانڈو عمران کا نام دیا گیا ہے...... جب تمہاری باری آئے گی
وقت تمہیں بھی جہاد میں شریک ہونے کا موقع مل جائے گا...... اس دوران تم
ے پاس ہی رہو گے"۔

شاہ جی کی نظر کونے میں رکھے پلاسٹک کے بڑے لفافے پر پڑ گئی جس میں عمران

نے بھارتی فوجی وردیاں ٹھونس رکھی تھیں...... شاہ جی نے پوچھا۔

"اس تھیلے میں کیا ہے؟"۔

جب جبران نے بتایا کہ یہ کرنل اور بھارتی کپتان کی فوجی وردیاں ہیں تو شاہ جی دونوں کو ڈانٹتے ہوئے بولے۔

"یہ کیا حماقت کی تم لوگوں نے؟ اتنا بڑا ثبوت تم نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے...... اس کو دلدل میں دبایا کیوں نہیں؟"۔

عمران بولا۔

"میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا...... بس غلطی ہو گئی ہے...... میں آپ کے جانے کے بعد اسے دلدل میں دبا آؤں گا"۔

شاہ جی نے کہا۔

"یاد رکھو...... میں نے تو تمہیں معاف کر دیا ہے لیکن آئندہ تم لوگوں سے ا غلطی ہوئی تو پھر غلطی ہمیں معاف نہیں کرے گی...... لاؤ یہ تھیلا مجھے دے دو...... خود اسے ضائع کر دوں گا...... اس وقت تمہارا باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے"۔

شاہ جی نے بھارتی فوجی وردیوں والا پلاسٹک کا بڑا لفافہ اپنے پاس رکھ لیا اور بولے

"میں جاتا ہوں...... کل رات کو کسی وقت آؤں گا اور تمہارے نئے مشن بارے ضروری کچھ ہدایات دوں گا"۔

شاہ جی تھیلا اٹھا کر کمرے سے نکل گئے...... عمران اور جبران اندر بیٹھے رہے باہر جیپ سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی...... پھر یہ آواز دور ہوتے ہوتے رات خاموشی میں گم ہو گئی۔

دوسری رات وہ آئے تو ان کے پاس عمران کے لئے دلی تک کا ریلوے تھا...... انہوں نے ٹکٹ کے ساتھ عمران کو کچھ روپے بھی دیئے جو سفر خرچ کیلئے تھے...... عمران کے لئے نئی پتلون قمیض اور گرم جیکٹ بھی تھی، کہنے لگے۔

"دلی میں سردی ہو گی...... یہ تمہارے والی جیکٹ وہاں نہیں چلے گی...... تم یہیں ، سیدھا بہاؤ نگر ریلوے سٹیشن کی طرف نکل جانا...... تمہیں صبح منہ اندھیرے کی ی پکڑنی ہو گی۔ چھ بجے صبح تک تمہیں ریلوے سٹیشن پہنچ جانا ہو گا...... اپنے پاس ہ اور کمانڈو چاقو رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دلی میں اگر ضرورت پڑی تو حاجی حب تمہیں سب کچھ مہیا کر دیں گے...... جبران میرے پاس ہی رہے گا"۔

جبران کہنے لگا۔

"میں بھی اس کمانڈو مشن میں شامل ہونا چاہتا تھا مگر اوپر سے میرے لئے آرڈر ں آئے...... شاید اس لئے کہ میں عمران سے جونیئر ہوں اور ابھی مجھے بہت کچھ ھنا ہے"۔

عمران بولا۔

"ہو سکتا ہے ایسی ہی بات ہو لیکن ہمیں اوپر کا حکم تسلیم کرنا ہو گا...... خدا نے چاہا تمہارے لئے اور بہت سے موقعے آ جائیں گے"۔

شاہ جی نے عمران کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"اسلحہ کا جہاز تباہ ہونے کے بعد سارے علاقے میں سیکورٹی سخت کر دی گئی ہ...... تمہیں ہوشیار رہ کر اور آنکھیں کھلی رکھ کر یہ سفر طے کرنا ہو گا...... باقی تم خود تے ہو کہ ان حالات میں تمہیں کیا کیا احتیاط کرنی ہو گی۔ تمہارے دلی پہنچنے کی مجھے پنے خفیہ ذرائع سے اطلاع مل جائے گی۔ باقی اگر کوئی ضروری بات ہوئی تو حاجی احب خود تمہیں بتا دیں گے"۔

شاہ جی رات کے اندھیرے میں خاموشی سے واپس چلے گئے۔ عمران اور جبران دیر آپس میں باتیں کرتے رہے...... پھر وہ سو گیا...... اس نے اپنے دل میں کہا کہ ے ٹھیک پانچ بجے جگا دینا اور جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے ٹائم دیکھا تو ٹھیک پانچ بج ے تھے...... یہ بات عمران نے ہمیشہ نوٹ کی تھی کہ جب بھی رات کو اس نے اپنے

دل میں کہا کہ بھائی مجھے اتنے بجے جگا دینا تو ٹھیک اتنے ہی بجے اس کی آنکھ کھل جا تی تھی...... شاید یہ اس کی چھٹی حس کا کرشمہ تھا...... اس نے جبران کو بھی جگا دیا...... جلدی جلدی شیو بنائی، منہ ہاتھ دھویا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

پو پھٹ رہی تھی...... آسمان پر دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ ایک جگہ پر اسے خالی رکشا مل گیا اور وہ ریلوے سٹیشن پہنچ گیا۔ ٹکٹ اس کے پاس تھا...... وہ سیدھا اس پلیٹ فارم پر آ گیا جہاں سے احمد آباد والی گاڑی روانہ ہونے والی تھی۔ گاڑی آدھ گھنٹے بعد آ لگی...... پہلے ہی سے وہ مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ عمران بھی ایک ڈبے میں گھس کر بیٹھ گیا...... ٹرین چل پڑی...... احمد آباد پہنچ کر وہ دلی جانے والی گاڑی میں بیٹھ گیا...... سارا دن گاڑی چلتی رہی، شام ہو گئی...... پھر رات ہو گئی...... کافی رات گئے ٹرین دلی پہنچی...... سٹیشن سے جامع مسجد کے چوک میں حاجی صاحب کے ہوٹل میں جانے کی بجائے وہ سیدھا رکشا پکڑ کر حاجی صاحب کے پلاٹ والے کمرے میں آ گیا۔ چوکیدار کو جگا کر دروازہ کھلوایا، چابی لے کر اپنے پاس رکھ لی اور سو گیا۔

دوسرے روز اس نے چوکیدار ہی کے ذریعے حاجی صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع پہنچا دی...... حاجی صاحب دوپہر کے وقت پہنچ گئے، کہنے لگے۔

"خلیج کا مبے والے بھارتی اسلحہ والے جہاز کی تباہی کی خبر ہمیں مل گئی تھی۔ اخباروں نے اسے مختصر کر کے چھاپا تھا، کیونکہ اس میں انڈین انٹیلی جنس کی بے عزتی کا پہلو نکلتا تھا، لیکن اصل بات کبھی نہیں چھپتی...... یہاں ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ پاکستان نے ہمارے اسلحہ گولہ بارود سے بھرے ہوئے جہاز کو تباہ کر دیا ہے اور جہاز کی آگ دو دن تک نہیں بجھائی جا سکی...... لیکن اب تم کو جو مشن سونپا گیا ہے وہ اس سے زیادہ اہم، پیچیدہ اور مشکل ہے"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے اس مشن کی اہمیت کا احساس ہے"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"بھارت کا روس کے ساتھ خفیہ گٹھ جوڑ ہو چکا ہے...... روس شروع ہی سے پاکستان کا دشمن رہا ہے...... صرف اس لئے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور روس بے دین ملک ہے...... بھارت کے ساتھ روس کے تعلقات اس رابطے سے اچھے رہے ہیں کہ بھارت بھی بے دین بت پرستوں کا ملک ہے اور اسلام کا دشمن ہے۔ روس نے 1948ء سے لے کر آج تک بھارت کی فوجی مدد کی ہے اور اسے بے پناہ اسلحہ دیتا رہا ہے اور دے رہا ہے، بلکہ بھارت نے ایٹمی صلاحیت بھی روس کی ہی مدد سے حاصل کی ہے اور اسی کے تعاون سے ایٹم بم تیار کیا ہے اور ایٹمی وار ہیڈ والے اگنی میزائل تیار کئے ہیں اور کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت نے امریکہ سے بھی اسے چین کا ہوا دکھا کر بے پناہ اسلحہ بٹورا ہے اور اپنے گولہ بارود کے ذخیرے اسلحہ اور ہر قسم کے مہلک ہتھیاروں سے بھر لئے ہیں...... 1965ء کی جنگ میں ایک طرح سے بھارت کو پاکستان سے ذلت آمیز شکست ہوئی تھی...... یہ بھارت کی جنگی ہائی کمان کو اچھی طرح سے معلوم ہو چکا تھا اور غیر ملکی اخباروں نے بھی یہی لکھا تھا کہ بھارت اتنی بڑی فوجی طاقت ہونے اور تین ڈویژن فوج سے لاہور پر حملہ کرنے کے باوجود لاہور کی ایک سڑک پر بھی قبضہ نہیں کر سکا بلکہ الٹا اسے کھیم کرن پاکستان کو دینا پڑا تھا۔ ایٹمی طاقت بننے کے بعد بھارت کی جنگی حکمت عملی بالکل تبدیل ہو گئی ہے۔ اس نے روس کی مدد سے ایسے میزائل بنا لئے ہیں کہ جن کے آگے نیوکلر وار ہیڈ لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں خفیہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بھارت چھ ایٹم بم تیار کر چکا ہے اور روس کی مدد سے اب اس کے سائنس دان ہائیڈروجن بم پر کام کر رہے ہیں...... یہ ساری تیاری صرف پاکستان کے خلاف جاری ہے...... بھارت چاہتا ہے کہ اس دفعہ اپنی پوری طاقت اور جنگی سازوسامان کی برتری اور لاکھوں کی نفری کے ساتھ پاکستان پر بھرپور حملہ کر کے ایک ہی حملے میں اس پر قبضہ کر لیا جائے...... پاکستان کی ملٹری انٹیلی جنس کے پاس

بھارت کی جنگی تیاریوں کی ایک ایک منٹ کی رپورٹ موجود ہے، لیکن ہمارے ذریعے پاکستان کو بھارت کی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی پوری جنگی طاقت اور ایٹمی اسلحہ کی مکمل رپورٹ چاہئے...... جو ہمیں حاصل کر کے اسے پہنچانی ہو گی۔ یہ کام صرف ہم ہی کر سکتے ہیں کیونکہ ہم دشمن یعنی بھارت کے پیٹ کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے شاہ جی نے بھی یہی بتایا تھا، لیکن اس دستاویز کے حصول کی کیا صورت ہو سکتی ہے"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"ہمارے آدمی جمیل مہدی نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دستاویزات اور جنگی طاقت اسلحہ کی تعداد اور ایٹمی ہتھیاروں کی اصل تعداد والی فہرست صرف نئی دلی کے وار آفس یعنی محکمہ جنگ کے پاس ہی ہیں...... اس محکمے کے چیف ایگزیکٹو اور وزیر دفاع اور پرائم منسٹر یعنی پردھان منتری کے سوا اور کسی کو اس کی صحیح معلومات نہیں ہیں اور یہ بھی کسی کو معلوم نہیں کہ یہ دستاویزات حکومت نے کس جگہ پر رکھی ہوئی ہیں...... یہ ایک ایسا سیکرٹ ہے، ایک ایسا راز ہے جو کسی حد تک محکمہ دفاع کی جانب سے بھارت کے وزیر اعظم سے بھی پوشیدہ رکھا گیا ہے، کیونکہ وزیر اعظم بدلتے رہتے ہیں"۔

عمران کہنے لگا۔

"تو پھر ہم ان جنگی دستاویزات تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور ہماری حکومت بھارت کی خفیہ جنگی تیاریوں کی شدت اور نوعیت کا کیسے پتہ چل سکے گا؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اتنی جلدی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بھائی...... آخر ہم یہاں کس لئے بیٹھے ہیں؟ انشاء اللہ ہم پاکستان کو بھارت کی جنگی تیاریوں اور اس کے مہلک ہتھیاروں اور جنگی ساز و سامان کی مکمل رپورٹ مہیا کریں گے تاکہ دشمن بے خبری میں کوئی وار نہ کر سکے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا آپ کے حلقہ اثر میں کوئی ایسا آدمی ہے جن کی پہنچ بھارت کے محکمہ دفاع تک ہو؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"ہمارے حلقہ اثر میں ہر قسم کے لوگ ہیں اور یہ سب کے سب مسلمان ہیں...... پاکستان اور اسلام کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنے کو تیار ہیں اور ان میں چند ایک ایسے بھی ہیں جن کی پہنچ بھارت کے انتہائی خفیہ محکموں تک ہے...... انہی ذرائع میں سے کسی کو کام میں لایا جائے گا...... فی الحال مجھے دو ایک دن کی مہلت دو...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا...... ایک اور ضروری بات تم سے کرنی ہے...... پچھلی دفعہ بھی تم اسی جگہ آ کر ٹھہرے تھے...... میں چاہتا ہوں کہ تم اس دفعہ جگہ تبدیل کر لو"۔

"آپ جہاں کہتے ہیں میں چلا جاتا ہوں" عمران نے کہا۔

حاجی صاحب بولے۔

"میں تمہارے لئے ایک محفوظ جگہ کا سوچ کا آیا ہوں...... چاندنی چوک میں اپنا ایک آدمی رام پرشاد کے نام سے ایک ہوٹل چلاتا ہے...... وہ پندرہ سال پہلے بمبئی سے دلی آیا تھا...... یہاں اس نے ایک درمیانے درجے کا ہوٹل خریدا اور اسے اب تک چلا رہا ہے...... وہ مسلمان ہے اور پندرہ سال پہلے راجستھان کی سرحد عبور کر کے بھارت میں داخل ہوا تھا...... بمبئی میں وہ رام پرشاد کے نام سے کانگریس کے ایک دفتر میں بطور کلرک ملازم ہو گیا...... یہاں دو سال تک کام کرتا رہا اور کانگریسی حکومت کے اہم راز وطن بھیجتا رہا...... پھر اوپر کے حکم سے وہ دلی چلا آیا اور یہاں چاندنی چوک میں ہوٹل چلانے لگا...... وہ پندرہ برس سے یہ ہوٹل چلا رہا ہے...... اس نے اپنے آپ کو کٹر کانگریسی اور متعصب ہندو اور پاکستان اور مسلمانوں کا دشمن مشہور کر رکھا ہے۔ میں نے

اپنے خفیہ ذرائع سے اس سے تمہاری بابت بات کرلی ہے۔

تم اس کے پاس چلے جاؤ اور اس کے ہوٹل میں ٹھہرو۔

واضح رہے کہ اپنے جس آدمی کا نام میں نے بقول حاجی صاحب کے رام پرشاد لکھا ہے اور اس کے ہوٹل کا محل وقوع چاندنی چوک بتایا ہے...... یہ نام اور جگہ سب فرضی ہے...... اپنا یہ آدمی نہ تو چاندنی چوک میں رہتا ہے اور نہ اس کا ہندو نام رام پرشاد ہے...... یہ سب میں نے اپنی طرف سے فرضی نام رکھے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ یہ آدمی دلی میں ہی ہے مگر کسی دوسری جگہ پر رہ رہا ہے...... اس طرح کے انٹیلی جنس کے آدمی دونوں ملکوں میں بیٹھ کر اپنے اپنے ملک کے لئے جاسوسی کرتے ہیں...... یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے...... یہ ہر ملک اپنے ہمسایہ اور خاص طور پر اپنے دشمن ملک کے ساتھ کرتا ہے...... میں نے اپنے آدمی کا نام اور اس کی رہائش کا علاقہ اس لئے نہیں بتایا کہ یہ کتاب بھارت میں بھی پڑھی جائے گی اور بھارت کی انٹیلی جنس اس آدمی کو گرفتار کر سکتی ہے...... فرضی نام اور فرضی محل وقوع بتانے سے اپنا آدمی پولیس کی زد سے محفوظ ہو جائے گا...... پولیس اور بھارت کی انٹیلی جنس لاکھ تلاش کرتی پھرے وہ اپنے آدمی کی گردن تک نہیں پہنچ سکے گی...... چنانچہ اسی روز شام کو عمران رام پرشاد کے ہوٹل میں پہنچ گیا۔ اسے اس کی آمد کی خبر حاجی صاحب نے کر دی تھی اور اس کی ایک فوٹو بھی اس کے پاس پہنچا دی گئی تھی...... رام پرشاد (جس کا اسلامی نام میں یہاں نہیں لکھوں گا) کو جا کر عمران نے پرنام کیا تو اس نے عمران کو گھور کر دیکھا اور اسے پہچان گیا...... اس وقت اس کے پاس ایک سکھ اور ایک ہندو لالہ بیٹھا تھا جس کے ماتھے پر تلک لگا تھا...... تلک رام پرشاد نے بھی ماتھے پر لگا رکھا تھا اور اس کا لباس کھدر کا تھا...... جب اس نے عمران کو پہچان لیا کہ یہی وہ آدمی ہے جسے حاجی صاحب نے بھیجا ہے تو بڑے تپاک سے ملا...... کہنے لگا۔

تمہارا نام موہن داس ہے نا؟"۔

عمران ولا۔

"جی ہاں مہاراج!"۔

یہ بات عمران کو حاجی صاحب نے بھی بتا دی تھی کہ تم وہاں ہندو بن کر جاؤ گے ور رام پرشاد نے بھی عمران کا ہندوانہ نام بول کر اسے خبردار کر دیا تھا کہ یہاں ہندو بن کر رہنا ہوگا...... رام پرشاد بولا۔

"تمہیں امرتسر کے لالہ جگل پرشاد نے بھیجا ہے؟"۔

"جی ہاں مہاراج! لالہ جی میرے چچا جی ہوتے ہیں"۔

رام پرشاد کہنے لگا۔

"حساب کتاب لکھ لیتے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"جی میں دس جماعتیں پاس ہوں"۔

رام پرشاد بولا۔

"یہ اچھی بات ہے...... یہاں ہوٹل میں زیادہ کام نہیں ہے...... کاؤنٹر پر بیٹھ کر بل بنانے ہوں گے اور رات کو بکری کا حساب کھاتے میں درج کرنا ہوگا"۔

عمران نے کہا۔

"آپ جو کہیں گے میں کروں گا"۔

"تو ٹھیک ہے ابھی سے بیٹھ کر کام شروع کر دو"۔

عمران کاؤنٹر کے پیچھے رام پرشاد کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اسے بل بناتے دیکھنے لگا...... اپنا آدمی جس نے اپنا ہندوانہ نام دلی میں رام پرشاد رکھا ہوا تھا اپنے قریب بیٹھے ہوئے سکھ اور ہندو پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ عمران امرتسر سے آیا ہے اور اس نے اسے آزمائشی مدت کے لئے اپنے ہوٹل میں ملازم رکھ لیا ہے...... رام پرشاد کو معلوم تھا کہ جس ہندو لالے نے تلک لگا رکھا تھا اور جس کا نام بھی تلک چند ہی تھا، اس کا تعلق دلی کی

سی آئی ڈی سے تھا...... میرے بارے میں رام پرشاد کو بخوبی علم تھا کہ عمران پاکستانی کمانڈو ہے اور ایک نہایت اہم مشن پر دلی آیا ہے اور کچھ عرصہ اس کے ہوٹل میں ہی قیام کرے گا، چنانچہ رام پرشاد خاص طور پر سی آئی ڈی والے ہندو کا ذہن صاف کرنا چاہتا تھا کہ عمران کے بارے میں اس کو کوئی شک و شبہ نہ پڑے۔

وہ سی آئی ڈی والے ہندو سے کہہ رہا تھا۔

"یہ لڑکا میرے بڑے پیارے اور دیش بھگت دوست لالہ جگل پرشاد کا بھتیجا ہے...... اس کے پتاجی سورگباش ہو گئے ہیں...... لالہ جی نے مجھے خط لکھ کر کہا تھا کہ میں اس لڑکے موہن داس کو اپنے پاس رکھ کر ہوٹل کا کام وغیرہ سکھا دوں امر تسر میں یہ آوارہ نہ ہو جائے۔

سی آئی ڈی والے ہندو کو رام پرشاد مہرہ جی کہہ کر بلاتا تھا...... سی آئی ڈی والے مہرہ نے کہا۔

"پتا کا سایہ اٹھ جائے تو سنتان (اولاد) بگڑ جاتی ہے...... تم اسے اپنے پاس رکھو گے تو اس کی زندگی بن جائے گی"۔

رام پرشاد بولا۔

"مہرہ جی...... میں تو یہی چاہتا ہوں کہ ہندو جاتی کے نوجوان ترقی کریں اور دیش بھگت بنیں...... اپنے دیش بھارت سے محبت کریں اور گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں"۔

عمران کھاتے میں بل کی رقم درج کرتے ہوئے اپنے آدمی رام پرشاد کے بارے میں سوچنے لگا کہ یہ شخص واقعی بڑا ہوشیار اور زیرک ہے...... پاکستان کو دشمن کے ملک میں کام کرنے کے لئے ایسے ہی چالاک اور ہوشیار لوگوں کی ضرورت ہے...... بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان پاکستانی جاسوس کا کوئی فرضی اسلامی نام رکھ لیتے ہیں...... رام پرشاد تو اس نے وہاں اپنا ہندوانہ نام رکھا ہوا تھا...... اس کا اسلامی نام یا لقب ہم گل خان رکھ لیتے ہیں، چنانچہ اب ہم رام پرشاد کو گل خان کہیں گے اور لکھیں گے۔

گل خان عرف رام پرشاد کو ہوٹل کا ایک ملازم چائے کی پیالی دینے آیا تو اس نے ملازم سے کہا۔

"میرا بھتیجا موہن داس امر تسر سے آیا ہے...... اسے اوپر پندرہ نمبر والا کمرہ کھول دو"۔

پھر عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔

"موہن داس! اس کے ساتھ اوپر جاؤ اور اپنا کمرہ دیکھ لو...... دن کے وقت تم کاؤنٹر پر کام کرو گے اور رات کے وقت اپنے کمرے میں رہو گے"۔

عمران بولا۔

"ٹھیک ہے لالہ جی!"

اور وہ ہوٹل کے ملازم کے ساتھ اوپر چلا گیا۔

گل خان یعنی رام پرشاد نے عمران کو دوسری منزل کا کونے والا چھوٹا سا کمرہ دیا تھا جس میں ایک چارپائی بچھی تھی اور دو کرسیاں ایک چھوٹی تپائی پڑی تھی...... کارنس پر گاندھی کی تصویر لگی تھی...... عمران کے پاس کوئی سامان وغیرہ تو تھا نہیں...... صرف ایک تھیلا تھا جس میں اس کے کپڑے اور بعض ضروری چیزیں تھیں۔

رات کے دس بجے تک عمران ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھا کام کرتا رہا...... اس کے بعد گل خان عرف رام پرشاد نے اسے کہا۔

"موہن داس! کھانا کھا کر اوپر جا کر سو جاؤ...... اب تمہاری چھٹی ہے"۔

عمران نے ہوٹل کے چھوٹے سے ہال کمرے میں ہی بیٹھ کر کھانا کھایا...... جب وہ اوپر جانے لگا تو رام پرشاد یعنی گل خان اس کے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"میں بارہ بجے رات آؤں گا"۔

عمران اپنے کمرے میں آگیا اور رات کے بارہ بجنے کا انتظار کرنے لگا...... ٹھیک بارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی...... عمران نے دروازہ کھولا...... گل خان عرف رام پرشاد جلدی سے اندر آگیا۔

"دروازہ بند کر کے چٹخنی لگادو"۔

عمران نے ایسا ہی کیا...... گل خان یعنی رام پرشاد اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"جو دستاویز پاکستان کو اشد ضروری چاہئیں ان کا تعلق بھارت کے محکمہ جنگ سے ہے...... یہ شاہ جی بھی جانتے ہیں کہ اس قسم کے ٹاپ سیکرٹ کاغذات کا علم یا تو پردھان منتری کو ہوتا ہے یا وزیر دفاع یا سیکرٹری دفاع کو معلوم ہوتا ہے...... ان دستاویزات کو بڑی حفاظت اور رازداری سے رکھا جاتا ہے، کیونکہ ان میں ملک کی تینوں مسلح افواج یعنی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی پوری جنگی قوت اور جنگی سازوسامان کا ذکر ہوتا ہے...... پھر بھی میں اپنے ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ کیا ان دستاویزات کی کوئی فوٹو کاپی بنوائی جاسکتی ہے...... تمہیں معلوم ہونا چاہئے اور شاید شاہ جی نے بھی تمہیں بتایا ہوگا کہ میں یہاں پکا دیش بھگت اور کٹر ہندو اور پاکستان کا دشمن بن کر رہ رہا ہوں...... کانگریس کے علاوہ میں نے بھارت کی پاکستان دشمن اور متعصب ہندو جماعت بھارتی جنتا پارٹی سے بھی اپنے آپ کو جوڑ رکھا ہے...... میرے پاس ایک سکھ سردار جی اور ایک ہندو بیٹھا تھا جس کو میں مہرہ صاحب کہہ کر بلا رہا تھا...... یہ مہرہ بڑا زہریلا ہندو ہے اور دن میں پاکستان کو پاکستان کے مسلمانوں کو چار پانچ گالیاں نہ دے لے اسے چین نہیں آتا...... میں تمہارے ذکر سے اس کے دماغ میں یہ بات ڈالنا چاہتا تھا کہ یہ لڑکا مشکوک نہیں ہے اور اسے تمہارے پیچھے لگنے کی ضرورت نہیں ہے...... تم بھی اپنے رویئے سے یہی ظاہر کرنا کہ تم کٹر اور متعصب ہندو ہو اور پاکستان کے اور مسلمانوں کے دشمن ہو اور بھارت میں رام راج کے حامی ہو اور پاکستان اور بنگلہ دیش کو ایک بار پھر بھارت ماتا کے ساتھ ملانے کا خواب دیکھ رہے ہو"۔

عمران بڑے غور سے گل خان عرف رام پرشاد کی باتیں سن رہا تھا، کہنے لگا۔

"میں آپ کی ایک ایک ہدایت پر عمل کروں گا...... لیکن بھارت کی تینوں مسلح افواج کی جنگی قوت اور فوجی سازوسامان کے بارے میں دستاویزات کی فوٹو کاپی کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔

"میں ان دستاویزات کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا...... میں بھارتی جنتا پارٹی کے ہفتہ وار سماگم یعنی اجلاس میں ضرور شرکت کرتا ہوں...... جنتا پارٹی کے ممبر اور لیڈر وہاں پاکستان کو ختم کرنے کے منصوبے بناتے ہیں اور پارٹی کا جو صدر ایڈوانی ہے وہ تو پاکستان اور اسلام کا جانی دشمن ہے...... تمہیں شاید معلوم نہ ہو بابری مسجد اس شخص نے اپنی نگرانی میں مسمار کرائی تھی اور اب بھی وہ ہندوؤں کو یہ کہہ کر انتخاب لڑ رہے ہیں کہ حکومت ہمارے پاس آگئی تو ہم چھ ماہ کے اندر اندر ہندوستان کی ساری مسجدوں کو مندر بنا ڈالیں گے اور ایک سال کے اندر اندر پاکستان اور بنگلہ دیش کو ختم کر کے انہیں دوبارہ بھارت میں شامل کر دیں گے...... اس میٹنگ میں میں بھی پاکستان کے خلاف تقریریں کرتا ہوں لیکن اوپر اوپر سے پاکستان کے خلاف بولتا ہوں...... یہ میری مجبوری ہے...... اس ہفتہ وار خفیہ اجلاس میں جنتا پارٹی کی ایڈوائزری کونسل کے سبھی متعصب ہندو ممبر شریک ہوتے ہیں۔ مجھے پارٹی کے صدر ایڈوانی اور اٹل بہاری باجپائی نے اعزازی ممبر بنا دیا ہے، کیونکہ میں پارٹی کو ہر سال بھاری رقم چندے کے طور پر دیتا ہوں...... اس اجلاس میں ایک دبلا پتلا آدمی ہر ہفتے شریک ہوتا ہے اور ایڈوانی اور باجپائی اس کے ساتھ بڑی راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں...... مجھے پارٹی کے ایک ممبر نے بتایا تھا کہ یہ دبلا پتلا آدمی جس کو باجپائی اور ایڈوانی پتاجی کہہ کر بلاتے ہیں اس کا تعلق محکمہ دفاع سے یا کسی دوسرے انتہائی حساس ادارے

سے ہے۔ میں اس سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کروں گا...... یہ شخص گپتا جی ہمارا مسئلہ حل کر سکتے ہیں......اب تم سو جاؤ...... صبح دس بجے کاؤنٹر پر آ کر کاؤنٹر پر بیٹھ جانا اور کل سے ماتھے پر رام نام کا تلک ضرور لگانا اور کاؤنٹر پر جہاں لکشمی دیوی کی تصویر رکھی ہے وہاں لوبان ضرور لگا دینا...... دوسری ضروری بات یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے تم ہوٹل میں ہی رہو گے اور کسی دوسری جگہ نہیں جاؤ گے...... سیر سپاٹا کرنے سے بھی گریز کرو گے...... اگرچہ میں نے تمہارے بارے میں سی آئی ڈی والے مہرہ جی کا ذہن کافی صاف کر دیا ہے لیکن وہ کچھ دن تمہاری نگرانی ضرور کرے گا...... اس لئے اسے کسی قسم کا کوئی ایسا موقع نہ دینا کہ وہ تم پر شک کرنے لگے کہ تم پاکستان کے جاسوس ہو"۔

عمران بولا۔

میں اپنے کام سے غرض رکھوں گا اور ہوٹل میں ہی زیادہ وقت گزاروں گا۔

عمران نے فیصلہ کر لیا کہ وہ گل خان عرف رام پرشاد کی ہدایات پر پورا عمل کرے گا...... یہ اس کے مشن کا تقاضا بھی تھا اور عمران نے اپنے آپ کو اس قسم کی پابندیوں کا عادی بنا لیا تھا، چنانچہ صبح وہ جلدی اٹھا...... نہانے کے بعد نیچے ہوٹل کے کاؤنٹر پر آ گیا...... ابھی رام پرشاد نہیں آیا تھا...... ہوٹل کے دو ہندو ملازم صفائی وغیرہ کر رہے تھے...... عمران نے کاؤنٹر پر بیٹھتے ہی اس کا دروازہ کھول کر تلک والی ڈبیا سے ماتھے پر تلک لگایا اور رام رام کرتے ہوئے لکشمی دیوی کی تصویر کے آگے پیتل تھالی میں رکھا ہوا لوبان سلگا دیا اور اپنے آپ کو بڑا ذمے دار ملازم ظاہر کرتے ہوئے رجسٹر کھول کر حساب کتاب چیک کرنے لگا...... اتنے میں رام پرشاد بھی آ گیا...... لکشمی دیوی کی تصویر کو اس نے پرنام کیا اور جے جے رام سیتا رام، جے جے رام سیتا رام کا کرتا کاؤنٹر کے پاس بچھی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور نوکروں کو ضروری ہدایات دینے لگا...... عمران بھی کسی کسی وقت منہ سے جے رام رمیہ کے الفاظ بول لیتا تھا

ہوٹل کے ملازم جب ذرا ادھر ادھر ہو گئے تو گل خان یعنی رام پرشاد نے عمران کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"شاباش! تم بالکل درست اداکاری کر رہے ہو...... بس ایسے ہی رہنا"۔

اسی طرح عمران کو ہوٹل میں خاموشی سے اپنا کام کرتے لکشمی دیوی کی تصویر کو پرنام کرتے اور لوبان سلگاتے ایک ہفتہ گزر گیا......اس دوران گل خان یعنی رام پرشاد نے اس سے مطلب کی کوئی بات نہ کی...... سی آئی ڈی والے مہرہ جی اور سکھ سردار جی شام کو ہوٹل میں آ جاتے اور رام پرشاد ان سے سیاست کی باتیں کرتا اور بڑے اعتماد سے کہتا کہ اس دفعہ بھارتی جنتا پارٹی بھاری اکثریت سے جیت جائے گی اور اس کی حکومت بنے گی۔ کبھی کبھی دو تین اور متعصب قسم کے ہندو بھی رام پرشاد کے پاس آ کر بحث میں شریک ہو جاتے تھے...... عمران نے محسوس کیا تھا کہ ان کا تعلق بھی بھارتی جنتا پارٹی سے ہے اور وہ کانگریس کی پاکستان کے ساتھ رواداری کی پالیسی کے سخت خلاف ہیں اور بھارتی جنتا پارٹی کی کٹر اور پاکستان دشمن پالیسی کے حق میں ہیں اور پاکستان کو پھر سے بھارت میں شامل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں...... اسی دلی شہر میں حاجی صاحب بھی ہوٹل چلا رہے تھے مگر عمران اس طرف کبھی نہیں گیا تھا۔ حاجی صاحب نے بھی اسے اپنی طرف آنے سے سختی سے منع کیا ہوا تھا۔

ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد ایک دن رات کے وقت گل خان عرف رام پرشاد اس کے کمرے میں آ گیا، کہنے لگا۔

"تم بڑی صحیح پالیسی پر چل رہے ہو...... سی آئی ڈی والے مہرہ جی نے تین چار روز تمہاری نگرانی کی ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ اب تمہاری طرف سے انتہائی اطمینان ہو گیا ہے اور اس نے تمہاری طرف توجہ دینی چھوڑ دی ہے...... یہ تمہاری بہت بڑی فتح ہے...... باقی میں نے گپتا جی سے راہ و رسم کافی بڑھا لی ہے...... میں نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ اس کا تعلق محکمہ دفاع سے نہیں بلکہ محکمہ جنگ یعنی بھارت کے وار

آفس سے ہے...... وہ بہت کم بولتا ہے اور اپنے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتا، لیکن
میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا ہوں...... مجھے معلوم ہے کہ اس کے منہ سے اپ
مطلب کی بات کیسے نکلوانی ہے...... جنتا پارٹی کے اس ہفتے کے اجلاس میں پارٹی کے
صدر ایڈوانی نے گپتا جی کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے پوچھا تھا کہ اب تو بھارت ایٹ
قوت بن گیا ہے...... یہ بتائیں کہ بھارت کے پاس کتنے ایٹم بم ہیں؟ ایڈوانی نے یہ را
کی بات گپتا سے اس لئے بے خطر ہو کر پوچھ لی تھی کہ اسے معلوم تھا کہ وہاں اجلاس میں
جتنے آدمی بیٹھے ہیں سب کے سب کٹر اور فرقہ پرست، دیش بھگت اور پاکستان کے
دشمن ہندو ہیں...... اس کے خیال کے مطابق میں بھی ایک کٹر اور پاکستان دشمن فر
پرست ہندو تھا...... دبلے پتلے اور کم بات کرنے والے گپتا جی نے کہا کہ بس یوں
لیں کہ بھارت کے پاس اتنے ایٹم بم تیار ہیں کہ جو پاکستان کے ہر بڑے شہر میں گرا
جاسکتے ہیں...... اس پر ایڈوانی نے کہا تھا...... بس...... ہم بھی یہی چاہتے ہیں...... پاکت
کو اسی طرح ہم برباد کر کے بھارت میں دوبارہ شامل کر سکتے ہیں...... میں نے ابھی
جی سے اپنے مطلب کی بات نہیں کی، لیکن میں نے گپتا سے دوستی کی بنیاد رکھ
ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس ہفتے میں گپتا جی کو شیشے میں اتار لوں گا۔ مجھے گونگے
سے بھی بات کروانے کا گر آتا ہے اور گپتا جی گونگے نہیں ہیں...... بس میں تمہیں
بتانے آیا تھا"۔

ان باتوں کو سن کر عمران کو امید پیدا ہو گئی تھی کہ گل خان یعنی رام پرشاد بھ
کے تینوں مسلح افواج کی فوجی قوت کے بارے میں صحیح صحیح اعداد و شمار کا ضرور
لگا لے گا۔

⚙ ⚙ ⚙

اس واقعے کو چار پانچ دن ہی گزرے تھے کہ ایک دن شام کے وقت عمران نے
ا کہ گل خان یعنی رام پرشاد ایک ٹیکسی سے اترا...... اس کے ساتھ ایک پختہ عمر کا
پتلا آدمی بھی تھا جس نے نظر کی عینک لگا رکھی تھی...... کھدر کا کانگریسی کرتا پاجامہ
ر کھا تھا...... سر کے بال کہیں کہیں سے سفید ہو رہے تھے...... رام پرشاد اسے
ہ لے کر ہوٹل میں آ گیا اور سب سے پہلے اس نے نو وارد سے عمران کا تعارف ان
ا میں کرایا۔

"گپتا جی! یہ میرا بھتیجا موہن داس ہے۔ اس کے پتا جی کے ماتا پتا اور پریوار کے
ے آدمی فسادات میں مسلمانوں نے قتل کر دیئے تھے...... اس کے پتا جی بڑی
ا سے جان بچا کر امرتسر پہنچے تھے...... یہ نوجوان موہن داس یعنی میرا بھتیجا
ان کا جانی دشمن ہے اور اس دفعہ الیکشن میں میرے ساتھ یہ بھی بھارتی جنتا پارٹی کو
ٹ دے گا"۔

دراصل گل خان یعنی رام پرشاد اس تعارف سے عمران کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہی
ا ہیں جن کا تعلق دلی گورنمنٹ کے محکمہ جنگ سے ہے...... گپتا جی نے عمران سے
ملایا...... عمران نے انہیں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا...... انہوں نے عمران سے کوئی بات
ور رام پرشاد انہیں لے کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا...... عمران دیر تک کاؤنٹر پر
ے کام میں مصروف رہا...... گاہکوں کے بل بناتا...... باہر سے آئے ہوئے ٹیلی فون

وصول کرتا...... بل پیش کرتا...... اتنے میں رام پرشاد کا اپنے کمرے سے انٹر کام پر فون آیا...... کہنے لگا۔

"سٹور کی الماری میں سے بلیک لیبل وسکی کی بوتل نکال کر اوپر دے جاؤ"۔

عمران سمجھ گیا کہ رام پرشاجان بوجھ کر گپتاجی کو شراب پلا رہا ہے تا کہ جو باتیں گپتا جی ہوش مندی میں نہیں کہہ رہے وہ شراب کے نشے میں اگل دیں، کیونکہ جب آدمی پر شراب کا نشہ چڑھتا ہے تو اسے برے بھلے کی تمیز نہیں رہتی، بعد میں پتہ چلا کہ شراب اور خاص طور پر سکاچ وسکی اور وہ بھی بلیک لیبل سکاچ وسکی گپتاجی کی کمزوری تھی...... ہر کسی کے ساتھ بیٹھ کر شراب نہیں پیتے تھے، لیکن اگر ان کے سامنے بلیک لیبل سکاچ وسکی آجاتی تھی تو پھر بے تاب ہو جاتے تھے اور بھول جاتے تھے کہ وہ کس کے پاس بیٹھے ہیں اور انہیں کون شراب پلا رہا ہے...... اسی لئے کہا جاتا ہے شراب خانہ خراب ہوتی ہے اور اس نے بادشاہوں کو ذلیل کیا ہے اور لاکھوں ہنستے بستے گھر اجاڑے ہیں۔

عمران نے سٹور میں جا کر الماری میں سے بلیک لیبل کی سکاچ کی بوتل نکالی۔ اخبار میں لپیٹی اور اوپر گل خان عرف رام پرشاد کے کمرے میں لے گیا...... اس نے دیکھا کہ گل خان یعنی رام پرشاد اور گپتاجی آمنے سامنے بیٹھے تھے...... درمیان میں چھوٹی میز پر بلیک لیبل سکاچ وسکی کا ایک کوارٹر جس میں چار پیگ ہوتے ہیں خالی تھا ہے...... دونوں کے گلاسوں میں شراب پڑی ہوئی ہے...... رام پرشاد کا گلاس تقریباً بھرا ہوا ہے اور گپتاجی کا گلاس تقریباً خالی ہو چکا ہے...... اس سے صاف ظاہر تھا کہ رام پرشاد خود محض ساتھ دینے کے لئے پی رہا ہے...... اصل میں وہ گپتاجی کو پلا رہا ہے۔ اس نے سکاچ کی بوتل اخبار میں سے نکال کر میز پر رکھ دی...... گپتاجی نے بلیک کی پوری بوتل دیکھی تو ان کی باچھیں کھل گئیں...... بوتل کو اٹھا کر چوم لیا اور بولے۔

"رام پرشاد جی! جے ہند!"۔

گپتاجی کو نشہ چڑھنا شروع ہو گیا تھا...... رام پرشاد نے بھی کہا۔

"جے ہند گپتاجی...... یہ آپ کی بھینٹ ہے...... اس میں سے بے شک تھوڑی پی لیں...... میرے پاس بلیک لیبل کی ایک اور بوتل ہے"۔

گپتاجی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... انگریزی میں کہا۔

"رام پرشاد جی! مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے...... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟"۔

گل خان عرف رام پرشاد نے بوتل کھول کر گپتاجی کے گلاس میں وسکی ڈالی...... تھالی میں سے برف کے ٹکڑے نکال کر ڈالے اور تھوڑا سا سوڈا ڈالتے ہوئے کہا۔

"گپتاجی آپ پاکستان پر حملہ کرنے کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے"۔

"ہاں...... ہاں...... یاد آگیا" گپتاجی نے اونچی آواز میں کہا۔

رام پرشاد نے مجھے قریب ہی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا...... میں رام پرشاد سے ذرا پیچھے ہٹ کر کرسی پر بڑے ادب سے بیٹھ گیا...... گپتاجی نے گلاس منہ کے ساتھ لگا کر آدھے سے زیادہ گلاس چڑھایا اور بڑی جوشیلی آواز میں بولے۔

"میں نے ایڈوانی جی اور باجپائی جی کو کہہ دیا ہے کہ سیکرٹری دفاع، مشیر دفاع اور بھارت کے صدر کی باتوں پر نہ جائیں...... اس بار آپ کی پارٹی الیکشن جیت جائے گی اور پردھان منتری بننے کے بعد موقع ملتے ہی پاکستان پر پوری قوت سے حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں...... ایک دم سے بارہ ڈویژن فوج، دو ہزار ٹینکوں اور سات آٹھ سو بمبار طیاروں اور آرٹلری ڈویژنوں کی توپوں کی پوری بیڑی سے جب آپ پاکستان پر حملہ کریں گے تو ایک ہی ہلے میں آپ لاہور میں داخل ہو جائیں گے...... ایک دفعہ لاہور ہاتھ آگیا تو پھر سمجھیں کہ سارے پاکستان پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا...... بھارت کی تاریخ میں آپ کے نام سنہری حروف میں لکھے جائیں گے کہ کانگریس کے ایک پٹھو لیڈر نہرو نے بھارت ماتا کے ٹکڑے کئے تھے اور جنتا پارٹی کے وزیر اعظم نے بھارت کو پھر سے پورا بھارت بنا دیا...... اس کے بعد آپ بنگلہ دیش اور نیپال پر ہلہ بول دیں اور ان دونوں ملکوں کو بھی بھارت میں شامل کر لیں جو پہلے بھارت کا حصہ تھے۔

گل خان یعنی رام پرشاد نے کہا۔

"لیکن گپتا جی آپ شاید بھول گئے ہیں کہ پاکستان ایٹمی طاقت بن چکا ہے...... اس کے پاس ایٹم بم ضرور ہوں گے...... ایسی صورت میں آپ کیا کہیں گے...... پاکستان تو ایٹم بم چلادے گا اور ہمارے شہروں دلی، بمبئی اور مدراس کو راکھ کے ڈھیر بنادے گا"۔

گپتا جی بولے۔

"اگر پاکستان کے پاس ایٹم بم ہے تو ہمارے پاس بھی ایٹم بم موجود ہیں...... ہمارے پاس ایٹمی وار ہیڈ والے اگنی میزائل ہیں جو آٹھ ہزار سے لے کر دس ہزار میل کی دوری تک مار کر سکتے ہیں"۔

رام پرشاد نے اعتراض کیا۔

"لیکن گپتا جی پاکستان کے پاس بھی ایسے میزائل ہیں جو ایٹم بم کو مدراس تک لے جاسکتے ہیں اور اسے تباہ کر سکتے ہیں"۔

گپتا جی نے کہا۔

"میں نہیں مانتا کہ پاکستان کے پاس کوئی ایسا ایٹمی وار ہیڈ والا میزائل ہے جو مدراس تک وار کر سکتا ہو...... رام پرشاد جی! پاکستان کے پاس لے دے کے تین بڑے شہر ہیں...... ایک اسلام آباد، لاہور اور ایک کراچی...... ہم ایک ہی ایٹمی حملے میں ان تینوں شہروں پر ایٹم بم گرا کر سارے پاکستان کو تباہ کر سکتے ہیں، جبکہ بھارت بہت بڑا ملک ہے...... اگر پاکستان دلی اور بمبئی میں ایٹم بم گرا بھی دیتا ہے تو باقی سارا ہندوستان محفوظ رہتا ہے اور یہ یاد رکھیں کہ کوئی بھی ملک دوسری بار ایٹمی حملہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا...... پہلے ہی حملے میں جس قدر ایٹمی حملہ کسی ملک نے کرنا ہوتا ہے کر دیتا ہے اور اس کے جواب میں اگر دوسرے ملک کے پاس بھی ایٹم بم موجود ہوں گے تو وہ سارے کے سارے اس ملک پر جوابی حملے میں گرادے گا...... میں نے تو اٹل بہاری باجپائی جی سے کہہ دیا ہے کہ آپ ہندوستان کے کمزور اور بزدل لیڈروں والا کردار نہ کریں...... اگر آپ چاہتے ہیں کہ بھارت کی تاریخ میں آپ کا نام زندہ رہے تو ایک ہی وقت میں اسلام آباد، کہوٹہ، لاہور اور کراچی پر ایٹم بم گرا کر انہیں راکھ کا ڈھیر بنادیں...... اس کے بعد پاکستان اس قابل نہیں رہے گا کہ آپ پر ایٹم بم گرا سکے...... اگر اس نے مرتے مرتے دلی اور بمبئی پر ایٹم بم گرا بھی دیا تو زیادہ سے زیادہ دونوں شہروں میں بارہ چودہ لاکھ آدمی مریں گے...... اتنی قربانی دے کر اگر سارا پاکستان بھارت کو ملتا ہے...... سارا بنگلہ دیش بھارت کو مل جاتا ہے تو یہ مہنگا سودا نہیں ہے...... بارہ چودہ لاکھ لوگوں کو آج نہیں تو کل مرنا ہی ہے۔

رام پرشاد نے گپتا جی کو واپس پٹڑی پر لاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرا نہیں خیال کہ جنتا پارٹی کے لیڈر ایسا خطرناک قدم اٹھائیں گے...... میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں ایٹم بم نہ گرانے کا معاہدہ کر لینا چاہئے پاکستان سے اور روایتی ہتھیاروں کے ساتھ پاکستان پر لاکھوں کی نفری والی فوج اور ہزاروں ٹینکوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہر قسم کے طیاروں سے پاکستان پر حملہ کر دینا چاہئے...... ہم اس طرح بھی پاکستان پر قبضہ کر سکتے ہیں...... اگر ہم نے ایٹم بم استعمال نہ کیا تو پاکستان بھی نہیں کرے گا"۔

گپتا جی کے گلاس کو رام پرشاد نے ایک بار پھر بھر دیا...... گپتا جی کافی سرور میں تھے...... ہاتھ کے اشارے سے رام پرشاد کو اپنے گلاس میں مزید شراب ڈالنے سے منع کیا اور شراب کے دو تین گھونٹ نگلنے کے بعد کہا۔

"ہمارے پاس پاکستان کے مقابلے میں چار گنا زیادہ فوج ہے...... دس گناہ زیادہ ٹینک، ہوائی جہاز اور ہر قسم کی جنگی توپیں ہیں...... اگر ہم پوری نفری، پوری طاقت کے ساتھ پاکستان پر حملہ کر دیں تو پہلے ہی ہلے میں پاکستان پر قبضہ کر سکتے ہیں"۔

اب رام پرشاد نے اپنے مطلب کی بات کی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نہ پاکستان بھارت پر ایٹم بم گرائے گا اور نہ بھارت پاکستان پر ایٹم بم گرانے کی حماقت کرے گا......

اگر دونوں ملکوں میں جنگ ہوئی تو روایتی ہتھیاروں کے ساتھ ہی ہو گی اور رام پرشاد
گپتا جی سے یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت بھارت کی تینوں فوجوں کی کتنی فوجی
طاقت ہے اور ان کے پاس روس اور امریکہ کا دیا ہوا کتنا سامان جنگ ہے...... رام پرشاد
نے کہا۔

"مگر گپتا جی یہی مشکل بات ہے کہ پاکستان کے پاس چین کا دیا ہوا بے پناہ جنگی
سازوسامان موجود ہے، جبکہ ہمارے بھارت کے پاس فوجی اسلحے اور ہتھیاروں کی ایک
مخصوص مقدار ہی ہے"۔

یہاں گپتا جی کے منہ سے وہ بات نکل گئی جس کے لئے رام پرشاد نے یہ سارا
ڈرامہ رچایا تھا...... گپتا جی کہنے لگے۔

"رام پرشاد! تم نہیں جانتے...... میں جانتا ہوں...... تم صرف دیش بھگت ہو......
میں دیش بھگت بھی ہوں اور منسٹری آف وار افیئرز کا ذمے دار افسر بھی ہوں...... جو کچھ
میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے...... ہمارے پاس اس وقت اتنی فوجی طاقت ہے کہ دنیا
کوئی ملک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا...... ہم اگر چاہیں تو ایک ہی ہلے میں نیپال، بنگلہ دیش،
بھوٹان، سکم اور پاکستان پر قبضہ کر سکتے ہیں"۔

رام پرشاد نے گپتا کی زبان سے مزید باتیں نکلوانے کے لئے انہیں تاؤ د
ہوئے کہا۔

"گپتا جی! مجھے تو کبھی کبھی اس خیال سے ڈر آنے لگتا ہے کہ کہیں ہماری بھارت
سرکار ہمیں فوجی برتری کے بارے میں اندھیرے میں تو نہیں رکھ رہی، کیونکہ میں
سنا ہے کہ پاکستان روایتی ہتھیاروں میں بھی ہم سے دس قدم آگے نکل چکا ہے اور ا
نے مسلمان ملکوں خاص طور پر مسلمان عرب ملکوں کی بے پناہ امداد اور چین، انڈ
کے تعاون سے اسلحے اور ہتھیاروں کے انبار جمع کر رکھے ہیں...... میں نے تو یہاں
سنا ہے کہ پاکستان کے پاس اب بمبار لڑاکا طیارے اور ٹینک بھی ہم سے دگنی تعداد

ہیں اور اس کے پاس آبدوزیں بھی ہیں جو بھارت کے پاس نہیں ہیں"۔

گپتا جی جذباتی ہو گئے...... یہی گل خان عرف رام پرشاد چاہتا تھا...... اس نے میز
پر ہاتھ مار کر کہا۔

"رام پرشاد جی اگر میں آپ کو محکمہ جنگ کی طرف سے خفیہ فائل میں درج کئے
گئے اپنی تینوں فوجوں کی جنگی طاقت اور ان کے ہر قسم کے اسلحہ اور جہازوں، ٹینکوں
اور توپوں کی صحیح تعداد دکھادوں تو کیا پھر آپ مان جائیں گے کہ ہم روایتی ہتھیاروں
میں بھی پاکستان سے دس گنا زیادہ طاقت رکھتے ہیں؟"۔

رام پرشاد نے فوراً جواب دیا۔

"پھر میں کیسے انکار کر سکتا ہوں بھلا...... جو آنکڑے (اعداد و شمار) آپ لائیں
گے وہ تو سرکاری ہوں گے اور اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی"۔

گپتا جی بولے۔

"میں وہ سرکاری خفیہ فائل تو نہیں لا سکتا جس پر بھارت کی تینوں فوجوں کے
اسلحہ کی پوری تفصیل لکھی ہے، لیکن میں خفیہ فائل سے یہ اعداد و شمار یعنی آنکڑے
نوٹ کر کے ضرور لے آؤں گا"۔

رام پرشاد یعنی ہمارے گل خان نے فوراً کہا۔

"اگر آپ مجھے صحیح اعداد و شمار دکھادیں گے تو میری تسلی ہو جائے گی اور میں
آپ کو بلیک لیبل سکاچ وسکی کی دو بوتلیں خاص طور پر پیش کروں گا"۔

شراب نے بڑے بڑوں کو زمین پر الٹایا ہے...... گپتا جی بھی اپنی شراب کی کمزوری
کے ہاتھوں مار کھا گئے...... بلیک لیبل سکاچ وسکی کافی مہنگی وسکی ہوتی تھی اور بھارت کے
بڑے بڑے افسر بھی اسے خریدنے سے گریز کرتے تھے اور ان کی یہی کوشش ہوتی تھی
کہ یہ وسکی انہیں تحفے کے طور پر ہی مل جائے...... گپتا جی نے بلیک لیبل وسکی کی دو
بوتلوں کا سنا تو بولے۔

"رام پر شاد...... بس میں کل اسی وقت آؤں گا...... تم بلیک لیبل کی دو بوتلیں منگوا کر رکھنا...... میں سارے فوجی اعداد و شمار نوٹ کر کے لیتا آؤں گا...... تمہیں بتاؤں گا تو تم خوش ہو جاؤ گے"۔

اس کے بعد انہوں نے کھانا کھایا اور رام پر شاد نے بلیک لیبل وسکی بوتل میں جتنی بچ گئی تھی وہ بھی اسے دے دی...... گپتا جی کافی سرور میں تھے...... رام پر شاد خود ٹیکسی میں انہیں ان کے گھر چھوڑ کر آیا...... رام پر شاد نے بمشکل وسکی کا ایک پیگ پیا تھا...... اسے کوئی نشہ وغیرہ نہیں تھا...... رات کو اس نے عمران کے کمرے میں آکر کہا۔

"مجھے امید نہیں تھی کہ میں اتنے بڑے پہلوان گپتا جی کو اتنی جلدی چاروں شانے چت گرادوں گا"۔

عمران نے کہا۔

"آپ جس حکمت عملی سے کام لے رہے تھے گپتا جی نے تو آپ کے جال میں پھنسنا ہی تھا"۔

گل خان عرف رام پر شاد نے کہا۔

"اس کامیابی میں میری حکمت عملی کا اتنا دخل نہیں جتنا شراب کا دخل ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ گپتا جی کو ان کی شراب کی کمزوری نے چاروں شانے چت گرایا ہے...... شراب واقعی خانہ خراب ہوتی ہے...... شراب نے بڑی بڑی سلطنتوں کو خاک میں ملادیا...... گپتا جی تو کوئی چیز ہی نہیں تھے...... مجھے یقین ہے اگر شراب گپتا جی کی کمزوری نہ ہوتی تو ان سے یہ ٹاپ سیکرٹ راز اگلوانا ناممکن تھا"۔

عمران کہنے لگا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ صبح گپتا جی کا نشہ جب اتر جائے گا تو وہ اپنی زبان سے پھر جائیں؟"

رام پر شاد نے کہا۔

"گپتا جی کی پسندیدہ شراب بلیک لیبل کی دو بوتلیں ان کی آنکھوں کے سامنے آجائیں گی...... وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر راضی کر لیں گے کہ میں کون سا رام پر شاد کو سیکرٹ فائل کی فوٹو کاپی دے رہا ہوں...... تھوڑے سے اعداد و شمار ہی بتانے ہیں اور پھر رام پر شاد دیش بھگت ہیں...... وہ کوئی دشمن کے جاسوس تو نہیں ہیں...... شراب آدمی کو برے سے برے کام کا جواز مہیا کر دیتی ہے، اسی لئے ہمارے دین اسلام میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے...... میں نے صرف مصلحت کی خاطر ایک ہلکا سا پیگ پیا تھا...... ایسا نہ کرتا تو گپتا جی کو شاید آمادہ کرنا مشکل ہوتا...... بہرحال اس ڈرامے کا ڈراپ سین بلکہ کلائمیکس کا سین کل یہیں اسی کمرے میں کھیلا جائے گا"۔

عمران بولا۔

"گپتا جی بھارت کی تینوں افواج کے جنگی ساز و سامان کی جو فہرست نوٹ کر کے لائیں گے وہ ہم کیسے حاصل کریں گے...... گپتا جی تو ہرگز ہمیں اس کی کاپی نہیں کرنے دیں گے...... اگر ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا تو ہو سکتا ہے انہیں شک پڑ جائے کہ ہم اعداد و شمار کی فوٹو کاپی کیوں مانگ رہے ہیں؟"۔

رام پر شاد نے کہا۔

"اس کا حل بھی میں نے تلاش کر لیا ہے۔ میرے پاس ایک ماچس کی ڈبیا سے بھی چھوٹے سائز کا بڑا طاقتور ٹیپ ریکارڈر ہے...... یہ ٹیپ ریکارڈر دور کی آوازیں بھی بڑی آسانی سے ریکارڈ کر لیتا ہے...... میں یہ ٹیپ ریکارڈر جہاں گپتا جی کو بٹھانا ہے اس میز کے نیچے لگادوں گا اور گپتا جی سے کہوں گا کہ وہ اعداد و شمار بول کر مجھے سنادیں...... بہانہ یہ بناؤں گا کہ میری قریب کی نظر کمزور ہو گئی ہے...... میں پڑھ نہیں سکتا...... یوں جب گپتا جی اسلحہ اور ہتھیاروں کی فہرست پڑھ کر سنائیں گے تو ان کی آواز ٹیپ ریکارڈر پر ٹیپ ہو جائے گی...... بعد میں ہم ٹیپ ریکارڈر سے ان کی آواز کی مدد سے تمام کے تمام اعداد و شمار کاپی پر نوٹ کر لیں گے...... کیا خیال ہے"۔

سکیم اچھی تھی...... بس اس میں یہی ایک قباحت تھی کہ اگر گپتاجی زبانی اعداد و شمار پڑھنے پر راضی نہ ہوئے تو پھر کیا ہوگا...... جب عمران نے رام پرشاد سے اس خدشے کا اظہار کیا تو وہ بولے۔

"تم فکر نہ کرو...... سکاچ وسکی کا ایک پیگ یہ سارا کام آسان کر دے گا"۔

دوسرے دن عمران اور رام پرشاد بے چینی سے شام ہونے کا انتظار کرنے لگے...... بڑی مشکل سے شام ہوئی...... رام پرشاد ہوٹل کے کاؤنٹر کے پاس اپنی آرام کرسی پر بیٹھ گئے...... بار باران کی نظریں بازار کی طرف اٹھ جاتی تھیں...... آخر ایک ٹیکسی ہوٹل کے سامنے آکر کھڑی ہوئی...... رام پرشاد نے دیکھ لیا تھا کہ ٹیکسی میں گپتا جی بیٹھے ہیں...... وہ جلدی سے اٹھ کر گپتاجی کے استقبال کو بڑھے...... گپتاجی نے کھدر کی واسکٹ ہی پہنی ہوئی تھی...... عمران کاؤنٹر پر اپنے کام میں مصروف رہا، لیکن حقیقت میں وہ گپتاجی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا...... رام پرشاد گپتاجی کو جلدی سے اوپر اپنے کمرے میں لے گئے...... ہوٹل میں زیادہ دیر رکنے سے اس بات کا خدشہ تھا کہ سی آئی ڈی والے مہرہ صاحب وہاں نہ آجائیں...... اس طرح مہرہ صاحب کو شک پڑ سکتا تھا کہ یہ محکمہ جنگ کے گپتاجی ہوٹل میں کیا کرنے آئے ہیں۔

عمران نے رام پرشاد کی دانشمندی اور موقع شناسی کی دل میں تعریف کی...... انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا...... ٹیپ ریکارڈر رام پرشاد نے اپنے کمرے میں صوفوں کے درمیان والی گول تپائی کے نیچے دوپہر کو ہی سکاچ ٹیپ سے چپکا دیا تھا...... اس کے ایک بٹن کو ذرا دبانا ہی تھا...... اس کے بعد ٹیپ ریکارڈر اون ہو جاتا اور ان کی گفتگو ریکارڈ کرنے لگ جاتا...... اپنے کمرے میں جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی انٹرکوم پر رام پرشاد نے عمران کو ہدایت کی کہ سٹور والی الماری سے بلیک لیبل کی تینوں بوتلیں نکال کر اوپر لے آئے۔ وہ بوتلیں رام پرشاد نے گپتاجی کو ساتھ دینے کے لئے منگوا رکھی تھیں اور ایک بوتل وہاں بیٹھ کر پینے کے لئے تھی...... اس روز عمران کے سامنے رام پرشاد نے دو ایسی گولیاں پانی کے ساتھ نگل لی تھیں کہ جن کے کھانے سے اگر آدمی شراب کے دو تین پیگ پی لے تو ان کا نشہ نہیں ہوتا تھا...... عمران نے سٹور روم کی الماری میں سے شراب کی تینوں بوتلیں نکال کر انہیں ایک بڑے لفافے میں ڈالا اور اوپر رام پرشاد کے کمرے میں لے گیا...... کمرے میں جاکر دیکھا کہ رام پرشاد نے گپتاجی کو اسی جگہ صوفے پر بٹھایا تھا جس کے سامنے میز کے نیچے ٹیپ ریکارڈر چپکا ہوا تھا...... یقینی طور پر رام پرشاد نے ٹیپ ریکارڈ چلا دیا ہوگا...... عمران کو دیکھ کر رام پرشاد نے کہا۔

"لاؤ موہن جی لاؤ"۔

اس نے ایک بوتل نکال کر میز پر رکھ دی اور باقی دو لفافے میں ہی پڑی رہنے دیں...... لفافہ گپتاجی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"گپتاجی! یہ دو بوتلیں بلیک لیبل کی آپ کو بھینٹ کرتا ہوں...... میں نے اس کا آپ سے وعدہ کیا تھا"۔

گپتاجی نے ابھی وسکی پینی شروع نہیں کی تھی اس لئے وہ زیادہ نہیں بول رہے تھے...... انہوں نے شراب کی بوتلوں والا لفافہ لے کر اپنے قریب ہی رکھ لیا اور بولے۔

"میں نے بھی اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور اپنی تینوں افواج کے جنگی ساز و سامان کی پوری فہرست نوٹ کر کے لے آیا ہوں...... اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا...... روایتی اسلحہ اور روایتی فوجی جنگی سامان میں بھارت کتنا طاقتور ملک ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے روایتی میدان جنگ میں بھی شکست نہیں دے سکتی...... پاکستان تو ہمارے سامنے کوئی چیز ہی نہیں ہے"۔

اور گپتاجی نے واسکٹ کی اندر والی جیب سے دو تہہ کئے ہوئے کاغذ نکال کر رام پرشاد کی طرف بڑھائے...... رام پرشاد نے دونوں کاغذ لے لئے اور اسے کھول کر آنکھوں کے قریب لاکر پڑھنے کی کوشش کرنے لگا...... یہ سب ایک بہانہ تھا......

عمران رام پرشاد کے پاس ہی بیٹھا ان دونوں کے لئے وسکی کی بوتل کھول کر گلاسوں میں برف کی ڈلیاں رکھ رہا تھا...... رام پرشاد نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ بلب کی روشنی میں ٹھیک طرح سے پڑھ نہیں سکتا...... اس نے کاغذ گپتا جی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"گپتا جی میری قریب کی نظر بہت کمزور ہو گئی ہے"۔

اس دوران عمران نے گپتا جی کا ایک ڈبل پیگ بنا کر ان کے آگے رکھ دیا تھا جس میں سے انہوں نے آدھا گلاس چڑھا لیا تھا...... رام پرشاد کے گلاس میں عمران نے تھوڑی سی شراب ڈال کر باقی گلاس پانی سے بھر دیا تھا...... رام پرشاد نے اسے یہی ہدایت کی تھی...... گپتا جی نے رام پرشاد سے دونوں فل سکیپ کاغذ لیتے ہوئے کہا۔

"رام پرشاد جی" ذرا غور سے سنیں...... آپ کو ابھی پتہ چل جائے گا کہ بھارت کی تینوں فوجوں کی قوت کس قدر زبردست ہے"۔

اور گپتا جی نے کاغذ پر لکھے ہوئے مندرجات پڑھنے شروع کر دیئے...... کہنے لگے۔

"سب سے پہلے بھارتی فوج کی نفری کی طاقت بتاتا ہوں...... ذرا سنیں۔

بکتر بند ڈویژن — سات — 7 ڈویژن

مشینی ڈویژن — پانچ — 5 ڈویژن

ٹیکنیکل مشینی ڈویژن — چھ — 6 ڈویژن

پہاڑی ڈویژن — چودہ — 14 ڈویژن

انفنٹری ڈویژن — بیس — 20 ڈویژن

بکتر بند بریگیڈیئر — سات — 7 ڈویژن

چھاتہ بردار بریگیڈیئر — پانچ — 5 ڈویژن

پیدل بریگیڈیئر جن میں دو پہاڑی بریگیڈیئر بھی شامل ہیں۔ — دس — 10 ڈویژن

ی ڈیپلائے فورس...... کور ہیڈ کوارٹرز

انگ فورس...... میرٹھ ہیڈ کوارٹرز — چار — 4 ڈویژن

انگ فورس...... انبالہ ہیڈ کوارٹرز — دو — 2 ڈویژن

رتی کمان...... دھیمال پور ہیڈ کوارٹرز — چار — 4 ڈویژن

ربی کمان...... بٹھنڈہ ہیڈ کوارٹرز — چار — 4 ڈویژن

ربی کمان...... جالندھر ہیڈ کوارٹرز — تین — 3 ڈویژن

بی کمان...... بودھپور ہیڈ کوارٹرز — چار — 4 ڈویژن

ل کمان...... سرینگر ہیڈ کوارٹرز — چھ — 6 ڈویژن

ل کمان...... ناگ روما۔ جموں ہیڈ کوارٹرز — پانچ — 5 ڈویژن

رتی کمان...... ہیڈ کوارٹرز سیلی گوری — تین — 3 ڈویژن

بر :۔ 15 ویں کور کے ساتھ 3 `9 `15 `14 `7 اور دسواں ڈویژن اور دس بلیڈی ڈیسپلائے پوزیشن میں۔

ل :۔ 16 ویں کور کے ساتھ 10 `25 `21 `29 `30 `32 اور 39 واں یژن بمعہ 16 `3 بکتر بند بریگیڈ، ایک عارضی بکتر بند ڈویژن اور ریزرو اور سپاہیوں ، فالتو بریگیڈ۔

ب :۔ 11 ویں کور کے ساتھ 7 `9 `15 واں ڈویژن ساتھ ہی 33 واں آرمر بلیڈ اور ایک انفنٹری بریگیڈ۔

ویں کور کے ساتھ 16 `18 `24 واں ڈویژن بمعہ 6 آرمرڈ بریگیڈ۔

ات :۔ 12 ویں کور کے ساتھ 11 `12 ڈویژن مع انفنٹری بریگیڈ۔

ا :۔ 33 ویں کور کے ساتھ 12 `10 `5 اور 27 واں ڈویژن۔

ناچل :۔ چوتھی کور کے ساتھ 1 `3 اور 31 واں عارضی بکتر بند ڈویژن۔

لی ریاستیں :۔ تیسری کور کے ساتھ 8 واں اور 5 واں ڈویژن۔

شیر اک کور :۔1 `2` 3 اور 5ویں ڈویژن کے ساتھ ایک عارضی بکتر بند ڈویژن۔

33 مشینی ڈویژن......ایک انفنٹری ڈویژن۔

بھارت کے لئے ٹاسک فورس 6 `12` `14 اور 23واں ڈویژن۔

آرمی ہیڈ کوارٹرز......ریزرو

54واں حملہ آور ڈویژن۔

بٹالین وار تعداد

ٹینک رجمنٹیں	ساٹھ	60
مشینی بٹالین	پچیس	25
پیدل بٹالین	چار سو	400
علاقائی پیدل بٹالین	تیس	30
میدانی توپ خانہ رجمنٹیں	دو سو ساٹھ	260
A.D / توپ خانہ و میزائل رجمنٹیں	ساٹھ	60

بکتر بند، مشینی پیدل اور ایس پی توپ خانہ

T-72......بیس 20 رجمنٹیں

T-55......بیس 20 رجمنٹیں

BMP-1......سکاٹ (Skot) مشینی پیدل بٹالین 25

SP...... 130 ملی میٹر دہانے کی درمیانی بٹالین......4

SP...... 105 ملی میٹر دہانے کی رجمنٹیں......15

SP...... سام، اگنی، شیوا میزائل......10 رجمنٹیں

SP...... سام اور اگنی، گیارہ رجمنٹیں......11

SP...... کیو وائے ڈی 23 ملی میٹر اے ڈی رجمنٹیں...... آٹھ......8،

توپ خانہ

توپ خانہ میں 155 دہانے کی بوفر توپوں کی سات رجمنٹیں 200/60 پہاڑی توپیں، 88 ملی میٹر دہانے کی یعنی 25 پونڈ گولہ پھینکنے والی۔

100 ملی میٹر دہانے کی میدانی توپیں جن کو 105 ملی میٹر دہانے کی بھاری توپوں سے تبدیل کیا جا رہا ہے۔

13 ملی میٹر دہانے کی درمیانی توپیں......55 درمیانی توپیں جن کو بوفر 155 ملی میٹر دہانے کی توپوں سے تبدیل کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ AOP کے گیارہ سکواڈرن جو چیتا ہیلی کاپٹروں سے لیس ہیں۔

فضائی دفاعی توپ خانے میں زیادہ تر 40 ملی میٹر دہانے کی ایل 6 اور ایل 7 توپیں شامل ہیں......اب فضائیہ کو ایک سو پانچ سام میزائل، بارہ اگنی میزائل بھی دیئے جا رہے ہیں۔

طیارہ بردار بحری جہاز	2
طیارہ بردار جہاز پر لڑاکا طیارے	150
بارودی سرنگیں صاف کرنے والے	120 جہاز
تباہ کن جہاز اور آبدوز شکن جہاز	70
بڑے جنگی جہاز	16
متفرق جنگی جہاز	22
فلیٹ ٹینکر	7
آبدوز	2

یہاں پہنچ کر گپتا جی نے دونوں فل سکیپ کاغذ تہہ کر کے اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھ لئے......درمیان میں گپتا جی نے اپنا گلاس خالی کر دیا تھا......عمران نے گلاس میں ان کے لئے ایک اور ڈبل پیگ بنا دیا تھا......گپتا جی گردن تان کر بولے۔

"اب بتاؤ رام پرشاد جی! اتنی بڑی فوجی طاقت کے سامنے پاکستان کتنی دیر لڑ سکے

گا"۔

رام پرشاد یعنی گل خان نے بے اختیار واہ واہ اور جے ہند، جے ہنومان جی کا ہلکا سا نعرہ لگاتے ہوئے کہا۔

"گپتا جی جو کچھ آپ نے سنایا ہے...... اگر ہماری سینا کے پاس اتنی قوت ہے تو ہم تو پاکستان کیا ایک ہی ہلے میں برما، نیپال اور تھائی لینڈ پر بھی قبضہ کر سکتے ہیں"۔

گپتا جی بولے۔

"کیوں نہیں؟ ایک زمانہ تھا کہ تھائی لینڈ سے لے کر انڈونیشیا اور کمبوڈیا تک ویدک کال کے ہمارے راجاؤں کی حکومت تھی۔ ہمارا اصل مشن ان ملکوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کا ہے۔ پاکستان، نیپال اور بھوٹان سکم تو ہم روایتی ہتھیاروں کی جنگ میں ایک گھنٹے میں لے لیں گے"۔

رام پرشاد نے کہا۔

"جنگ اگر اتنی پھیل گئی تو گپتا جی میرے خیال میں پاکستان ضرور ایٹم بم چلا دے گا"۔

گپتا جی نے شراب کا آدھا گلاس چڑھانے کے بعد کہا۔

"اگر پاکستان نے ایٹم بم چلایا تو ہم بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ ہم بھی ایٹم بم چلا دیں گے...... کیا آپ کو یاد نہیں...... جب باجپائی جی بھارت کے پردھان منتری تھے اور انہوں نے ایٹمی دھماکہ کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ اگر ہمارے کسی ہمسایہ ملک نے اب شرارت کی تو ہم اس کے شہروں پر ایٹم بم گرا دیں گے...... ہمسایہ ملک سے باجپائی جی کی مراد پاکستان سے تھی"۔

رام پرشاد نے کمال کی اداکاری کرتے ہوئے گپتا جی کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیار چوم لیا اور بولے۔

"جے ہند...... جے ہند...... گپتا جی آپ نے ہماری فوجی طاقت کے جو آنکڑے (اعداد و شمار) بتائے ہیں اس نے میرے اس وشواش کو پھر سے زندہ کر دیا ہے کہ بھارت بہت جلد سارے ساؤتھ ایسٹ ایشیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر ابھرے گا"۔

گپتا جی نے تیسرا پیگ چڑھاتے ہوئے کہا۔

"رام پرشاد جی بھارت ساؤتھ ایسٹ ایشیا کی سب سے بڑی طاقت بن چکا ہے۔ اب صرف اس علاقے کے ملکوں پر قبضہ کرنا باقی ہے...... اس بار بھارتی جنتا پارٹی نے حکومت بنالی تو یہ کام بھی ہو جائے گا...... کانگریس بزدل ہے وہ کچھ نہیں کر سکتی"۔

عمران یہ سوچ رہا تھا کہ ٹیپ ریکارڈر کی ٹیپ کی ڈیوریشن پون گھنٹہ ہے کہیں وہ ختم نہ ہو گئی ہو...... اسے یقین تھا کہ اگر ٹیپ ختم بھی ہو گئی ہو تو گپتا جی نے بھارت کی فوجی قوت کے جو اعداد و شمار بتائے ہیں وہ ضرور ریکارڈ ہو گئے ہوں اور انہیں اس کی ہی ضرورت تھی...... عمران نے محسوس کیا کہ رام پرشاد یعنی گل خان بھی یہی چاہتا تھا کہ گپتا جی وہاں سے نو دو گیارہ ہوں اور وہ ٹیپ چیک کرے...... خطرہ یہی تھا کہ اگر ٹیپ کسی وجہ سے رک گئی ہو گی تو یہ اعداد و شمار دوبارہ ملنے مشکل ہوں گے...... اس دفعہ شراب نے وہ کام کر دکھایا تھا جو عمران کا کوئی بھی کمانڈو آپریشن سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔

رام پرشاد نے گپتا جی کو وہاں سے چلتا کرنے کے لئے یہ کہا کہ اپنا گلاس میز پر الٹا دیا اور کہا۔

"بس گپتا جی! میں اور نہیں پیوں گا...... باقی کی بوتل بھی آپ اپنے ساتھ ہی لے جائیے گا"۔

گپتا جی نے اس کے بعد رام پرشاد کو مزید پینے کے لئے بالکل نہ کہا اور بوتل میں آدھی سے زیادہ شراب بچ گئی تھی اسے اپنے قبضے میں کرتے ہوئے بوتل پہلی دو بوتلوں والے لفافے میں ڈالی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔

"موہن داس جی! میرے لئے کوئی ٹیکسی پکڑو...... اب میں گھر جاؤں گا"۔

رام پرشاد نے یونہی منہ رکھنے کے لئے کہہ دیا۔

"گپتا جی کچھ جل پانی نہیں کریں گے؟"۔

گپتا جی نے کہا۔

"نہیں رام پرشاد جی...... یہ کام گھر پہنچ کر ہی کروں گا"۔

اصل میں گپتا جی اعلیٰ ترین ولایتی شراب کی ڈھائی پونے تین بوتلوں پر قبضہ جمانے کے بعد انہیں جلدی سے جلدی اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے۔ عمران نیچے گیا...... اس نے ایک خالی ٹیکسی رکوائی اور کمرے میں آ کر کہا۔

"ٹیکسی آ گئی ہے مہاراج!"۔

رام پرشاد گپتا جی کو سہارا دے کر نیچے اتر گیا...... رام پرشاد نے کہا بھی کہ بوتلو کا لفافہ مجھے پکڑا دیجئے مگر گپتا جی نے سنی ان سنی کر دی اور لفافہ اپنی بغل میں ہی دبا رکھا۔ رام پرشاد نے انہیں ٹیکسی میں بیٹھا کر رخصت کر دیا اور عمران کو اوپر کمرے آنے کا اشارہ کیا...... وہ کمرے میں چلا گیا...... تھوڑی دیر بعد رام پرشاد یعنی گل خ بھی آ گیا...... عمران نے ابھی تک میز کے نیچے چپکے ہوئے چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈ ہاتھ نہیں لگایا تھا...... گل خان یعنی رام پرشاد نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی اور میز کے نیچے سے ٹیپ ریکارڈر نکال کر اسے ریوائنڈ کیا اور شروع سے لگا دیا...... گپتا جی رام پرشاد کی باتوں کی آوازیں بڑی صاف ریکارڈ ہوئی تھیں...... رام پرشاد کہنے لگا۔

"خدا کا شکر ہے ٹیپ ریکارڈر نے دھوکا نہیں دیا ورنہ دوبارہ گپتا جی سے اعداد و والا کاغذ حاصل کرنا ناممکن تھا"۔

رام پرشاد نے ٹیپ کو فارورڈ کر کے وہاں سے اون کیا جہاں گپتا جی نے بھارت فوجی قوت اور جنگی ساز و سامان کے اعداد و شمار پڑھنے شروع کئے تھے...... ایک ایک پوری طرح سے سنی جا رہی تھی...... رام پرشاد نے عمران سے کہا۔

"تمہارا کام یہ ہے کہ نیچے سے کاغذ پنسل لے آؤ اور گپتا جی کے بتائے ہو سارے اعداد و شمار بڑی توجہ سے ایک ایک کر کے کاغذ پر لکھتے جاؤ...... بے شک دو

لگ جائیں لیکن کوئی آئٹم رہ نہ جائے...... اندر سے چٹخنی لگا لینا"۔

یہ کہہ کر رام پرشاد نیچے چلا گیا...... عمران نیچے سے کاغذ اور بڑا رجسٹر اٹھا کر لے آیا...... ہلکی آواز میں ٹیپ کو اون کیا اور ایک ایک آئٹم کو لکھتا چلا گیا، جہاں لکھتے لکھتے پیچھے رہ جاتا وہیں ٹیپ کو ریوائنڈ کر کے پھر سے لکھنے لگتا...... اس طرح کوئی دو ڈھائی گھنٹے لگ گئے مگر بھارتی بحری بری اور فضائی افواج کی جنگی قوت اور فوجی ساز و سامان کے وہ تمام خفیہ اعداد و شمار دو فل سکیپ کاغذوں پر منتقل ہو گئے جس کی عمران کے ملک کو اشد ضرورت تھی...... ہماری ملٹری انٹیلی جنس کو بھارت کی فوجی طاقت کا کافی علم تھا مگر اتنی تفصیل کے ساتھ اعداد و شمار شاید ان کے پاس بھی نہیں تھے۔

گل خان عرف رام پرشاد کوئی تین چار گھنٹے بعد اوپر آیا اور عمران سے پوچھا۔

"سب کام ٹھیک ہو گیا ہے"۔

عمران نے فوجی ساز و سامان کے اعداد و شمار والے دونوں کاغذ اس کے سامنے رکھ دیئے...... رام پرشاد بولا۔

"میں سمجھتا ہوں اللہ کی ہم پر خاص مہربانی ہوئی ہے ورنہ یہ دستاویز حاصل کرنا اتنا آسان نہیں تھا"۔

گل خان یعنی رام پرشاد نے دونوں کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھے اور کہا۔

"میں اس کی دو تین فوٹو کاپیاں نکالنا چاہتا ہوں تاکہ اگر کہیں اصل کاپی گم ہو جائے تو اس کی کاپیاں ہمارے پاس موجود ہوں...... تمہارا ایک مشن ختم ہو گیا ہے...... اب تم صبح صبح حاجی صاحب کے پاس چلے جانا اور دونوں کاغذ انہیں دکھا دینا...... اس کی دونوں کاپیاں میں اپنے پاس رکھوں گا"۔

رات ہی کو گل خان عرف رام پرشاد نے دونوں فل سکیپ صفحات کی فوٹو کاپیاں کروا لیں اور اصل کاپی اس نے عمران کو دے دی...... رات عمران رام پرشاد کے ہوٹل میں ہی رہا...... اگلے روز سورج نکلنے سے ذرا پہلے اس نے ٹیکسی پکڑی اور حاجی صاحب

کے ہوٹل میں پہنچ گیا...... حاجی صاحب اپنے ہوٹل والے کمرے میں جاگ رہے تھے...... اس نے جاتے ہی جنگی سازوسامان کی پوری فہرست کے دونوں کاغذات حوالے کر دیئے...... حاجی صاحب انہیں غور سے پڑھنے لگے...... جب دونوں کاغذوں پر لکھے ہوئے سارے اندراج پڑھ چکے تو عمران کی طرف تجسس آمیز نظروں سے دیکھ کر بولے۔

"یہ تم نے بڑا کمال کر دکھایا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"کمال تو آپ کے رحیم پرشاد یعنی گل خان نے دکھایا ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"بس ٹھیک ہے...... اب فوراً یہ دونوں کاغذ لے کر سیدھے گجرات کاٹھیاواڑ اپنے شاہ جی کے پاس پہنچو، مگر ان کاغذات کی سخت حفاظت کرنی ہوگی"۔

عمران نے کہا۔

"اگر یہ گم بھی ہوگئے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے...... اپنے گل خان کے پاس ان کی دو فوٹو کاپیاں موجود ہیں"۔

حاجی صاحب بولے۔

"تم یہی سمجھو کہ یہ فائنل کاپی ہے اور تم اسی طرح اس کی حفاظت کرو گے جیسے اگر یہ گم ہو گئی تو تمہیں یہ اعداد و شمار دوبارہ کہیں سے نہ مل سکیں گے"۔

عمران نے حاجی صاحب سے کہا کہ وہ سٹیشن پر کسی آدمی کو بھیج کر یا انکوائری ٹیلی فون کر کے معلوم کروا دیں کہ احمد آباد کی گاڑی کس وقت چھوٹتی ہے......

"میرا خیال ہے کہ مجھے رات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے اور دن کے وقت ہی آباد کی طرف نکل جانا چاہئے...... احمد آباد سے مجھے بہاؤ نگر جانے والی کوئی نہ کوئی گاڑی مل جائے گی"۔

حاجی صاحب نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"میاں! دن کی روشنی میں تمہارا سفر کرنا مناسب نہیں...... صبح دن نکلنے سے پہلے ایک گاڑی احمد آباد کی طرف جاتی ہے...... میں اس کا ایک ٹکٹ منگوا کر رکھ لوں گا...... تم دلی سے منہ اندھیرے نکلو تو زیادہ بہتر ہے"۔

عمران بولا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

حاجی صاحب نے عمران کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ ان کے ہوٹل میں رات بسر کرنے کی بجائے شہر سے باہر ان کے پلاٹ والی کوٹھڑی میں چلا جائے اور وہیں رات بسر کر کے وہیں سے سٹیشن کی طرف چل دے...... چنانچہ عمران کچھ دیر کے بعد حاجی صاحب سے اجازت لے کر رکشے میں سوار ہو کر ان کے پلاٹ میں جو نوکر پیشے کے لئے دو کوٹھڑیاں بنائی تھیں اس طرف روانہ ہو گیا۔

سارا دن اس نے وہیں گزارا...... رات کو کھانا کھا کر وہیں سو گیا...... بوڑھے چوکیدار کو اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے صبح صبح جگا دیا جائے...... عمران چھوٹے سے کوٹھڑی نما کمرے میں بتی گل کر کے دو کمبل اوڑھ کر سو رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی...... وہ آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنے لگا...... اسے محسوس ہوا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی ہے...... وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر پھر کسی نے دستک دی...... عمران نے جلدی سے کمبل ایک طرف کئے اور اٹھ کر دروازے کے پاس جا کر دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کون ہے؟"۔

"میں ہوں...... دروازہ کھولو"۔

یہ حاجی صاحب کی آواز تھی...... عمران سوچنے لگا...... خدا خیر کرے...... حاجی

صاحب رات کے وقت کیسے آگئے ہیں...... اس نے دروازہ کھول دیا...... حاجی صاحب اندر آگئے اور بولے۔

"دروازہ بند کر کے بتی جلاؤ"۔

عمران نے دروازے کی چٹخنی لگا کر بتی روشن کر دی...... حاجی صاحب کمبل کی بکل مار کر آئے تھے......اس رات دلی میں کافی سردی تھی...... حاجی صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"حاجی صاحب! خیریت تو ہے نا؟"۔

عمران نے پوچھا...... حاجی صاحب نے کہا۔

"میرے سامنے چارپائی پر بیٹھ جاؤ...... خیریت ہی ہے"۔

عمران چارپائی پر بیٹھ گیا۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"اب تمہیں احمد آباد اور پھر اس کے آگے بہاؤنگر جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

کیونکہ بہاؤنگر والے شاہ جی کل رات کو خود ہی یہاں دلی پہنچ رہے ہیں"۔

"وہ کس سلسلے میں آرہے ہیں؟" عمران نے تجسس سے پوچھا۔ حاجی صاحب بولے۔

"مجھے انہوں نے ٹیلی فون پر کہا ہے کہ عمران کو وہیں روک لو...... میں خود ایک ضروری پیغام اس کے لئے لے کر آرہا ہوں"۔

عمران خاموش ہو گیا...... حاجی صاحب کہنے لگے۔

"میرا اندازہ ہے کہ وہ تم سے کوئی بڑی اہم بات کرنے والے ہیں...... یہ بات ٹیلی فون پر نہیں بتا سکتے تھے...... ورنہ مجھے ضرور بتا دیتے...... بہر حال تم اس کوٹھڑی میں رہنا...... رات کو وہ جس وقت بھی آئے...... میں انہیں لے کر تمہارے پاس آ جاؤں گا...... ریل کا ٹکٹ مجھے دے دو اور آرام کرو"۔

عمران نے جیکٹ کی جیب سے ٹکٹ نکال کر حاجی صاحب کو دے دیا اور وہ کمبل کی بکل مار کر وہاں سے نکل گئے......ان کے جانے کے بعد عمران سوچ میں پڑ گیا کہ ایسا کون سا ضروری کام آن پڑا ہے کہ جس کے لئے شاہ جی عرف چندر کانت جی کو خود اس کے پاس دلی آنا پڑ رہا ہے...... ان لوگوں کا کام ہی ایسا تھا کہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا......ابھی کسی فائیو سٹار ہوٹل کے آرام دہ بستر پر سو رہے ہیں اور فوراً ایک ٹیلی فون آتا ہے اور وہ ہوٹل سے فرار ہو کر تھرڈ کلاس مسافر خانے کے ننگے بنچ پر صرف ایک چادر اوڑھے سردی میں پڑے ہیں...... ہو سکتا ہے کہ شاہ جی نے دلی والے حاجی صاحب کو خفیہ الفاظ میں ٹیلی فون پر بتا دیا ہو کہ وہ کس لئے خود دلی آرہے ہیں، مگر حاجی صاحب نے اس راز کو چھپائے رکھا ہو...... جاسوسی کے کام میں رازداری کو ریڑھ کی ہڈی کا درجہ حاصل ہے......اگر ریڑھ کی ہڈی کا ایک بھی مہرہ ذرا سا کھسک جائے تو جاسوسی کا سارا بدن بیکار ہو سکتا ہے...... عمران نے سارا دن ذہنی کشمکش میں گزارا...... شام ہوئی تو اس نے چوکیدار کی کوٹھڑی میں ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر حاجی صاحب اور شاہ جی کا انتظار شروع کر دیا...... حاجی صاحب تو دلی ہی کے رہنے والے ایک مرد مومن قسم کے مسلمان تھے......پاکستان اور اسلام پر ان کی جان فدا تھی...... کشمیر میں ہندو فوج نہتے کشمیری مسلمانوں پر جو ظلم اور بربریت کر رہی تھی اس کے خیال ہی سے حاجی صاحب کا خون کھول اٹھتا تھا...... یہی جذبہ انہیں بھارت کی راجدھانی دلی میں بیٹھ کر کشمیری مسلمانوں پاکستان اور اسلام کے لئے کام کرنے کے واسطے ایک ایسے مقام پر لے آیا تھا کہ جہاں کسی بھی وقت بھارتی حکومت حاجی صاحب اور ان کے تمام اہل خانہ اور بال بچوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی...... اپنے ملک میں بیٹھ کر دوسرے ملکوں کے سفارت خانوں کی جاسوسی کرنے میں اپنی جان جانے کا خطرہ نہیں ہوتا...... اپنے ملک میں آدمی محفوظ ہوتا ہے...... لیکن دشمن کے ملک میں بیٹھ کر اپنے وطن، اپنے ملک

کے لئے جاسوسی کرنا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آدمی زہریلے سانپوں کے غار میں داخل ہو جائے اور پھر یہ بھی سوچے کہ وہ خیریت سے واپس آجائے گا...... حاجی صاحب اور ہمارے شاہ جی عرف چندر کانت زہریلے سانپوں کے غار میں بیٹھے تھے اور کوئی نہ کوئی سانپ کسی بھی وقت ڈس کر انہیں موت کی نیند سلا سکتا تھا...... یہ بڑی بہادری، بلند حوصلے، حب الوطنی اور اسلام سے محبت کے اعلیٰ ترین جذبے اور بڑے دل گردے کا کام تھا...... دلی والے حاجی صاحب اور بہاؤنگر گجرات کاٹھیاواڑ کے شاہ جی یہی کام کر رہے تھے...... اس لئے میں نے ان کے اصل نام نہیں لکھے...... فرضی نام لکھے ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے بتانے والے نے مجھے بھی ان کے نام اور رہنے کی جگہ کا محل وقوع فرضی ہی بتایا ہو...... اصلی نام اور اصلی جگہ نہ بتائی ہو۔

رات کے گیارہ سوا گیارہ بجے کا ٹائم تھا کہ حاجی صاحب اور بہاؤنگر والے شاہ جی عرف چندر کانت آگئے...... ان کے ساتھ عمران کا ساتھی کمانڈو جبران بھی تھا...... جبران کو دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی اور حوصلہ بھی ہوا...... شاہ جی جیسا کہ آپ کو ان کے مزاج کا علم ہو چکا ہو گا، بڑے حقیقت پسند واقع ہوئے تھے اور مطلب کی بات کے سوا دوسری کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے تھے...... آتے ہی عمران سے کہنے لگے۔

"اپنے آدمی گل خان کے ساتھ مل کر تم نے انڈین آرمی، ایئر فورس اور نیوی کی جنگی طاقت اور جنگی ساز و سامان کی جو فہرست حاصل کی ہے اس کی ایک کاپی مجھے حاجی صاحب سے مل گئی ہے...... تم نے اپنا فرض بڑی ذمے داری سے نبھایا ہے...... اب تمہیں ایک اور فرض پورا کرنا ہے"۔

سنو......

دلی والے حاجی صاحب بولے۔

"ایک منٹ"۔

اور وہ اٹھ کر دروازے تک گئے جو بند تھا...... آہستہ سے چٹخنی اتار کر جلدی سے دروازہ کھول کر باہر جھانک کر دیکھا...... جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ باہر کوئی شخص ان کی باتیں نہیں سن رہا تو بڑے آرام سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا کر کمانڈو جبران کے پاس آکر بیٹھ گئے اور شاہ جی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اب بات کیجئے...... ہماری باتیں کوئی دوسرا نہیں سن رہا"۔

شاہ جی عمران کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئے اور کہا۔

"اگلے مہینے کے پہلے ہفتے میں روس کا ایک تجارتی وفد بھارت کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کرنے بھارت آرہا ہے...... یہ وفد بمبئی کے ایئر پورٹ پر اترے گا اور بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں ٹھہرے گا اور اسی ہوٹل میں اس تجارتی معاہدے پر دستخط بھی ہوں گے...... بھارت کا ایک وفد جس میں وزیر تجارت، سیکرٹری فنانس اور سیکرٹری امور خارجہ شامل ہیں بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں آکر ٹھہریں گے...... ظاہری طور پر روس کا یہ تجارتی وفد ہو گا اور اخبارات کو بھی یہی بیان دیا جائے گا کہ روس کا ایک تجارتی وفد بھارت کے ساتھ چاول اور گیہوں اور دوسری خوردنی اجناس کی برآمد کا معاہدہ کرنے بھارت آیا ہے، لیکن حقیقت میں روس کا یہ ایک انتہائی اہم فوجی وفد ہے جو بھارت کے ساتھ پاکستان سے جنگ کی صورت میں روس کی فوجی امداد کے سلسلے میں ایک ڈیفنس پیکٹ یعنی فوجی معاہدے پر دستخط کرنے بھارت آئے گا...... بھارت کی طرف سے سیکرٹری فنانس اور وزیر تجارت کے علاوہ بھارت کے محکمہ دفاع کے اعلیٰ عہدے دار اور فوجی افسر عام لباس میں بھارتی وفد میں شامل ہوں گے...... یہ رازداری اس لئے برتی جا رہی ہے کہ دلی میں موجود دوسرے سفارت خانوں کو خاص طور پر پاکستان اور پاکستان کے دوست ممالک ایران، ترکی، سعودی عرب اور چین کے سفارت خانے کو پتہ نہ چل سکے کہ بھارت نے روس کے ساتھ کوئی خفیہ فوجی معاہدہ بھی کیا ہے جس میں روس نے بھارت کو لکھ کر دیا ہے کہ وہ جنگ کی صورت میں بھارت کو پاکستان کے خلاف جو فوجی امداد دے گا اس میں اتنے بمبار اور لڑاکا طیارے

فلاں ایئرپورٹ پر مہیا کرے گا...... اتنے میزائل، آبدوز شکن فریگیٹ وغیرہ دے گا...... ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پاکستان سے جنگ کی صورت میں روس بھارت کو دوایٹمی آبدوزیں بھی دے گا جو پاکستان کے جنگی جہازوں کو ان کے اڈوں پر کھڑے کھڑے تباہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے...... ہماری انٹیلی جنس نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ روس پاکستان کے ساتھ جنگ کی صورت میں بھارت کو ایسے ٹینک شکن راکٹ بھی ہزاروں کی تعداد میں دے گا جس کے آگے بہت چھوٹے چھوٹے ایٹمی وار ہیڈ لگے ہوں گے، لیکن جن میں اتنی طاقت ہوگی کہ وہ ٹینک میں لگتے ہی اسے پگھلادیں گے...... کیا تم سن رہے ہو میں تمہیں کیا کہہ رہا ہوں؟"۔

شاہ جی عرف چندر کانت نے عمران کی طرف ذرا سا جھک کر کہا...... عمران کی آنکھیں کھلی تھیں اور ذہن پوری طرح بیدار تھا...... کہنے لگا۔

"شاہ جی! آپ نے جو کچھ کہا ہے میں نے اس کا ایک ایک لفظ غور سے سنا ہے...... آپ کہیں تو دہرادوں؟"۔

شاہ جی بولے۔

"اس کی ضرورت نہیں...... وقت ضائع ہوگا...... سنو۔ اصل بات میں اب کرنے لگا ہوں...... ہمارے ملک یعنی پاکستان کو رُوس کے ساتھ بھارت کے فوجی معاہدے میں جو امدادی سامان درج ہے اس کے اعداد و شمار کی ایک کاپی کی ضرورت ہے...... تاکہ دشمن کے ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا جائے اور اپنے دفاع کو دشمن کے حملے کے خلاف ناقابل شکست بنایا جاسکے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ دشمن نے رُوس سے کون کون سے مہلک ہتھیار ہمارے خلاف استعمال کرنے کے لئے حاصل کئے ہیں اور وہ کون سا ایئرپورٹ ہے ... پاکستان سے جنگ کی صورت میں رُوس سے بمبار اور لڑاکا طیارے آکر اتریں گے...... یہ کام تمہارے اور کمانڈو جبران یعنی تم دونوں کے سپرد کیا جارہا ہے...... لیکن

یں یہ ڈیوٹی سونپنے سے پہلے تم سے پوچھنا ضروری ہے کہ کیا تم یہ کام کرسکو گے؟"۔

عمران نے کہا۔

"کیوں نہیں کرسکوں گا سر؟ میں اپنی جان دے کر بھی یہ کام کروں گا...... یہ ے ملک کی سالمیت اور اسلام کے ناموس کا سوال ہے"۔

دو اور دو چار کے اصول پر عمل کرنے والے حقیقت پسند شاہ جی نے کہا۔

"ہمیں تمہاری جان کی قربانی کی ضرورت نہیں ہے...... ہمیں بھارت اور رُوس ، جنگی معاہدے کی نقل کی ضرورت ہے اور یہ کام تمہیں اور جبران کو زندہ رہ کر کرنا گا"۔

جبران بولا۔

"سر! اس سلسلے میں ہمیں چند ایک ابتدائی معلومات کی ضرورت ہوگی"۔

"مثلاً کس قسم کی معلومات؟" شاہ جی نے پوچھا۔

کمانڈو جبران نے عمران کے دل کی بات پوچھی تھی...... عمران نے کہا۔

"مثلاً یہ کہ اگر بھارت اور رُوس کے درمیان جنگی معاہدہ دلی کی بجائے بمبئی میں رہا ہے تو کیا اس کے دستاویزات صوبہ مہاراشٹر کی حکومت کی تحویل میں رہیں گے یا رکزی حکومت کے پاس رہیں گے"۔

شاہ جی نے حاجی صاحب کی طرف دیکھا...... اور کہا۔

"اس کا جواب تم مجھ سے بہتر دے سکتے ہو؟"۔

"اس سلسلے میں ہمارا خاص آدمی گل خان، جو رام پرشاد کے نام سے اسی دلی شہر ں ہوٹل چلا رہا ہے اور جس نے بھارتی فوجی ساز و سامان کے اعداد و شمار تمہیں مہیا رکے دیئے ہیں، وہی تمہاری راہ نمائی کرے گا...... اس کو معاملے کی تمام تفصیلات ے آگاہ کردیا جائے گا...... تم دونوں رام پرشاد یعنی گل خان سے ملو گے"۔

شاہ جی نے پوچھا۔

”کوئی اور بات پوچھنی ہو تو وہ بھی بتا دو“۔

عمران بولا۔

”اور کوئی خاص بات پوچھنے والی نہیں ہے“۔

شاہ جی نے کہا۔

”ٹھیک ہے...... باقی سب کچھ تمہیں خود کرنا ہو گا...... ایک بات یاد رکھنا...... یہ بڑا حساس نازک اور خطرناک ترین مشن ہے“۔

ہر قدم پر تمہارے پکڑے جانے کا امکان ہو گا...... اگر پکڑے گئے تو کیا کرو گے؟“۔

عمران نے فوراً جواب دیا۔

”اگر پکڑے گئے تو اپنے فرضی نام کے سوا اور کچھ نہیں بتائیں گے“۔

شاہ جی نے بھی فوراً کہا۔

”چاہے تمہارے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا جائے“۔

”جی ہاں“ عمران نے تائید کرتے ہوئے کہا...... ”چاہے ہماری بوٹی بوٹی کر دی جائے...... ہم اپنا فرضی نام بتانے کے سوا کچھ نہیں کہیں گے“۔

شاہ جی نے کہا۔

”ہمیں تم دونوں سے یہی توقع ہے...... ہم تمہیں زہریلی ٹیوب بھی دے رہے ہیں جسے تم عقل داڑھ کے اندر چھپا کر رکھو گے اور مشکل کے وقت اسے دانتوں سے توڑ کر خودکشی کر سکتے ہو، لیکن خودکشی ہمارے دین میں حرام ہے...... تم کسی حالت میں بھی خودکشی نہیں کرو گے“۔

”ہم خودکشی ہرگز نہیں کریں گے“۔

”شاباش“ شاہ جی عرف چندر کانت نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا...... ”تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ تم گل خان یعنی رام پرشاد سے کہہ کر حاصل کر لو گے...... رام پرشاد بڑے کام کا اور بڑے اثر و رسوخ والا آدمی ہے...... اس سلسلے میں وہ تم دونوں کی ٹھیک ٹھیک راہ نمائی کرے گا...... کوئی اور بات پوچھنی ہو تو پوچھ سکتے ہو...... کیونکہ مجھے آج ہی رات واپس بھی جانا ہے“۔

عمران نے کہا۔

”میرا خیال ہے ہمیں کچھ نہیں پوچھنا“۔

”او کے“ شاہ جی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

شاہ جی کے اٹھتے ہی حاجی صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے...... کہنے لگے۔

”تم دونوں یہیں بیٹھو...... میں شاہ جی کو چھوڑ کر ابھی واپس آتا ہوں“۔

حاجی صاحب شاہ جی یعنی چندر کانت کے ساتھ ہی کمرے سے باہر چلے گئے...... اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے...... ان لوگوں کے جانے کے بعد کمانڈو جبران اور کمانڈو عمران حاجی صاحب کے خالی پلاٹ والے چھوٹے سے عارضی کمرے میں اکیلے رہ گئے اور اپنے نئے مشن کے بارے میں کچھ سوچنے اور باتیں کرنے لگے......

کمانڈو جبران نے عمران سے پوچھا۔

”میرا مشورہ یہ ہے کہ جس روز بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں بھارت اور روس کے وفد کے درمیان فوجی معاہدے پر دستخط ہوں گے ہم میں سے کسی ایک کو وہاں موجود ہونا چاہئے“۔

عمران نے کہا۔

”یہ تم نے بڑی صحیح بات کی ہے...... اس سے پہلے کہ ہم گل خان یعنی رام پرشاد سے فوجی معاہدے کے بارے میں معلومات حاصل کریں، ہمیں اپنے طور پر یہ سوچنا چاہئے کہ ہم فوجی معاہدے کے روز تاج محل ہوٹل میں کس حیثیت سے داخل ہوں گے، کیونکہ ظاہر ہے اس روز وہاں سیکورٹی کا زبردست انتظام ہو گا اور انٹیلی جنس والے جگہ جگہ بیٹھے آنے جانے والوں کی نگرانی کر رہے ہوں گے“۔

کمانڈر جبران نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمارا معاہدے سے پہلے ایک دفعہ تاج محل ہوٹل میں جا کر وہاں کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے...... اس کے بعد ہی کچھ سوچا جا سکتا ہے"۔

عمران کو جبران کی یہ تجویز اچھی لگی...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اس بارے میں کل گل خان یعنی رام پرشاد سے ملاقات کرتے ہیں...... اس کا مشورہ بھی ضروری ہے"۔

جب یہ طے پا گیا تو دونوں اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹ گئے...... تھوڑی دیر بعد وہ سو رہے تھے، لیکن گہری نیند نہیں سوئے تھے...... کمانڈو کبھی گہری نیند نہیں سوتا۔

✿ ✿ ✿

شاہ جی یعنی چندر کانت اسی رات بہاؤنگر واپس روانہ ہو گئے تھے...... دوسری
ف اپنے دلی والے حاجی صاحب نے کسی خفیہ ذرائع سے گل خان یعنی رام پرشاد جی
مران اور کمانڈو جبران کے نئے مشن کے بارے میں تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا
...... یہ سب کچھ راتوں رات ہی ہو گیا تھا، چنانچہ صبح جب کمانڈو عمران چاندنی چوک
لے اپنے خاص جاسوس گل خان عرف رام پرشاد جی کے ہوٹل میں امرتسر والے
جگل پرشاد کے بھتیجے موہن داس کے روپ میں پہنچا تو اس کے ماتھے پر ہندوانہ
لگا ہوا تھا اور لباس کھدر کا کرتہ اور تنگ موری والے پاجامے اور واسکٹ پر مشتمل
گل خان عرف رام پرشاد کو عمران کے نئے مشن کے بارے میں تمام تفصیلات کا
ت کو ہی علم ہو چکا تھا...... اس نے ہوٹل میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ عمران یعنی موہن
امرتسر اپنے چچا لالہ جگل پرشاد کو ملنے گیا ہوا ہے، چنانچہ عمران کو دیکھتے ہی گل
عرف رام پرشاد جی بولے۔

موہن داس! امرتسر سے کب آئے؟۔

کمانڈو عمران نے بڑی انکساری کے ساتھ کہا۔

"مہاراج! ابھی سیدھا سٹیشن سے آ رہا ہوں"۔

"اچھا اچھا" گل خان عرف رام پرشاد جی نے کہا...... "کل شام کی گاڑی میں
ر سے بیٹھے ہو گے"۔

"جی ہاں لالہ جی" عمران نے بڑے ادب سے کہا۔

"ہمارے دوست اور تمہارے چچا لالہ جگل پرشاد جی کا کیا حال ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہیں جی...... آپ کو پرنام کہہ رہے تھے"۔

"چلو اچھا ہوا تم اپنے رشتے داروں سے مل آئے جاؤ اپنے کمرہ نمبر پندرہ میں جا
کچھ دیر آرام کرو"۔

یہ ساری باتیں رام پرشاد جی نے دلی کے سی آئی ڈی والے تلک چند مہرہ صاد
کو سنانے کے لئے کہی تھیں جو اس وقت رام پرشاد جی کے پاس ہی بیٹھا سگریٹ
ہوئے عمران کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا...... عمران اوپر اپنے کمرے میں آگیا...... یہ
ایک ٹرنک میں اس کے ہندوانہ کپڑے وغیرہ اسی طرح پڑے تھے...... رام پرشاد جی
اوپر اس کے لئے چائے بھجوادی تھی۔ عمران بوسیدہ سی چارپائی پر بیٹھ کر چائے پیئے
سوچنے لگا کہ رام پرشاد یعنی گل خان سے کس وقت اپنے مشن کے بارے میں
ہو سکے گی...... یہ طے کرنا رام پرشاد کا کام تھا۔

چائے پی کر عمران نیچے آکر کاؤنٹر پر بیٹھ گیا اور بل وغیرہ بنانے کے کام
مصروف ہو گیا...... اس وقت سی آئی ڈی والے مہرہ صاحب جا چکے تھے اور رام پر
ایک سردار جی کے پاس آرام کرسی پر بیٹھے بھارت کے انتخابات کے بارے میں
کر رہے تھے اور بڑے پرجوش انداز میں باجپائی کی حمایت کرتے ہوئے کہہ رہے۔

"سردار جی! میری بات آج نوٹ کر لو...... اس دفعہ بھارت کے چناؤ میں
بھارتی جنتا پارٹی بھاری بہومت (اکثریت) سے جیتے گی"۔

رام پرشاد جی نے کنکھیوں سے کمانڈو عمران کو دیکھ لیا تھا کہ وہ اوپر سے آکر
پر بیٹھ کر کام کرنے لگا ہے...... وہ بھی یہی چاہتے تھے، یہ تو آپ اپنے خاص جاسو
خان عرف رام پرشاد جی کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ وہ ایک لمبی مدت سے

راجدھانی دلی میں رام پرشاد کے نام سے جاسوسی کر رہے تھے اور انہوں نے اپنے
کو زبردست دیش بھگت یعنی بھارت دیش سے محبت کرنے والا مشہور کر رکھا تھا
اس کی ملاقاتیں بھارتی جنتا پارٹی کے لیڈر ایڈوانی اور باجپائی سے بی جے پی کے دلی
آفس میں ہوتی رہتی تھیں...... یہیں رام پرشاد نے محکمہ ڈیفنس کی سیکرٹ سروس
عہدے دار گپتا جی سے تعلقات بڑھائے تھے...... گپتا جی کم گو آدمی تھے مگر شراب
ی زبردست کمزوری تھی اور شراب میں وہ بلیک لیبل سکاچ وسکی کے دیوانے تھے،
نچہ اپنے جاسوس رام پرشاد (گل خان) نے گپتا جی کو بلیک لیبل سکاچ وسکی کی تین
لیں تحفے کے طور پر دے کر اس سے بھارت کی آرمی، نیوی اور ایئر فورس کی جنگی
ت اور جنگی ساز و سامان کی دو صفحات پر مشتمل فہرست حاصل کی تھی اور یہ فہرست
کے حاجی صاحب اور بہاؤ نگر کے اپنے تجربہ کار جاسوس شاہ جی کی وساطت سے
تان پہنچ چکی تھی۔

اب عمران اور کمانڈو جبران کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم اور پیچیدہ مشن
...... انہیں تاج محل ہوٹل بمبئی میں روس اور بھارت کے درمیان طے پانے والے
ا معاہدے کی ایک نقل کسی طرح سے حاصل کر کے پاکستان بھجوانی تھی...... یہ
شن سے بھی زیادہ نازک، دشوار اور پیچیدہ اور اہم مشن تھا...... اس فوجی معاہدے
ی نقل کی ہمارے ملک پاکستان کو بے حد ضرورت تھی تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ
ن ہمارے خلاف جو محاذ آرائی کر رہا ہے اس کی نوعیت کیا ہے اور روس اسے کتنا فوجی
ن اور لڑاکا طیارے، نیوکلر وار ہیڈ والے ٹینک شکن میزائل اور ٹینک وغیرہ دے رہا
اور اگر روس بھارت کو آبدوز بھی دے رہا ہے تو کتنی آبدوزیں دے رہا ہے تاکہ
کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا جا سکے۔

سارا دن اپنے جاسوس رام پرشاد جی نے عمران سے مطلب کی کوئی بات نہ کی......
ے متعلق کوئی بات آتے جاتے کر لیتے...... دوپہر کا کھانا بھی عمران نے کاؤنٹر

پر بیٹھے بیٹھے ہی کھایا...... دوپہر کے بعد رام پرشاد یہ کہہ کر باہر چلے گئے کہ ایک پا
کوئی فنکشن کر رہی ہے جہاں ہمیں چائے پیسٹری سپلائی کرنے کا کنٹریکٹ مل
ہے...... میں ان سے بات کرنے جارہا ہوں...... دوپہر کے گئے وہ شام کو وا
آئے...... آتے ہی عمران سے کہا۔

"موہن داس! بہت کام کر چکے ہو...... اوپر جاکر کچھ دیر آرام کرو"۔

عمران اپنے کمرے میں آگیا...... اس کا خیال تھا کہ شاید رام پرشاد جی اس
اپنے مشن کے بارے میں کوئی بات کرنے آئیں مگر وہ نہ آئے...... عمران اپنے کم
میں ہی لیٹا دلی کے انگریزی اور ایک دو اردو کے اخبار پڑھتا رہا......

......رات کو اس نے کھانا بھی اپنے کمرے میں
منگوا کر کھایا...... اس کے بعد وہ نیچے ہوٹل میں آگیا...... رام پرشاد جی کاؤنٹر پر
روزانہ کی بکری کا حساب کتاب کر رہے تھے۔ عمران اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ
چائے پینے لگا...... رام پرشاد جی نے کام سے فارغ ہونے کے بعد عمران سے کہا۔

"موہن داس! یہ ذرا حساب تو چیک کرنا"۔

اور انہوں نے ایک رجسٹر عمران کی طرف بڑھادیا...... عمران رجسٹر پر لکھی
رقم کو جوڑنے لگا تو رام پرشاد بولے۔

"بھائی اوپر کمرے میں جاکر آرام سے چیک کرو...... میں اوپر آکر رجسٹر
جاؤں گا"۔

عمران سمجھ گیا کہ رام پرشاد کمرے میں آکر اس سے ضروری بات چیت
والے ہیں...... حساب کتاب چیک کرنے کا محض ایک بہانہ ہے...... وہ رجسٹر
اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا اور حساب کتاب چیک کرنے کی بجائے رام پرشا
انتظار کرنے لگا...... کوئی ایک گھنٹے کے بعد رام پرشاد جی اوپر آئے اور آتے ہی پو

"کیوں بھئی موہن داس حساب کتاب چیک کر لیا؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے دو تین بار رقمیں چیک کی ہیں سب حساب ٹھیک ہے"۔

اس وقت رات کے نو بجے کا وقت تھا...... رام پرشاد جی نے دروازے کے باہر
جھانک کر دیکھا...... جب ان کی تسلی ہو گئی کہ باہر کوئی آدمی نہیں ہے تو دروازہ آہستہ
سے بند کر دیا اور چٹخنی نہ لگائی...... پھر عمران کے سامنے رجسٹر لے کر اس طرح بیٹھ گئے
جیسے رجسٹر میں لکھی ہوئی رقمیں چیک کر رہے ہیں...... ان کی نگاہیں رجسٹر پر تھیں......
دھیمی آواز میں کہنے لگے۔

"حاجی صاحب نے مجھے خفیہ ذریعے سے سب کچھ بتادیا ہے...... یوں سمجھو کہ
مجھے فل رپورٹ مل گئی ہے"۔

رام پرشاد جی رجسٹر کے ورق الٹنے لگے...... عمران نے پوچھا۔

"تو پھر کیا خیال ہے آپ کا؟"۔

انہوں نے رجسٹر ایک طرف رکھ دیا...... خاموشی سے اٹھ کر دروازے کے پاس
گئے...... دروازہ ایک دم کھول کر باہر دیکھا...... باہر کوئی نہیں تھا...... دروازہ بند کیا اور
عمران سے کہنے لگے۔

"معاملہ کافی مشکل لگتا ہے...... لیکن جتنا یہ مشکل ہے اتنا ہی اہم بھی ہے......
بھارت اور روس کے درمیان جنگی معاہدے کی اڑتی اڑتی خبر میں نے سنی ہے...... پچھلے
دنوں بھارتی جنتا پارٹی کے آفس میں کوئی اس معاہدے کی بات کر رہا تھا جس پر ایڈوانی
نے کہا تھا کہ اس کی شروعات ہم نے شروع کی تھیں...... ہم نے جنتا سے اپنے پارٹی
منشور میں وعدہ کیا تھا کہ ہم بابری مسجد کو ڈھا کر وہاں رام مندر بنائیں گے اور اس
کے بعد روس کی فوجی مدد سے پاکستان پر حملہ کر کے اسے پھر سے بھارت ورش میں
شامل کر دیں گے...... کانگریس کی حکومت ہماری پالیسی کی بھونڈی نقل کر رہی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ تو ایڈوانی نے ہر ہندو کے دل کی بات کہی ہے...... کوئی بھی ہندو پاکستان کو ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتا...... وہ پاکستان کو ختم کرنا چاہتا ہے، لیکن اب جبکہ پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے...... ہندو کا یہ ناپاک خواب ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا ہے"۔

رام پرشاد جی بولے۔

"اس کے باوجود ہندو کی حکومت اندر ہی اندر پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے...... روس کے ساتھ ہونے والا فوجی معاہدہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندو نے پاکستان کو ختم کرنے کا خیال ابھی تک دل سے نہیں نکالا...... اللہ ہی جانے بھارت اس معاہدے کے ذریعے روس سے کس قسم کی فوجی امداد لے رہا ہے...... اگر اس امداد میں ہائیڈروجن بم کا فارمولا بھی ہوا تو وہ بڑی تیزی سے ہائیڈروجن بم بنا کر پاکستان کو دبانے کی کوشش کر سکتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے گل خان جی پاکستان ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں بھارت سے بہت آگے ہے...... یہ میرا نہیں بلکہ مغربی تبصرہ نگاروں کا بھی خیال ہے"۔

"بھائی کچھ بھی ہو رام پرشاد جی بولے "تم ہندو پر اعتبار نہیں کر سکتے...... ہر ہندو کو اس بات کی گڑتی دی جاتی ہے کہ پاکستان اس کے جسم کو کاٹ کر بنایا گیا ہے...... اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ روس بھارت معاہدے کے مضمرات کی فل رپورٹ حاصل کر کے پاکستان کو بھیجنی بہت ضروری ہے...... یہ پاکستان کی، ہمارے وطن پاک کی بقا کا معاملہ ہے"۔

عمران بولا۔

"پھر آپ کے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، ظاہر ہے تاج محل ہوٹل میں معاہدے کے لئے روسی وفد کے آنے سے ایک ہفتہ پہلے ہی سیکورٹی سخت کر دی

جائے گی اور سفید کپڑوں میں اور خدا جانے کس کس بھیس میں انٹیلی جنس والے جگہ جگہ تعینات کر دیئے جائیں گے...... اس وقت ہمارے لئے تاج محل ہوٹل میں داخل ہونا مشکل ہو جائے گا...... اسی لئے میں نے سوچا ہے کہ ہمیں کوئی ایسا منصوبہ بنانا چاہئے جس پر ابھی سے ہوٹل میں داخل ہو کر عمل کرنا شروع کر دیا جائے"۔

رام پرشاد نے کہا۔

"میں خود اسی لائن پر سوچ رہا ہوں...... ایسا کرو...... تم مجھے ایک دن یعنی کل کے دن کی مہلت دے دو...... پرسوں اسی وقت میں تمہارے کمرے میں آؤں گا...... اس دوران میں بمبئی میں اپنے ایک بڑے اہم آدمی سے بات کرتا ہوں...... اس سے مشورہ کرنا بہت ضروری ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا یہ آدمی بمبئی میں اتنا اثر ورسوخ رکھتا ہے کہ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکے؟"۔

رام پرشاد نے عمران کا کندھا دبایا اور اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہمارا کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کا شہر میں اثر ورسوخ نہ ہو، ورنہ اس کی موجودگی کا فائدہ ہی کیا ہے" باقی باتیں کل ہوں گی۔

رام پرشاد جی چلے گئے۔

دوسرا سارا دن کمانڈو عمران نے بڑی بے چینی سے گزارا، کیونکہ اس کے سامنے انتہائی اہم اور پیچیدہ مشن تھا اس کی کامیابی کی کوئی واضح صورت نظر نہیں آ رہی تھی...... دوسرے دن رات کو وہ اپنے کمرے میں آ کر رام پرشاد جی کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا...... کوئی بارہ بجے کے قریب رام پرشاد جی اس کے کمرے میں آئے...... خاموشی سے دروازہ بند کر کے عمران کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے...... کہنے

"بات یہ ہے کہ میں کل بھی اسی سلسلے میں ایک جگہ گیا تھا، مگر جس آدمی سے ملنا ضروری تھا اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا...... آج اس سے رابطہ ہو گیا ہے اور اس سے ساری بات ہو گئی ہے...... یہ مت سمجھنا کہ میں نے صاف اردو یا انگریزی زبان میں ہندی زبان میں اس سے گفتگو کی ہے، نہیں...... ہماری بات کرنے کی ایک خفیہ یعنی کوڈ زبان ہوتی ہے...... ہم اس زبان میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں...... یہ باتیں عام ٹیلی فون پر بھی نہیں ہوتیں...... ہمارا ایک دوسرے سے اسی شہر اور دوسرے شہروں میں بات کرنے کا اپنا ایک خفیہ ذریعہ ہے جو ہم نے ابھی تک تمہیں بھی نہیں بتایا، کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی"۔

رام پرشاد جی نے کمبل کے اندر ہاتھ ڈال کر واسکٹ میں سے ایک پاسپورٹ سائز کی بلیک اینڈ وائٹ فوٹو نکال کر عمران کے سامنے رکھ دی اور بولے۔

"اس آدمی کی شکل اپنے ذہن میں بھی بٹھالو اور یہ تصویر بھی اپنے پاس رکھو"۔

عمران نے فوٹو دیکھی...... یہ ایک درمیانی عمر کے آدمی کی فوٹو تھی جس نے کانگریسی کھدر کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، گلے میں کھدر کا کرتہ تھا...... ٹوپی کے کناروں سے کچھ کچھ سفید بال جھلک رہے تھے...... نقش عام قسم کے تھے مگر آنکھوں میں ایک خاص چمک اور ذہانت نظر آرہی تھی...... رام پرشاد جی کہنے لگے۔

"یہ اپنے ستار سیٹھ کی فوٹو ہے...... کانگریس کے موتنگا حلقے کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر بھی ہے...... کانگریس پارٹی کا زبردست ورکر ہے...... کانگریس کی مختلف شاخوں کو ہر سال ہزاروں روپے کا چندہ دیتا ہے...... بمبئی میں اس کا پارٹی ڈیکوریشن کا بہت کاروبار ہے...... بمبئی میں کانگریس پارٹی کے جتنے جلسے ہوتے ہیں ان کا سارا انتظام سیٹھ ہی کرتا ہے اور کانگریس سے ایک پیسے کا بل بھی نہیں لیتا...... سارے اخراجات خود اٹھاتا ہے...... اس وجہ سے یہ کانگریس کی سنٹرل کمیٹی اور اس کے لیڈروں میں

حد جانا پہچانا جاتا ہے...... اس کا بمبئی کے علاقے موتنگا میں کالج روڈ پر بہت بڑا آفس ہے...... ایک دو بار سونیا گاندھی بھی اس کے دفتر میں آچکی ہیں...... ستار سیٹھ بمبئی کی سوسائٹی خاص طور پر فلمی حلقوں میں اپنے کھلے خرچ اور پارٹیوں کی وجہ سے بڑا مقبول ہے...... بڑے بڑے ہوٹلوں میں غیر ملکیوں کی پارٹیوں کے بھی ٹھیکے اسے ہی ملتے ہیں، کیونکہ اس کا پارٹی ڈیکوریشن کا انتظام سب سے اعلیٰ اور جدید لائٹوں پر ہوتا ہے...... یہ سارا ڈرامہ ستار سیٹھ نے اس لئے رچایا ہوا ہے کہ وہ ہندو حکومت کے پاکستان کے خلاف عزائم اور ارادوں کا سراغ لگا سکے اور پھر یہ رپورٹ پاکستان سے متعلق اداروں تک پہنچا سکے"۔ رام پرشاد جی نے تاکید کرتے ہوئے عمران سے کہا۔

"اس تصویر کو سنبھال کر رکھنا اور ستار سیٹھ سے ملنے کے بعد اسے پھاڑ کر پھینک دینا"۔

عمران نے ایک بار پھر تصدیق کی خاطر پوچھا کہ کیا ستار سیٹھ کو ان کے مشن کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا ہے...... اس کے جواب میں رام پرشاد بولا۔

"تم ایک سوال بار بار پوچھ کر اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع کیوں کرتے ہو...... میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ ستار سیٹھ کو تمہارے مشن کے بارے میں پوری تفصیلات سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اب تم اور جبران دونوں بمبئی جا کر ستار سیٹھ سے دلی کی کانگریسی شاخ کے ورکرز کی حیثیت سے ملو گے...... اس کے بعد تمہیں کیا کرنا ہو گا...... یہ تمہیں ستار سیٹھ بتا دیں گے...... یہاں میں یہی بتاؤں گا کہ موہن داس کی ماسی کی حالت خراب ہو گئی ہے، اسے اچانک امرتسر جانا پڑ گیا ہے...... جب تم واپس آؤ گے تو یہی کہو گے کہ تمہاری ماسی سکتے کی حالت میں ہے اور کوئی پتا نہیں کب سورگباش ہو جائے...... صبح سورج نکلنے سے پہلے تم یہاں سے سیدھے حاجی صاحب کے ہوٹل میں پہنچو گے جو تمہارے اور جبران کے بمبئی جانے کا انتظام کریں گے"۔

بات ختم کرنے کے بعد رام پرشاد اٹھ کر چلے گئے...... عمران کچھ دیر تک چارپائی

پر بیٹھا بمبئی والے ستار سیٹھ کی پاسپورٹ سائز کی فوٹو کو غور سے دیکھتا رہا...... پھر اسے اپنے کرتے کی اندروالی جیب میں رکھ کر سو گیا...... اس نے صبح چار بجے کا الارم لگا دیا تھا...... ٹھیک چار بجے کلاک کے الارم نے اسے جگا دیا...... اس نے جلدی جلدی گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا...... کمرے سے نکلا اور بازار میں آکر پیدل ہی حاجی صاحب کے ہوٹل کی طرف چل پڑا...... سردیوں کی صبح کو بازار تقریباً سنسان پڑے تھے...... ابھی اندھیرا تھا...... سردیوں میں رات کے چار پانچ بجے تک اندھیرا ہوتا ہے...... ایک جگہ سے اسے ٹیکسی مل گئی...... وہ ٹیکسی لے کر حاجی صاحب کے ہوٹل آگیا...... ہوٹل بند تھا...... چوکیدار ہوٹل کے دروازے پر منہ سر لپیٹے بیٹھا جاگ رہا تھا...... حاجی صاحب نے اسے بتا دیا تھا کہ عمران بریلی سے صبح چار بجے کی گاڑی سے آرہا ہے...... چوکیدار نے دروازہ کھول دیا...... عمران اوپر اپنے خاص کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا...... دن نکلتے ہی حاجی صاحب بھی آگئے، عمران کو دیکھ کر بولے۔

"تمہارے فرنٹیر میل کے دلی سے بمبئی تک کے دو ٹکٹ میں نے منگوا رکھے ہیں...... ایک تمہارا اور دوسرا ٹکٹ جبران کا ہے...... جبران تمہیں سٹیشن پر ہی ملے گا۔ فرنٹیر میل امرتسر سے چل کر ٹھیک سوا سات بجے دلی پہنچتی ہے...... تم ساڑھے چھ بجے تک سٹیشن پر پہنچ جانا...... بمبئی پہنچنے کے بعد تم بمبئی کے علاقے موتنگا میں کالج روڈ پر ستار سیٹھ پارٹی ڈیکوریٹرز اینڈ کنٹریکٹرز کے آفس جاؤ گے...... سیٹھ ستار کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہے...... میں جا رہا ہوں، تم یہاں سے ٹھیک چھ بجے ٹیکسی پکڑ کر سٹیشن روانہ ہو جانا...... یہ لفافہ اپنے پاس رکھو"۔

لفافہ عمران کے حوالے کر کے حاجی صاحب واپس چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد عمران نے لفافہ کھولا...... اس میں پانچ سو روپے کے کرنسی نوٹ تھے۔ عمران نے لفافہ واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا اور صبح کے چھ بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

پورے چھ بجے عمران سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا...... ٹکٹ اس کے پاس تھا۔ وہ پلیٹ فارم پر ایک کونے میں ہو کر بنچ پر بیٹھ گیا...... اس کی نگاہیں پلیٹ فارم پر کمانڈو جبران کو تلاش کر رہی تھیں...... آخر وہ اسے نظر آگیا...... اس نے عمران کو دور ہی سے دیکھ لیا تھا...... وہ خاموشی سے اس کے پاس آکر بیٹھ گیا...... دونوں اس طرح بیٹھے تھے کہ اگر کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ دونوں اجنبی مسافر ہیں اور ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں...... ان کے قریب ایک بوڑھے سردار جی بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، مگر وہ بنچ کے دوسرے کونے پر بیٹھے تھے...... کمانڈو عمران نے بڑی دھیمی آواز میں جبران کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تم الگ ڈبے میں بیٹھو گے...... ہماری ملاقات بمبئی سٹیشن پر ہو گی"۔

یہ کہہ کر کمانڈو عمران اٹھ کر کتابوں، رسالوں کے سٹال پر چلا گیا...... ویسے تو وہ ایک رسالے کو دیکھ رہا تھا مگر حقیقت میں وہ سٹال پر سامنے لگے آئینے میں سے اپنے عقب میں دیکھ رہا تھا...... ان دونوں کو انٹیلی جنس والوں سے چوکنا ہو کر رہنا پڑتا تھا...... اس وقت تک ان کے پیچھے کوئی نہیں لگا تھا...... اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں ہندوانہ لباس میں تھے اور پیشانی پر تلک بھی لگا ہوا تھا...... جبران کے سر پر گاندھی کیپ بھی تھی۔

گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ تھی اور سوا سات بجے کی بجائے سوا آٹھ بجے کے قریب دلی سٹیشن میں داخل ہوئی...... فرنٹیر میل کا نام ابھی تک فرنٹیر میل ہی تھا...... باقی تقریباً تمام گاڑیوں کے نام تبدیل کر دیئے گئے تھے...... کوئی جنتا ایکسپریس تھی کوئی پوجا ایکسپریس اور کسی کا نام راجدھانی ایکسپریس رکھ دیا گیا تھا...... جبران اور عمران الگ الگ ڈبوں میں سوار ہو گئے، لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے ڈبوں کو دیکھ لیا تھا...... دلی بہت بڑا جنکشن تھا...... بڑا سٹیشن تھا...... ٹرین تقریباً نصف گھنٹہ ٹھہری رہی...... اس کے بعد بمبئی کی جانب روانہ ہو گئی۔ یہ کافی لمبا سفر تھا...... راستے میں بھارت کے بڑے بڑے شہر آتے تھے...... سارا دن اور ساری رات ٹرین کا سفر جاری رہا...... دوسرے

دن دوپہر کے بعد ٹرین بمبئی سنٹرل کے سٹیشن پر آکر رک گئی...... جبران اور کمانڈو عمران ایک دوسرے سے الگ الگ اترے اور سٹیشن سے باہر آگئے۔

سٹیشن سے باہر آنے کے بعد دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہوگئے...... اگرچہ بمبئی کے علاقے موتنگا کے لئے لوکل ٹرینیں بھی چلتی تھیں، مگر انہوں نے لوکل ٹرین کی بھیڑ بھاڑ میں سفر کرنے سے گریز کیا اور ایک ٹیکسی لے لی...... موتنگا بمبے سنٹرل کے سٹیشن سے کافی فاصلے پر ہے، انہیں کافی وقت لگ گیا کالج روڈ موتنگا ریلوے سٹیشن کی دوسری جانب ہے یہ اس اعتبار سے بھی مشہور سڑک ہے کہ راج کپور فیملی کی پرانی کوٹھی اسی سڑک پر تھی اور ادم پرکاش وغیرہ بھی اسی سڑک پر رہتے تھے...... شروع شروع میں اس سڑک پر صرف بنگلے اور کوٹھیاں ہی تھیں...... اب یہاں شاپنگ پلازا اور کاروباری دفاتر بھی قائم ہوگئے ہیں...... جبران کہنے لگا۔

"ستار سیٹھ پارٹی ڈیکوریٹرز اینڈ کنٹریکٹرز کا بورڈ یہیں کہیں ہونا چاہئے"۔

انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی تھی اور کالج روڈ پر پیدل چلے جا رہے تھے...... آخر ایک بزنس کمپلیکس کی پہلی منزل پر انہیں یہ بورڈ نظر آگیا...... وہ دفتر میں داخل ہوگئے...... کافی بڑا دفتر تھا...... ریسپشن پر بیٹھی لڑکی نے ان سے پوچھا کہ انہیں کس سے ملنا ہے...... عمران نے کہا۔

"ہمیں سیٹھ صاحب سے ملنا ہے...... کیا وہ آفس میں ہی ہیں؟"۔

لڑکی نے انٹر کام فون کا نمبر گھماتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا نام؟"

عمران نے کہا۔

"عبدالغفار...... میں دلی سے آیا ہوں"۔

ستار سیٹھ کو عمران اور جبران کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اور اسے یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ وہ عبدالغفار کے فرضی نام سے ملیں گے...... لڑکی نے انٹر کام پر ستار سیٹھ کو کہا کہ دلی سے مسٹر عبدالغفار آئے ہیں...... اس کے بعد لڑکی نے عمران سے کہا۔

"تشریف لے چلیں...... سامنے والا کمرہ سیٹھ صاحب کا ہے"۔

ستار سیٹھ کی فوٹو عمران اور جبران دونوں نے اچھی طرح سے دیکھ رکھی تھی، انہیں سیٹھ کو پہچاننے میں دیر نہ لگی...... ستار سیٹھ کو بھی عمران اور جبران دونوں کی تصویریں بذریعہ رجسٹری ڈاک مل چکی تھیں...... اس نے بھی دونوں کو پہچان لیا...... پھر بھی ستار سیٹھ نے خاص کوڈ الفاظ میں عمران کو ایک جملہ بولا جس کے جواب میں عمران نے بھی صحیح خفیہ جملہ بول دیا...... ستار سیٹھ اس وقت اپنے سجے ہوئے کمرے میں اکیلا تھا...... اس نے عمران اور جبران کو باری باری بڑے غور سے دیکھا...... ستار سیٹھ کا وہی حلیہ تھا جو اس کی پاسپورٹ سائز کی فوٹو میں تھا...... چہرے کے نقوش میں کوئی خاص بات نہیں تھی...... بڑا نارمل چہرہ تھا...... صرف آنکھوں میں ایک خاص بات تھی، جس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ شخص بڑا ذہین اور گہرا ہے...... ستار سیٹھ نے ان سے کہا۔

"تم لوگ میرے ریسٹ ہاؤس میں جا کر تھوڑا آرام کرو...... میں وہاں فون کر دیتا ہوں...... اگر کھانا نہیں کھایا تو وہیں کھانا بھی کھانا...... میں تمہیں شام کو آکر ملوں گا"۔

اس کے بعد اس نے ریسٹ ہاؤس فون کر کے اپنے ملازم عبدل چاچا کو کہا۔

"عبدل چاچا! دلی سے میرے خاص مہمان آئے ہیں"۔

وہ کچھ دن ریسٹ ہاؤس میں قیام کریں گے...... ان کا خاص خیال رکھنا...... وہ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔

اس کے بعد ستار سیٹھ نے اپنے ڈرائیور کو بلا کر کہا۔

"یہ میرے مہمان ہیں...... انہیں ریسٹ ہاؤس پہنچا دو"۔

عمران اور جبران اٹھ کھڑے ہوئے اور ستار سیٹھ کا شکریہ ادا کر کے اس سے ہاتھ ملا کر ڈرائیور کے ساتھ دفتر سے باہر آکر ستار سیٹھ کی قیمتی اور آرام دہ کار میں بیٹھ کر

اس کے ریسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

ستار سیٹھ نے شہر سے کچھ فاصلے پر سمندر کے کنارے یہ ریسٹ ہاؤس بنایا ہوا تھا۔۔۔۔۔ یہ دو منزلہ بنگلہ نما عمارت تھی۔۔۔۔۔ عبدل چاچا نے ان کا خیر مقدم کیا اور پہلی منزل کا کونے والا پورشن کھول دیا۔۔۔۔۔ بیڈ روم میں دو بستر الگ الگ لگے تھے۔۔۔۔۔ ڈرائینگ روم کی آرائش بڑی پرکشش تھی۔۔۔۔۔ ٹی وی وغیرہ موجود تھا۔۔۔۔۔ سمندر کی طرف سے بڑی خوشگوار ہوا آ رہی تھی۔۔۔۔۔ عبدل چاچا نے پوچھا۔

"صاحب! کھانا لگا دوں"۔

"ہاں لگا دو"۔

کھانا بھی بڑا پر تکلف تھا۔۔۔۔۔ بہر حال کھانا وغیرہ کھا کر عمران اور جبران باہر برآمدے میں آرام کرسیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

جبران بولا۔

"ہمیں سب سے پہلے تاج محل ہوٹل کا جائزہ لینا چاہئے اور کسی طریقے سے یہ پتہ کرنا چاہئے کہ روسی وفد کس ونگ میں آکر ٹھہرے گا"۔

عمران نے کہا۔

"یہ شاید ہوٹل کی انتظامیہ کو ابھی خود بھی معلوم نہیں ہو گا اور اگر معلوم بھی ہو گا تو وہ نہیں بتائیں گے۔۔۔۔۔ انٹیلی جنس والوں نے انہیں منع کر رکھا ہو گا۔۔۔۔۔ اس سے خواہ مخواہ ہم انٹیلی جنس کی نگاہوں میں آ جائیں گے"۔

"ٹھیک ہے ہم نہیں پوچھتے۔۔۔۔۔ لیکن ہمارا اپنے طور پر وہاں جا کر ہوٹل کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے"۔

عمران بولا۔

"اس سلسلے میں ستار سیٹھ سے مشورہ ضروری ہے۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں کوئی دوسرا منصوبہ ہو۔۔۔۔۔ اسے ہمارے مشن کے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہے"۔

بمبئی کا موسم خوشگوار تھا۔۔۔۔۔ دلی والی سردی نہیں تھی۔۔۔۔۔ دیر تک دونوں کمانڈو دوست برآمدے میں بیٹھے اپنے مشن کے نشیب و فراز پر گفتگو کرتے رہے۔ شام کے وقت دونوں اٹھ کر ڈرائینگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔۔۔۔۔ کچھ دیر بعد ستار سیٹھ بھی آ گیا۔۔۔۔۔ اس نے عبدل کو چائے لانے کے لئے کہا۔

کچھ دیر وہ عمران اور جبران کے ساتھ بمبئی کے موسم وغیرہ کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ عبدل چائے رکھ کر چلا گیا تو ستار سیٹھ نے کہا۔

"اتنی اطلاع یہاں مجھے بھی اپنے ذرائع سے مل چکی ہے کہ اگلے ماہ کے پہلے ہفتے میں روس کا ایک تجارتی وفد آ رہا ہے اور بظاہر یہ تجارتی وفد ہے لیکن معاہدہ کرنے کے لئے آیا ہے۔۔۔۔۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وفد تاج محل ہوٹل میں ٹھہرے گا۔۔۔۔۔ ابھی اس وفد کی آمد میں پورے دس دن رہتے ہیں۔۔۔۔۔ تمہارے ذہن میں اگر کوئی منصوبہ ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ مجھے اندازہ ہو سکے کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ابھی تک تو ہم نے کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔۔۔۔۔ اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں تاج محل ہوٹل میں جہاں یہ وفد ٹھہرے گا اور جہاں معاہدے پر دونوں ملکوں کے درمیان دستخط کئے جائیں گے اس کا علم بڑا ضروری ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد ہی کسی منصوبے پر غور کیا جا سکتا ہے"۔

ستار سیٹھ نے چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد سگریٹ سلگا لیا اور بولا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔۔۔۔۔ یہ میں اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم کر لوں گا، لیکن سوال یہ ہے کہ فوجی پیکٹ کی نقل تم لوگ کیسے حاصل کر سکو گے، جہاں تک میرا خیال ہے معاہدے کی فائل کی دو کاپیاں ہوں گی۔۔۔۔۔ ایک کاپی بھارتی وفد کے پاس رہے گی اور دوسری روسی وفد کے پاس ہو گی۔۔۔۔۔ دونوں معاہدے کی فائل کو انتہائی رازداری اور

حفاظت کے ساتھ رکھیں گے...... وہاں سیکورٹی کا بھی زبردست انتظام ہو گا...... انٹیلی جنس نے سارے ہوٹل کو گھیرے میں لے رکھا ہو گا...... یہ پتہ کرنا میرے لئے بھی بہت مشکل ہو گا کہ روسی وفد اور بھارتی وفد نے معاہدے کی دستاویز کس جگہ رکھی ہوئی ہے...... وہ تو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دیں گے''۔

عمران اور جبران خاموش رہے...... انہوں نے کوئی تبصرہ نہ کیا...... ستار سیٹھ بھی خاموش ہو گیا...... لگتا تھا کہ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کچھ سوچ رہا ہے...... کہنے لگا۔

''لیکن ہمیں ناامید بھی نہیں ہونا چاہئے...... میرے پاس یہاں اور تاج محل ہوٹل میں بھی ایسے ذرائع ہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی...... تم لوگ ابھی کچھ دیر صبر کرو اور یہاں آرام کرو...... میں نے تمہارے آنے سے پہلے کچھ آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ یہ معلوم کریں کہ روس کا تجارتی وفد ہوٹل کے کون سے ونگ میں ٹھہرے گا اور معاہدے پر دستخط کون سے ہال میں ہوں گے...... تاج محل ہوٹل کے چھ سات ہال ہیں...... ایک ان کا خاص وی آئی پی میٹنگ روم ہے...... بہر حال دو ایک دن میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو جائے گا''۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

''ہمارا خیال ہے کہ ہمیں تاج محل ہوٹل کا ایک نظر جائزہ لے لینا چاہئے''۔

اس پر ستار سیٹھ نے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تمہارا ہوٹل میں جانا ٹھیک نہیں، کیونکہ میری اطلاع کے مطابق انٹیلی جنس والوں کی ایک پارٹی اس وقت ہوٹل میں موجود ہے اور کوئی پتہ نہیں یہ لوگ کس بھیس میں ہوٹل کی نگرانی کر رہے ہیں...... اس طرح تم خواہ مخواہ انٹیلی جنس کی نگاہوں میں آ جاؤ گے''۔

ستار سیٹھ کا مشورہ بڑا صحیح تھا...... عمران اور جبران نے اس کا مشورہ قبول کر لیا...... دونوں کمانڈو دن کا وقت ریسٹ ہاؤس میں ہی گزارتے، کسی دن صرف شام کا اندھیرا ہو جانے کے بعد گاڑی لے کر بمبئی کے ساحل سمندر کی طرف نکل جاتے...... کچھ وقت وہاں ٹہلتے اور اپنے مشن کے بارے میں گفتگو کرتے اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس ریسٹ ہاؤس آ جاتے...... اسی طرح چھ سات دن گزر گئے...... ان کی اطلاع کے مطابق روسی وفد کے آنے میں تین دن باقی رہ گئے تھے...... ستار سیٹھ پل پل کی خبر رکھ رہا تھا...... وہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے عمران اور جبران سے ملنے ریسٹ ہاؤس ضرور آتا تھا اور تازہ صورت حال بتا دیتا تھا۔

ایک رات آیا تو لگتا تھا کہ وہ کوئی نئی خبر لایا ہے...... وہ عمران اور جبران کو لے کر کمرے میں آ کر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

''نئی اطلاع یہ ملی ہے کہ روس کا وفد تو اپنے خاص طیارے میں آ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی روس کا ایک تجارتی جہاز بھی بمبئی کی بندرگاہ پر پہنچ گیا ہے...... اس کی سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ تجارتی جہاز کس لئے آیا ہے اور عین اسی وقت کیوں آیا ہے جبکہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک خفیہ جنگی معاہدہ ہونے والا ہے''۔

کمانڈو جبرن نے کہا۔

''ہو سکتا ہے روس کا تجارتی جہاز تجارت کا مال لے کر آیا ہو''۔

ستار سیٹھ بولا۔

''روس کے تجارتی جہاز تو سامان تجارت لے کر بھارت آتے ہی رہتے ہیں، لیکن اس جہاز کا عین اس وقت آنا جب بھارت اور روس کے مابین جنگی معاہدہ ہونے والا ہے، بڑا معنی خیز ہے...... بہر حال میرے آدمی کھوج لگا رہے ہیں...... کل تک کچھ نہ کچھ معلوم ہو جائے گا کہ اصل بات کیا ہے''۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

''کیا اس سلسلے میں کچھ معلوم ہوا ہے کہ روسی وفد تاج محل ہوٹل کے کس ونگ میں ٹھہرے گا اور معاہدے پر دستخط کون سے کمرے میں ہوں گے؟''۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہے، معلوم کرنے والی اصل بات ہے کہ معاہدے کے بعد دونوں ملکوں کے وفد معاہدے کی دستاویز کس جگہ ر ہیں"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"بھارتی وفد کے ارکان تو میرا خیال ہے معاہدے کی دستاویز کڑی حفاظت اپنے ساتھ ہی دلی لے جائیں گے اور اسی روز خاص طیارے کے ذریعے واپس چلے جا گے، جبکہ روسی وفد اس دستاویز کو اپنی تحویل میں رکھے گا اور جہاں وہ ٹھہرے ہو ہوں گے یہ دستاویز بھی ان کے پاس ہی ہوں گے...... اس طرح اگر ہم اس دستاو حاصل کرنے کے واسطے دلی کا رخ کریں گے تو اس میں کامیابی کا امکان ایک فی صد کیونکہ یہ بھارت سرکار کے وار آفس کی ٹاپ سیکرٹ دستاویز ہو گی جو انتہائی خفیہ طر سے ایک ہزار ایک تالوں کے اندر رکھی جائے گی جبکہ روسی وفد اس دستاویز کے سا تاج محل ہوٹل میں ہی ہو گا اور ان کے کمرے سے اس دستاویز کے اڑانے یا اس کی اتارنے کے امکانات زیادہ ہوں گے"۔

ستار سیٹھ بڑے غور سے جبران کا بیان سن رہا تھا...... جب اس نے بات ختم وہ بولا۔

"تمہارے خیال میں روسی اس دستاویز کی حفاظت سے غافل ہوں گے؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"غافل تو ہرگز نہیں ہوں گے لیکن روسیوں کو اس دستاویز کو زیادہ سے خفیہ رکھنے کی اتنی ضرورت نہیں ہو گی جتنی ضرورت بھارت سرکار کو ہو گی...... تو اندر سے چاہتا ہو گا کہ دوسرے ممالک کے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ نے بھارت کے ساتھ دوستی کا حق ادا کیا ہے اور مصیبت کے وقت روس اپنے د کو کبھی فراموش نہیں کرتا...... روس کو اس سے نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہو گا، اس کے خلاف پہلے ہی یہ پراپیگنڈہ ہو رہا ہے کہ مشکل کے وقت روس ساتھ دیتا ہے اور یہ کہ روس خود ایک کمزور اور اقتصادی اعتبار سے غریب ملک ہے، وہ دستوں کی کیا مدد کرے گا"۔

عمران کی یہ دلیل کسی حد تک وزن رکھتی تھی...... ستار سیٹھ بھی کچھ کچھ قائل کہنے لگا۔

"میں سمجھتا ہوں اگر تمہاری یہ دلیل غلط بھی ہو تب بھی دلی وار آفس سے اس یکرٹ دستاویز کو چرانا زیادہ مشکل ہے جبکہ روسی وفد کے قبضے سے یہ دستاویز کی کوشش کی جا سکتی ہے...... یہ میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ میرے کچھ مختلف بھیس میں تاج محل ہوٹل میں کام کرتے ہیں اور ہوٹل کی انتظامیہ میں ال ہیں، کیونکہ اس ہوٹل میں بھارت سرکار کی اعلیٰ سرکاری تقریبات ہوتی ہیں اور ان تقریبات سے ہمیں بھارتی حکومت کے بعض بڑے اہم اندرونی راز ہوتے ہیں"۔

جبران نے کہا۔

کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں...... اگر بفرض محال ہم روسی وفد سے خفیہ حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے، ہم دلی دفتر جنگ کا رخ کر سکتے ہیں...... پھر ہم جہ اور اس جذبے کے ساتھ یہ کمانڈو ایکشن کریں گے کہ ہمارے سامنے دوسرا تہ نہیں ہے اور جو کچھ کرنا ہے اسی کمانڈو ایکشن میں کرنا ہے"۔

ر یہی طے پایا کہ ساری توجہ روسی وفد پر مرکوز کی جائے اور اپنے تمام خفیہ ام میں لاتے ہوئے یہ معلوم کیا جائے کہ روسی وفد کے ارکان ہوٹل کے کون یں کس سویٹ میں ٹھہریں گے...... ان کمروں کا محل وقوع کیا ہو گا اور ان کی کس طرف کھلتی ہوں گی...... غرض کہ تمام تفصیلات پہلے سے ہی معلوم کر لی

جائیں تاکہ ان کی روشنی میں کمانڈو ایکشن کا منصوبہ تیار کیا جائے، کیونکہ یہ طے ش
بات تھی کہ روسی وفد معاہدے کی دستاویز کو نہ تو بمبئی کے کسی بنک کے لاکر میں
کرائے گا اور نہ اسے کسی کے ہاتھ ماسکو بھجوائے گا...... دستاویز وفد کے قبضے میں
ہو گی اور وفد کا سربراہ جس کمرے میں ہو گا اسی کمرے میں یہ دستاویز بھی رہ
ہو گی...... یہاں اگر ضرورت ہوئی تو بڑے زبردست اور طوفانی کمانڈو ایکشن
ضرورت ہو گی۔

ستار سیٹھ نے اپنے ان تمام خفیہ ذرائع کو خبردار کر دیا جن کا تعلق تاج محل ہو
سے تھا...... روسی وفد کی بکنگ ایک ہفتہ پہلے ہو چکی تھی لیکن وفد کے ارکان کو جو کمر
الاٹ کئے گئے تھے ان کا اعلان نہیں کیا گیا تھا اور انہیں خفیہ رکھا گیا تھا، لیکن ہوٹل
ستار سیٹھ کے جو آدمی مختلف کام کرتے تھے...... انہوں نے جس روز روسی وفد
کمروں کی بکنگ ہوئی اسی روز شام کو آکر ستار سیٹھ کو ان کمروں کے نمبر بتا دیئے اور
کمرے کی نشان دہی بھی کر دی جو روسی وفد کے سربراہ کو الاٹ کیا گیا تھا...... ستار
نے اسی رات ریسٹ ہاؤس میں آکر عمران اور جبران کو تمام کمروں کے نمبر بتا دیئے۔

روسی وفد کے سربراہ کو تین کمروں پر مشتمل جو سویٹ الاٹ کیا گیا تھا وہ تاج
ہوٹل کی تیسری منزل پر ہوٹل کے جنوبی حصے میں تھا اور اس کے ٹی وی لاؤنج کی
کھڑکیاں نیچے عقبی لان کی طرف کھلتی تھیں...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"لیکن یہ کھڑکیاں اتنی بلندی پر ہیں کہ باہر سے کھڑکی تک پہنچنا بہت مشکل
اور اس کے علاوہ وہاں دیوار کے ساتھ بتیاں ساری رات روشن رہتی ہیں...... اگر
بھی دیوار پر چڑھے تو نظر آ جاتی ہے"۔

عمران نے ستار سیٹھ سے پوچھا۔

"پارٹی ڈیکوریشن کے سلسلے میں آپ کا تاج محل ہوٹل سے اکثر رابطہ
ہو گا...... یہ بتایئے کہ ہوٹل میں آپ کے جاسوس کس کس پوزیشن پر کام کر

ں"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"اس کو چھوڑیں...... آپ یہ بتائیں کہ آپ کو کس قسم کے آدمی کی مدد کی
ورت ہو گی؟"۔

عمران بولا۔

"کیا اس عملے میں آپ کا کوئی اپنا آدمی شامل ہے جو اعلیٰ سرکاری دعوتوں میں
نے کی سروس وغیرہ کرتا ہو؟"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"میرے آدمی زیادہ تر وہاں یہی خدمات انجام دیتے ہیں...... ایک ہیڈ باورچی بھی
رے لئے کام کرتا ہے...... بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ لوگ میرے لئے یا پیسوں کے
لۓ میں یہ کام نہیں کرتے بلکہ صرف جہاد کشمیر اور پاکستان کے لئے انہوں نے اپنے
پ کو خطرے میں ڈال رکھا ہے، کیونکہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ لوگ وہاں پاکستان
لئے جاسوسی کرتے ہیں تو پھر ان کی خیر نہیں...... پولیس انہیں اسی وقت پکڑ کر
جائے گی اور پھر ان کی لاش بھی کسی کو نہیں ملے گی"۔

جبران نے بے ساختہ کہا۔

"جزاک اللہ! یہ لوگ اسلام کے مجاہد ہیں"۔

عمران نے ستار سیٹھ سے کہا۔

"کیا ان میں ایک دو ایسے آدمی بھی ہیں جن پر ہوٹل کی انتظامیہ پورا اعتماد کرتی
اور جو ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے وی آئی پی لوگوں کے کمرے میں سروس کرنے
تے ہوں؟"۔

"کیوں نہیں؟" ستار سیٹھ نے کہا...... "ایسے تین آدمی ہیں...... تینوں جوان آدمی
...... پڑھے لکھے ہیں اور وی آئی پی لوگوں کے کمروں کی صفائی اور بستروں کی چادریں

بدلنے اور رات کے وقت کافی اور دیگر مشروبات لانے لے جانے کی سروس انہی کے ذمے ہے“۔

عمران نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”بس...... مجھے ان میں سے اس نوجوان کو ملوا دیجئے جو کمروں کی سروس کرتا ہو“۔

ستار سیٹھ بولا۔

”میں کل شام کو اسے بلوا لیتا ہوں“۔

اگلے روز شام کو ستار سیٹھ اس نوجوان کو لے آیا جو وی آئی پی لوگوں کے کمروں کی سروس پر متعین تھا...... اس کا نام غلام احمد تھا...... نوجوان تھا مگر چہرے پر پختہ عمر کے لوگوں والی سنجیدگی تھی...... اس وقت کمرے میں جبران بھی عمران کے ساتھ ہی بیٹھا تھا...... ستار سیٹھ نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”یہ منصوبہ کامیاب ہوتے نظر نہیں آتا“۔

عمران اور جبران ستار سیٹھ کو تکنے لگے کہ اچانک اس نے یہ رائے کیسے قائم کرلی...... جب عمران نے اس کی وجہ پوچھی تو ستار سیٹھ بولا۔

”غلام احمد نے مجھے کچھ اور ہی بات بتائی ہے...... احمد! تم خود ہی عمران کو بتادو“۔

غلام احمد کہنے لگا۔

”روس کا ایک تجارتی ڈیلی گیشن عنقریب آرہا ہے اور وہ ہمارے ہوٹل میں ہی آکر ٹھہرے گا...... اس سے پہلے بھارتی وفد ہوٹل میں پہنچ چکا ہوگا، لیکن ایک نئی بات یہ ہوئی ہے کہ روسی وفد نے اپنے سفارت خانے کے ذریعے ہوٹل کی انتظامیہ کو مطلع کردیا ہے کہ جس ہال میں بھارت اور روس کے مابین تجارتی سمجھوتے پر دستخط ہوں گے اور جن کمروں میں روسی وفد کے ارکان ٹھہریں گے وہاں ہوٹل کے کسی ملازم کو جانے کی اجازت نہیں ہوگی...... وفد اپنے روسی سروس بوائے ساتھ لارہا ہے...... ایسا

...ں سیکورٹی کی خاطر کیا گیا ہے، چنانچہ جتنے روز روسی وفد تاج محل ہوٹل میں رہے گا ...ن دن کی ہمیں چھٹی دے دی جائے گی۔

اس انکشاف نے عمران جبران کی ساری سکیم پر پانی پھیر دیا...... عمران نے غلام ...ے پوچھا۔

”کیا تمہاری اطلاع بالکل صحیح ہے“۔

غلام احمد بولا۔

”آپ خود جاکر معلوم کرسکتے ہیں...... میں نے حقیقت آپ کو بیان کردی ...“۔

ستار سیٹھ نے اپنے جاسوس غلام احمد کو واپس بھیج دیا...... عمران نے کمانڈو جبران ...طرف دیکھا۔

”اب کیا صورت ہوسکتی ہے؟“۔

جبران بولا۔

”کوئی اور منصوبہ تیار کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ بھارت اور ...ں کے درمیان تجارتی معاہدہ نہیں بلکہ جنگی معاہدہ ہورہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ...ہدہ پاکستان کو روس کے جدید اسلحہ کی مدد سے شدید نقصان پہنچانے کے لئے طے ...ہا ہے...... اس میں درج اسلحہ کی نوعیت اور تعداد کا معلوم ہونا پاکستان کی سالمیت کے ...انتہائی ضروری ہے“۔

ستار سیٹھ کچھ سوچ رہا تھا...... اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا۔

”میرے ذہن میں ایک دوسرا منصوبہ ہے“۔

کمانڈو جبران اور کمانڈو عمران ستار سیٹھ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھنے لگے۔

”وہ کیا ہے؟“ کمانڈو جبران نے پوچھا۔

ستار سیٹھ بولا۔

"مارگریٹا نام کی ایک اینگلو انڈین عورت ہماری کوسموپولیٹن کلب میں شام کو دو گھنٹے جز وقتی کام کرنے آتی ہے...... وہ بمبئی کے روسی کونصلیٹ میں ایک عرصے سے جاب کرتی ہے...... یہ عورت بیوہ ہے اور اپنے چار بچوں کی بڑی مشکل سے پرورش کر رہی ہے...... یہ بات میرے علم میں ہے کہ مارگریٹا کے روسی کونصلیٹ کے روسی فوجی معاملات کے مشیر مسٹر گریگوری سے ناجائز تعلقات ہیں...... یہ اینگلو انڈین عورت ماگریٹا پرکشش عورت ہے اور اس کا گزارہ بڑی مشکل سے ہو رہا ہے...... اسے پیسوں کی ضرورت رہتی ہے اور کلب کے آفس سے اکثر پیشگی رقم لیتی رہتی ہے"۔

"ستار صاحب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" عمران نے براہ راست سوال کیا......

ستار سیٹھ نے عمران کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ عورت مارگریٹا روسی کونصلیٹ کے فوجی امور کے مشیر گریگوری کو بہت پسند ہے...... روسی کونصلیٹ والوں کی تنخواہیں زیادہ نہیں ہوتیں...... پھر بھی مسٹر گریگوری اس عورت مارگریٹا کو ہر ماہ کچھ رقم دے دیتا ہے...... اس کے باوجود مارگریٹا کو اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم پر اتنا زیادہ خرچ اخراجات کرنے پڑتے ہیں کہ وہ اکثر کلب کے لوگوں سے ادھار مانگتی رہتی ہے...... میری اس تمہید کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کو خریدا جا سکتا ہے"۔

کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران سمجھ گئے تھے کہ ستار سیٹھ کیا کہنا چاہتا ہے، مگر وہ زبان سے کچھ نہ بولے اور ستار سیٹھ کو تکتے رہے...... ستار سیٹھ بولا۔

"یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بھارت اور روس کے درمیان جنگی معاہدہ طے پائے اور اس کے مندرجات کا کونصلیٹ کے فوجی امور کے مشیر مسٹر گریگوری کو علم نہ ہو، بلکہ عین ممکن ہے کہ روسی وفد معاہدے کی اصل کاپی ہوٹل میں اپنے پاس رکھنے کی بجائے اپنی کونصلیٹ میں فوجی مشیر گریگوری کی تحویل میں دے دے، کیونکہ سفارت خانہ اس قسم کی سیکرٹ دستاویزات کے لئے محفوظ ترین جگہ ہوتی ہے...... وہاں تو کوئی باہر کا اجنبی داخل ہی نہیں ہو سکتا...... یہ عورت مارگریٹا پر میرے بڑے احسان ہیں...... وہ دس ہزار روپوں کی میری مقروض بھی ہے...... میں اسے معاہدے کے خفیہ مندرجات کی ایک نقل مہیا کرنے کے عوض تیس ہزار روپے کی پیشکش کروں گا...... مارگریٹا کے لئے یہ بہت بڑی رقم ہے...... وہ کچھ ہچکچائی تو میں رقم بڑھا کر پچاس ہزار بھی کر دوں گا...... مجھے یقین ہے وہ میرے جال میں بڑی آسانی سے پھنس جائے گی اور چاہے اسے کچھ بھی کرنا پڑے وہ ہمیں معاہدے کے خفیہ مندرجات کی نقل ضرور فراہم کر دے گی"۔

عمران نے کہا۔

"اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو مارگریٹا سے بات کر کے دیکھ لیں...... اس طرح ہمارا کام بڑی آسانی سے نکل آئے گا، لیکن آپ اتنی رقم"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے...... پاکستان کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے...... روسی وفد کو بمبئی پہنچ لینے دو...... اس کے بعد میں مارگریٹا سے بات کروں گا"۔

اس گفتگو کے تین دن بعد روسی وفد بمبئی پہنچ گیا...... بھارتی وفد پہلے ہی بمبئی پہنچ چکا تھا...... روسی وفد کی آمد کی خبر اخباروں میں اس طرح چھپی کہ روس کا ایک تجارتی وفد بھارت آیا ہے جو بھارت میں ایک ہفتہ قیام کرے گا اور اسی دوران یہ وفد بھارت سے بعض تجارتی امور سے متعلق بات چیت بھی کرے گا اور خیال ہے کہ بھارت اور روس کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوں گے جس کے تحت بھارت روس کو خوردنی تیل، گندم اور کپڑا ایکسپورٹ کرے گا۔

اس خبر کے چھپتے ہی ستار سیٹھ نے مارگریٹا کو اتوار کی رات ایک مقامی ہوٹل میں کھانے پر بلایا اور اس کے آگے ایک بند لفافہ رکھتے ہوئے کہا۔

"اس لفافے میں پچاس ہزار کے نوٹ ہیں"۔

"یہ رقم اب تمہاری ملکیت ہے......اس کے عوض تمہیں میرا ایک چھوٹا سا کام کرنا ہوگا"۔

اور ستار سیٹھ نے صاف لفظوں میں مارگریٹا کو اپنا مدعا بیان کر دیا اور آخر میں کہا۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ راز صرف تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گا......اس کی کسی تیسرے شخص کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی"۔

پچاس ہزار روپوں کی رقم اس اقتصادی طور پر زبوں حال اینگلو انڈین بیوہ عورت مارگریٹا کے لئے بہت بڑی رقم تھی...... اس رقم سے اس کے بے شمار مسائل حل ہو سکتے تھے......ستار سیٹھ سے اس کی کوئی نئی نئی واقفیت نہیں تھی......وہ اسے دس بارہ سال سے جانتی تھی...... ستار سیٹھ نے مزید کہا۔

"اس پیشکش کے ساتھ ہی تمہارے ذمے میرا دس ہزار روپے کا قرضہ بھی بے باق ہو جائے گا...... یہ بھی میرا تم سے وعدہ ہے"۔

مارگریٹا نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ کیا وہ یہ کام اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے کر سکے گی؟ وہ ایسا کر سکتی تھی...... یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا، اس کا دوست اور روسی کونصلیٹ کے فوجی امور کا مشیر گریگوری اس پر اعتماد کرتا تھا......اس نے ستار سیٹھ کے آگے حامی بھری اور کہا۔

"اگر تم وعدہ کرتے ہو کہ یہ بات صرف تمہارے اور میرے درمیان ہی رہے گی اور مجھے کسی دوسرے شخص سے نہ تو کوئی بات کرنی پڑے گی اور نہ مجھے کسی کے سامنے جانا پڑے گا تو میں یہ راز اگر گریگوری کے پاس ہوا تو اس کی نقل تمہیں ضرور لا کر دوں گی"۔

ستار سیٹھ نے پچاس ہزار روپے کے کرنسی نوٹوں کا لفافہ مارگریٹا کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنے پرس میں رکھ لو...... تاج محل ہوٹل میں بھارت اور روسی وفد کے درمیان معاہدے کی دستاویز پر دستخط ہو جائیں گے، ہو سکتا ہے اس تجارتی معاہدے میں کچھ اسلحہ وغیرہ کے مندرجات بھی درج کر دیئے جائیں جو روس بھارت کو پاکستان یا چین سے جنگ کی صورت میں مہیا کرے گا، جو پارٹی تمہیں میری وساطت سے یہ رقم دے رہی ہے اس کو ان مندرجات سے بھی دلچسپی ہے...... تم میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی"۔

مارگریٹا کو اس سے کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی کہ معاہدے میں کس کس آئٹم کا ذکر ہو گا......اسے صرف پچاس ہزار روپے کی رقم سے دلچسپی تھی جس نے اس کے بے شمار مسائل کو حل کرنا تھا، اس نے کہا۔

"اس معاہدے میں جو کچھ بھی ہو گا میں اس کی نقل تمہیں لا کر دے دوں گی، لیکن اس کے بعد میں اس قسم کے کاموں میں حصہ نہیں لوں گی اور تم مجھے مجبور بھی نہ کرنا"۔

ستار سیٹھ جانتا تھا کہ اتنی بڑی رقم اس عورت کو ہر کام کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے......اپنی جاسوسی کی طویل زندگی میں کبھی کبھی ان لوگوں کو دشمن کے کچھ اپنے حالات کے ہاتھوں مجبور انسانوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں بھاری رقوم دے کر خریدنا پڑ جاتا ہے...... یہ ان جاسوسوں کی اپنی مجبوری ہوتی ہے......اس میں انہیں یہ خطرہ مول لینا پڑتا ہے کہ کہیں یہ آدمی جاسوس بن کر دشمن کے آگے ان کا پول نہ کھول دے...... اس کا ان جاسوسوں کے پاس یہی ایک علاج ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو اور اس آدمی کو جس کے آگے اس نے زبان کھولی ہوتی ہے...... دونوں کو قتل کروا دیا جائے...... ستار سیٹھ اپنے آدمیوں سے اس قسم کے دو ڈبل ایجنٹوں کا ان کی پارٹی سمیت قتل کروا چکا تھا، چنانچہ مارگریٹا کے ساتھ بات کرنے اور اس پر اپنے غیر ملکی ایجنٹ ہونے کا راز کھولنے سے پیشتر اپنے ایک آدمی کو تیار کر چکا تھا کہ اگر مارگریٹا نے ڈر کر یہ راز کسی کے آگے کھول دیا تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے......رات کو ستار

سیٹھ نے ریسٹ ہاؤس میں آکر کمانڈو جبران اور کمانڈو عمران کو یہ خوشخبری سنائی کہ مارگریٹا پچاس ہزار روپے کی رشوت کے بعد جنگی پیکٹ کی دستاویز کی نقل فراہم کرنے پر تیار ہو گئی ہے...... عمران نے فوراً پوچھا۔

"کیا آپ کو اس عورت پر اعتماد ہے کہ وہ آپ کا راز فاش نہیں کرے گی؟ آپ نے تو اسے اپنی چال کے پتے دکھا دیئے ہیں"۔

ستار سیٹھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا علاج بھی ہمارے پاس ہے اور میں نے اس کا پہلے سے بندوبست کر لیا ہے...... تم اس کی فکر نہ کرو...... اتنا مجھے یقین ہے کہ مارگریٹا یہ کام دیانت داری سے کرے گی اور اپنے دوست گریگوری کے کندھوں پر پاؤں رکھ کر روسی قونصل خانے سے معاہدے کی دستاویز کی نقل ضرور لے آئے گی...... اگر ایسا نہ کر سکی تو پچاس ہزار کی رقم مجھے واپس کر دے گی، کیونکہ وہ مجھے اور میرے پالے ہوئے، میرے پروردہ قاتل قسم کے بدمعاشوں سے خوب واقف ہے۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"اور اس بات کی یقین دہانی کون کرائے گا کہ مارگریٹا آپ کے بارے میں سی آئی ڈی کو رپورٹ نہیں کرے گی؟"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"مارگریٹا جانتی ہے کہ اگر اس نے ایسی کوئی حرکت کی تو میرے آدمی سب سے پہلے اس کے بچوں کو قتل کریں گے اور پھر اسے بھی زندہ نہ چھوڑیں گے"۔

جبران نے اس کے بعد کوئی سوال نہ پوچھا...... اب وہ بڑی بے چینی سے اس دن کا انتظار کرنے لگے جس روز روس اور بھارت کے درمیان جنگی معاہدے پر دستخط ہونے تھے۔

❁ ❁ ❁

آخر وہ دن آ گیا جس دن کا ان لوگوں کو شدت سے انتظار تھا۔

اس دن روس اور بھارت کے وفود کے درمیان بظاہر دونوں ممالک کے درمیان [illegible]ارت اور حقیقت میں دونوں ملکوں کے درمیان جنگی معاہدہ طے پا گیا اور دستاویز پر دستخط ہو گئے، اسی دن شام کو ستار سیٹھ کاسموپولیٹن کلب میں خاص طور پر مارگریٹا سے [ملا]قات کی غرض سے گیا...... مارگریٹا وہاں پارٹ ٹائم ڈیوٹی دینے آئی ہوئی تھی...... [مو]قع پا کر ستار سیٹھ نے اس سے کہا کہ جس دستاویز کی ہمیں نقل چاہیئے اس پر تاج محل [ہو]ٹل میں دونوں ممالک کے وفود کے سربراہوں کے دستخط ہو گئے ہیں...... مارگریٹا نے بڑی راز داری سے کہا۔

"ابھی تک وہ دستاویز روسی قونصلیٹ میں گریگوری کے پاس نہیں پہنچیں...... [میں] نے آج پتہ کر لیا تھا، میرا خیال ہے کل تک پہنچ جائے گی...... اس کے بعد میں کسی [نہ] کسی طرح اس کی ایک نقل حاصل کرنے کی کوشش کروں گی"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"کوشش نہیں مارگریٹا میری جان...... تمہیں یہ کام ہر حالت میں کرنا ہو گا"۔

مارگریٹا نے ستار سیٹھ کی طرف نظریں اٹھا کر کہا۔

"یہ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں ستار...... تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

ستار سیٹھ نے سگریٹ سلگایا اور کلب کے بار روم کی طرف چل دیا۔

مارگریٹا کو معاہدے کی دستاویز کی نقل حاصل کرنے میں تین دن لگ گئے...... اس دوران روسی وفد انڈیا کے تاریخی مقامات دیکھنے کی غرض سے آگرہ اور فتح پور سیکری کی طرف جا چکا تھا...... مارگریٹا نے ستار سیٹھ کو فون پر کہا۔

"سیٹھ آج شام کلب ضرور آنا...... میں اپنی سالگرہ کی پارٹی دے رہی ہوں"۔

ستار سیٹھ سمجھ گیا کہ مارگریٹا نے کام دکھا دیا ہے، ورنہ مارگریٹا نے آج تک کبھی اپنی سالگرہ نہیں منائی تھی...... ستار سیٹھ نے یہ بات کمانڈو جبران اور عمران کو بھی بتا دی کہ مارگریٹا نے دستاویز کی نقل حاصل کر لی ہے اور وہ آج شام کلب میں لے کر آ رہی ہے...... ستار سیٹھ شام کو خود ہی گاڑی چلاتا کلب پہنچ گیا...... مارگریٹا کلب کے کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ٹائپ کر رہی تھی...... اس نے ستار سیٹھ کو دیکھا تو میز کے دراز کے ایک خانے میں سے انگریزی کی ایک کتاب نکال کر ستار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ ستار سیٹھ...... میں نے یہ ناول پڑھ لیا ہے...... بڑا دلچسپ ناول تھا...... اب کوئی اور کتاب اسی مصنف کی لکھی ہوئی ضرور لا کر دینا...... مجھے اس آدمی کا سٹائل بہت اچھا لگتا ہے"۔

ستار سیٹھ نے دیکھ لیا تھا کہ انگریزی کے موٹے ناول کے اندر ایک لفافہ موجود تھا جس کے کنارے ذرا ذرا باہر نکلے ہوئے تھے...... ستار سیٹھ نے انگریزی کا ضخیم ناول بغل میں دبایا اور مارگریٹا کے ساتھ یونہی دو تین باتیں کر کے کلب سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور سیدھا ریسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا...... ذرا آگے جا کر اس نے گاڑی ایک طرف اندھیرے میں کھڑی کی...... انگریزی کا ناول کھول کر اندر سے خاکی رنگ کا لفافہ نکال کر کھولا...... اس میں ایک فل سکیپ کاغذ تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... یہ معاہدے کی دستاویز کی فوٹو کاپی تھی...... ستار سیٹھ ڈیش بورڈ کی بتی روشن کر کے دستاویز کی فوٹو کاپی پڑھنے لگا...... اس نے دو تین بار دستاویز کے انگریزی کے متن تجارتی شرائط و مندرجات کو پڑھا...... نیچے بھارت کے سیکرٹری فنانس اور سیکرٹری ڈیفنس کے دستخطوں کے ساتھ روسی وفد کے سربراہ کے دستخط بھی تھے مگر جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ وہاں نہیں تھی...... ستار سیٹھ نے گاڑی آگے بڑھائی اور ایک چوک میں لگے ہوئے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے مارگریٹا کو کلب میں فون کیا اور کہا۔

"اس کتاب میں جو تم نے مجھ دی ہے بعض چیزیں جن کی مجھے ضرورت تھی درج نہیں ہیں"۔

مارگریٹا نے کہا۔

"میں نے کتاب اسی حالت میں خریدی تھی...... میں کلب سے نکل کر تمہاری طرف سے ہوتی آؤں گی...... ساری بات زبانی کروں گی"۔

ستار نے کہا۔

"میں ریسٹ ہاؤس میں ہی ہوں گا"۔

مارگریٹا نے ٹیلی فون بند کر دیا...... ریسٹ ہاؤس میں کمانڈو عمران اور جبران ستار سیٹھ کے انتظار میں بیٹھے تھے...... ستار نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کتاب میں سے معاہدے کی دستاویز کی فوٹو کاپی عمران کو دیتے ہوئے کہا۔

"مارگریٹا نے معاہدے کی فوٹو کاپی دے دی ہے، مگر اس میں تجارتی آئٹمیں درج ہیں، جنگی ساز و سامان کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے"۔

عمران بولا۔

"پھر تو یہ دستاویز ہمارے لئے بیکار ہے...... مارگریٹا سے پوچھنا تھا کہ اس میں اسلحہ اور دیگر فوجی سامان کا ذکر کیوں نہیں ہے، جبکہ یہ تصدیق شدہ بات ہے کہ یہ تجارتی معاہدہ نہیں ہے بلکہ جنگی معاہدہ ہے"۔

ستار بولا۔

"میں نے گاڑی میں یہ دستاویز پڑھی تھی اور ایک جگہ سے مارگریٹا کو فون کر کے

پوچھا تھا...... اس نے کہا ہے کہ وہ خود یہاں آ کر بات کرے گی...... اس وقت آٹھ بجے ہیں وہ نو بجے رات کو کلب سے نکلتی ہے"۔

یہ لمحے بھی ایک تکلیف دہ انتظار کی گھڑیاں تھیں...... ٹھیک نو بجے ستار سیٹھ نے مارگریٹا کو کلب فون کیا...... معلوم ہوا کہ وہ ابھی نکل کر گئی ہے...... کچھ دیر بعد مارگریٹا کے پرانے ماڈل کی بوسیدہ گاڑی لان میں داخل ہوئی...... کمانڈو جبران اور عمران کو دیکھ کر مارگریٹ تھوڑا ہچکچائی...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ میرے ساتھی ہیں...... ان کی فکر نہ کرو...... جو بات کہنا چاہتی ہو کھل کر بیان کرو"۔

مارگریٹا ستار سیٹھ کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی...... ستار سیٹھ نے دستاویز کی فوٹو کاپی نکال کر سامنے رکھ دی اور کہا۔

"اس میں وار پیکٹ کے سلسلے میں بھارت کو ملنے والی روسی فوجی امداد کا کہیں ذکر نہیں ہے...... ہمیں تو ان کی ضرورت تھی...... یہ دستاویز تو ہمارے لئے بیکار ہیں"۔

مارگریٹا بولی۔

"ستار! یہی وہ اصل معاہدے کی فوٹو کاپی ہے جو دو روز پہلے تاج محل ہوٹل میں روس اور بھارت کے درمیان طے پایا ہے...... اس پر دونوں وفود کے لیڈروں کے دستخط ہیں اور سرکاری مہریں بھی لگی ہیں...... میں نے اس دستاویز کی فوٹو کاپی اپنی جان کی بازی لگا کر کس طرح حاصل کی ہے یہ میں ہی جانتی ہوں...... اب اگر اس میں آپ لوگوں کی پسند کی کچھ آئٹمیں درج نہیں ہیں تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے"۔

ستار سیٹھ کو تھوڑا غصہ آ گیا...... اس نے جیب سے بھرا ہوا جرمن پستول نکال کر میز پر رکھ دیا اور مارگریٹا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مارگریٹا! تم دیکھ رہی ہو کہ اس وقت پستول کا رخ تمہاری طرف ہے...... یہ لوڈ ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں اسے چلانا اور اس کی گولیاں دشمن کے سینے میں اتارنا جانتا ہوں"۔

مارگریٹا کا رنگ خوف کے مارے سفید پڑ گیا...... ستار سیٹھ نے پستول اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور مارگریٹا کے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے...... تم میری دوست ہو...... میں نہیں سمجھتا کہ کبھی اس پستول کی گولیاں تمہارے جسم میں اتارنی پڑیں گی...... مجھے یقین ہے کہ ایسی نوبت نہیں آئے گی...... یہ ہو نہیں سکتا کہ اس میٹنگ میں روس اور بھارت کے مابین کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو اور کسی نہ کسی جگہ اس معاہدے کی رو سے بھارت کو سپلائی کئے جانے والے فوجی ساز و سامان کی تفصیل نہ لکھی گئی ہو...... مجھے یقین ہے کہ یہ دستاویز بھی خفیہ رکھا گیا ہے ضرور روسی قونصل خانے میں موجود ہو گی۔ تمہیں ہر حالت میں اس کا کھوج لگا کر اس کی ایک کاپی ہمیں مہیا کرنی ہے...... میرا خیال ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کا مطلب سمجھ رہی ہو"۔

مارگریٹا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا...... وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ان لوگوں کی تسلی نہ کی تو اسے نہ صرف یہ کہ پچاس ہزار روپے واپس دینے پڑیں گے بلکہ ممکن ہے اس کے ساتھ ستار سیٹھ کے آدمی کچھ اور بھی کریں، چنانچہ وہ ہر حالت میں ان کی تسلی کرنا چاہتی تھی، اس نے کہا۔

"ستار سیٹھ! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... اگر تمہاری مطلوبہ دستاویز روسی قونصلیٹ میں موجود ہے تو یقین کرو میں اس کی فوٹو کاپی لانے کی سر توڑ کوشش کروں گی...... مجھے صرف دو دن کی مہلت دے دو"۔

ستار سیٹھ نے بڑے پیار سے مارگریٹا کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ضرور مہلت لے لو، مگر دو دن کی، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے" مارگریٹا نے کہا اور جانے کے لئے اجازت طلب کی...... ستار سیٹھ اسے چھوڑنے اس کی گاڑی تک گیا...... جب مارگریٹا کی گاڑی ریسٹ ہاؤس سے باہر نکل

گئی تو ستار سیٹھ نے عمران اور جبران کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اب یہ ہمارا کام ضرور کرے گی چاہے اسے کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑا..... میں بھی نہیں چاہتا کہ وہ پچاس ہزار کی رقم واپس کر دے"۔

مزید دو دن پہاڑ کی طرح کاٹنے پڑے۔

تیسرے دن مار گریٹا کا ستار سیٹھ کو فون آیا کہ وہ آج رات سوا نو بجے ریسٹ ہاؤ پہنچ رہی ہے..... اس کے سوا اس نے فون پر کوئی بات نہ کی اور فون بند کر دیا..... را کو کلب کی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر مار گریٹا ٹھیک سوا نو بجے ریسٹ ہاؤس پہنچ گئی..... کما عمران، جبران اور ستار سیٹھ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے..... ریسٹ ہاؤس میں سوا بوڑھے ملازم کے اور کوئی نوکر نہیں ہوتا تھا..... جب مار گریٹا آتی تھی یا جبران ا عمران کے ساتھ ستار سیٹھ گفتگو کر رہا ہوتا تھا تو بوڑھے ملازم کو بھی بغیر پوچھے کمر میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی..... ستار سیٹھ نے مار گریٹا سے پوچھا کہ وہ کیا خو خبری لائی ہے، وہ بولی۔

"یہ نہ تو خوش خبری ہے اور نہ کوئی بری خبر ہے..... بلکہ بالکل صحیح خبر ہے روس اور بھارت کے مابین طے پانے والے جنگی معاہدے کی اصل کاپی ایک بری کیس میں بند کر کے بمبئی کی گودی میں جو روس کا تجارتی جہاز لنگر انداز ہے اس کیپٹن کے حوالے کر دی گئی ہے تاکہ اس کے چرائے جانے کا کوئی امکان ہی نہ ر کیونکہ تاج محل ہوٹل میں یا بھارت میں اس کے چرائے جانے کا خطرہ موجود تھا روسی جہاز پر تو کسی بھارتی یا غیر ملک کے باشندے کو جانے کی اجازت ہی نہیں ہے یہ بالکل پکی اطلاع ہے..... بریف کیس کا رنگ سیاہ ہے اور اس پر سرخ رومن حر میں C.C.P لکھا ہوا ہے..... بریف کیس کو جو تالا لگا ہوا ہے وہ کمپیوٹر کے ہندسوں ہے"۔

"یہ ہندسے کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں؟"۔

عمران نے پوچھا..... مار گریٹا نے کہا۔

"یہ مجھے ابھی معلوم نہیں ہو سکا..... میں اس کا سراغ لگانے میں لگی ہوئی ..... کل رات میں نے اسی مقصد کے لئے روسی قونصل خانے کے فوجی مشیر گریگوری کو اپنے گھر رات کو کھانے پر بلایا ہے..... کل رات کھانے کے بعد ب کا دور بھی چلے گا..... اسی دوران میں کسی نہ کسی طرح کرنل گریگوری سے یہ م کر لوں گی کہ بریف کیس کے تالے کے حروف یا ہندسے کون کون سے ہیں جن ر کر بریف کیس کھل جاتا ہے..... یہ میں نے پتہ کر لیا ہے کہ ان خفیہ حروف یا ں کا جوڑ گریگوری کو معلوم ہے"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"یہ بڑا نازک کام ہے مار گریٹا..... کرنل گریگوری سفارت کار ہے اور یہ لوگ ک ہوتے ہیں..... اسے ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو وہ نہ صرف یہ کہ تمہیں کچھ گا نہیں بلکہ ممکن ہے تمہیں بھی روسی قونصل خانے کی ملازمت سے جواب مل "۔

مار گریٹا نے سانس بھر کر کہا۔

"ستار سیٹھ! یہ خطرہ مجھے مول لینا ہی ہوگا اور جہاں تک کام کی نزاکت کا تعلق ہے تم فکر نہ کرو..... مجھے سفارت خانے کی نوکری کرتے کئی سال بیت گئے ہیں..... ارت کاروں کی تمام کمزوریوں سے واقف ہو چکی ہوں اور مجھے انہیں چاروں چت گرانے کا ڈھنگ آتا ہے..... میں بس یہی کہنے آئی تھی..... اب میں ای وقت تمہارے پاس آؤں گی..... اب میں چلتی ہوں"۔

ب مار گریٹا چلی گئی تو ستار سیٹھ بولا۔

"اس نے ایک نئی کہانی سنا دی ہے، لیکن میں اس عورت کو جانتا ہوں..... اس ٹ نہیں بولا..... یہ جو کچھ کہہ رہی تھی سچ کہہ رہی تھی اور مجھے یقین ہے کہ یہ

کمپیوٹر تالے کا خفیہ کوڈ حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرے گی"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"اگر یہ سب کچھ حقیقت پر مبنی ہے تو صورت حال بالکل بدل گئی ہے...... ہمیں کوئی اور لائن آف ایکشن اختیار کرنی پڑے گی"۔

جبران نے کہا۔

"لائن آف ایکشن کا فیصلہ پرسوں مارگریٹا کے آنے کے بعد ہوگا...... اگر بریف کیس کے تالے کا کوڈ لے آتی ہے تو ٹھیک ہے اگر نہیں لاتی تو پھر سوچیں گے اس بریف کیس کو روس کے تجارتی جہاز سے اڑانے کے لئے کیا کیا جائے"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"یہ کم بخت روس کا تجارتی جہاز لگتا ہے اسی مقصد کے لئے آیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اس مقصد کے لئے نہ بھی آیا ہو جب بھی اپنے ملک کی کوئی خفیہ دستاویز م رکھنے کے لئے بحری جہاز سب سے زیادہ قابل اعتبار ہوتا ہے، کیونکہ وہ تو ایک ط سے دوسرے ملک کا چھوٹا سا ٹکڑا سمندر میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے...... روسی جہاز روس کی حکومت ہی ہو گی...... یہی بات میرے لئے ایک معمہ بنی ہوئی ہے کہ اگر بریف کیس کے تالے کا کوڈ معلوم ہو بھی گیا تو روسی جہاز پر کس بھیس میں جائیں اور جہاز پر جائے بغیر ہم جنگی معاہدے کی اصل کاپی کبھی حاصل نہیں کر سکتے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"اسے پرسوں آنے دو...... دیکھتے ہیں وہ تھیلے میں سے کیا نکالتی ہے"۔

وہ رات کے دس سوا دس بجے تک باتیں کرتے رہے...... پھر ستار گیا...... دوسرا دن بھی امید و ناامیدی کی حالت میں گزر گیا...... تیسرے دن عمران نے ستار سیٹھ کو اس کے آفس فون کیا اور کہا کہ مارگریٹا کو فون کر کے

ے کہ رات اس نے کرنل گریگوری کی جو خاص دعوت کی تھی اس کا کیا نتیجہ نکلا ؟...... ستار سیٹھ بولا۔

"قونصلیٹ میں جہاں مارگریٹا کام کرتی ہے اس قسم کا فون کرنا نہ صرف مارگریٹا ہ خود ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... ویسے بھی میں نے مارگریٹا سے کوئی ت کرنی ہوتی ہے تو رات کو اسے کلب میں ہی فون کرتا ہوں...... قونصلیٹ میں کبھی ن نہیں کیا، فکر نہ کرو...... مارگریٹا اس قسم کے معاملات کو عیاری کے ساتھ سلجھانا اتی ہے...... مجھے یقین ہے کہ اس نے میدان مار لیا ہو گا۔

میں رات کو جلدی آجاؤں گا۔

اور ستار سیٹھ نے فون بند کر دیا...... رات کو ستار سیٹھ آٹھ بجے ہی ریسٹ ہاؤس گیا...... انہوں نے ساڑھے آٹھ بجے کھانا کھایا اور لان میں بیٹھ کر کافی پینے لگے...... لی فون ستار سیٹھ نے وہیں منگوا لیا تھا...... ٹھیک نو بجے رات اس نے مارگریٹا کو کلب ں فون کیا اور کہا۔

"میں ستار سیٹھ بول رہا ہوں"۔

مارگریٹا نے کہا۔

"میرا انتظار کرو...... میں آدھ گھنٹے تک پہنچ جاؤں گی...... معاملہ ٹھیک ہی ہو گیا ہے"۔

اور مارگریٹا نے فون بند کر دیا۔

ستار سیٹھ عمران اور جبران سے کہنے لگا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ یہ بڑی ہوشیار عورت ہے اسے سفارت کاروں تک کو الو بنانا تا ہے...... کہہ رہی تھی کہ معاملہ ٹھیک ہی ہو گیا ہے"۔

کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کے چہروں سے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ ا...... دراصل ان کا ذہن اسی روز سے یہ سوچ رہا تھا کہ روسی جہاز پر کس طرح داخل

ہوا جا سکتا ہے...... یہ وہ سمجھ چکے تھے کہ جہاز پر چڑھے بغیر بریف کیس حاصل نہیں کیا جا سکتا اور بریف کیس کو وہیں کھول کر جنگی معاہدے کی فوٹو کاپی حاصل کرنا اس سے زیادہ ضروری تھا...... وہ بریف کیس اڑا کر بھی نہیں لانا چاہتے تھے، کیونکہ بریف کیس چوری ہو جانے کی صورت میں بھارتی حکومت معاہدے کی شقوں یعنی آئٹموں میں تبدیلی کر سکتی تھی...... عمران اور جبران چاہتے تھے کہ بریف کیس جہاز کے کپتان کے پاس ہی رہے اور معاہدے کی فوٹو کاپی ان کے پاس آجائے اور نہ روسی گورنمنٹ اور نہ انڈین گورنمنٹ کو پتہ چل سکے کہ معاہدے کی کاپی حکومت پاکستان کے پاس پہنچ گئی ہے۔

مارگریٹا ٹھیک سوا نو بجے ان کے پاس پہنچ گئی۔

اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ کل کی ساری رات جاگتی رہی ہے...... کہنے لگی۔

"ستار سیٹھ! کوڈ مجھے مل گئی ہے...... یہ میں نے کرنل گریگوری سے کس طریقے سے حاصل کی ہے؟ یہ میں ہی جانتی ہوں اور میں بتانا بھی نہیں چاہتی"۔

اس کے بعد مارگریٹا نے پرس میں سے اپنی چھوٹی سی نوٹ بک نکالی...... اس کے ایک سادہ صفحے پر کچھ حروف لکھے ہوئے تھے...... مارگریٹا نے وہ صفحہ پھاڑ کر ستار سیٹھ کے حوالے کر کے کہا۔

"یہ وہ ہندسے ہیں جن کو بریف کیس کے تالے پر دبانے سے مجھے یقین ہے کہ بریف کیس کھل جائے گا"۔

ستار سیٹھ نے کاغذ پر لکھے ہوئے ہندسوں کو غور سے دیکھا اور کاغذ کمانڈو عمران کو دے دیا...... یہ کل سات ہندسے تھے جن میں زیرو کا ہندسہ تین بار آتا تھا...... ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کرنل گریگوری نے تم سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے بلف چال چلی ہو اور تمہیں غلط کوڈ دے دیا ہو"۔

مارگریٹا بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے اس بات کا خدشہ نہیں تھا؟ میں نے ان عیار لوگوں میں سال گزارے ہیں...... میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں...... میں یہ حماقت کیسے کر سکتی تھی کہ گریگوری سے خود پوچھتی کہ اتنے سیکرٹ اور اہم بریف کیس کے تالے کا کوڈ کیا ہے؟ یہ مجھے معلوم تھا کہ گریگوری اس قسم کی انتہائی خفیہ اور ٹاپ سیکرٹ چیزیں کہاں نوٹ کر کے رکھتا ہے...... اس کے پاس سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی پاکٹ بک ہے...... ایسی چیزیں اور بعض ٹیلی فون کے خفیہ نمبر وہ اسی پاکٹ بک میں نوٹ کر رکھتا ہے اور یہ پاکٹ بک ہر وقت گریگوری کے انڈرویئر کی ایک خفیہ جیب میں رہتی ہے...... وہاں تک سوائے میرے اور کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا...... میرا خیال ہے اب تم لوگ سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے کیا کیا ہو گا...... بہرحال اتنا ضرور بتا دینا چاہتی ہوں کہ جب میں نے گریگوری کی سرخ پاکٹ بک سے یہ نمبر نوٹ کیا تھا اس وقت وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا...... رات میں نے جان بوجھ کر اسے شراب زیادہ پلا دی تھی"۔

کمانڈو عمران اور جبران کوڈ کے خفیہ ہندسوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے...... مارگریٹا نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ستار سیٹھ سے کہا۔

"سیٹھ! تمہارے اور میرے تعلقات اتنے پرانے ہیں کہ میں نے تم سے کبھی کوئی چیز نہیں چھپائی...... میں جانتی ہوں کہ تم نے مجھے جس کام کے لئے اتنی بڑی رقم دی تھی وہ کام میں نے پورا نہیں کیا، ادھورا کیا ہے...... اس طرح پوری رقم پر میرا حق نہیں بنتا، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں آدھی رقم تمہیں واپس کر دوں گی...... پچیس ہزار روپے پرس میں اپنے ساتھ لائی ہوں"۔

مارگریٹا اپنا پرس کھولنے لگی تو ستار سیٹھ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور

"میری جان! مجھے تمہاری دوستی ان پیسوں سے زیادہ عزیز ہے...... میں یہ رقم

واپس نہیں لوں گا“۔

عمران اور جبران نے ستار سیٹھ کے اس جذبے یا حکمت عملی کو پسند کیا...... وہ بمبئی میں بیٹھ کر کشمیری حریت پسندوں اور پاکستان کے لئے جو کام کر رہا تھا اس کے لئے مارگریٹا ایسی عورت سے تعلقات بنا کر رکھنا بہت ضروری تھا...... ویسے بھی پچاس ہزار روپے کی رقم ستار سیٹھ کے لئے کوئی بڑی رقم نہیں تھی...... وہ تاج محل ہوٹل کی ایک پارٹی کے ٹھیکے سے اس سے دس گناہ زیادہ کما لیتا تھا۔

مارگریٹا کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک آ گئی...... اس نے ستار سیٹھ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بڑے جذباتی انداز میں بولی۔

”ستار جی! اب واقعی تم نے مجھے خرید لیا ہے“۔

ستار سیٹھ نے بڑی بے باکی سے مارگریٹا کا گال چوم کر کہا۔

”نہیں میری جان! تمہاری قیمت میری نظروں میں اس سے کہیں زیادہ ہے...... تم تو انمول ہو“۔

مارگریٹا نے آنکھیں بند کر لیں اور سر صوفے کی پشت سے لگا دیا...... عمران نے ستار سیٹھ کی طرف دیکھا...... وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ سر ہلا رہا تھا۔ عمران اور جبران سیٹھ ستار کی سیاست کاری اور سیاسی دانشمندی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، جس پر خطر منصب پر بیٹھا وہ جس نوعیت کا کام کر رہا تھا اس کے لئے ان اوصاف کا ہونا بہت ضروری تھا...... مارگریٹا جانے لگی تو وہ ستار سیٹھ کے گلے لگ کر ملی۔ ستار سیٹھ اسے چھوڑنے اس کی گاڑی تک گیا۔

کمانڈو جبران نے عمران سے کہا۔

”عمران بھائی! یہ عورت دل کی بہت اچھی ہے...... مجھے ڈر ہے اگر یہ پکڑی گئی تو سب کے نام بتا دے گی...... ستار سیٹھ نے اسے خرید کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے“۔

کمانڈو عمران نوٹ بک کے کاغذ پر لکھے ہوئے بریف کیس کے کوڈ نمبر کو دیکھتے

ہوئے کچھ سوچ رہا تھا...... کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

”ستار سیٹھ احمق نہیں ہے...... وہ ایک تجربہ کار ایجنٹ ہے اور اس نے بڑی دور دور تک جال پھیلایا ہوا ہے...... اس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں...... اگر یہ پکڑی گئی تو پیشتر اس کے کہ یہ زبان کھولے یہ قتل ہو چکی ہو گی“۔

ستار سیٹھ مارگریٹا کو رخصت کر کے آہستہ آہستہ سر ہلاتے ہوئے ان کی طرف آ رہا تھا...... کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”خفیہ کوڈ تو یہ عورت لے آئی ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ روسی جہاز سے معاہدے کی نقل کیسے لائی جائے گی...... میرا خیال ہے کہ ہمارے مشن کا سب سے اہم اور خطرناک مرحلہ اب شروع ہونے والا ہے“۔

کمانڈو عمران نے ہلکی سی جمائی لے کر کہا۔

”میرا خیال ہے اس پر کل غور کریں گے...... مجھے نیند آ رہی ہے“۔

”یہ خیال رہے کہ تمہارے پاس زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے...... روس کا جہاز کسی وقت بھی روانہ ہو سکتا ہے“۔

عمران بولا۔

”اللہ مالک ہے...... آپ کل دوپہر کو ضرور آئیں...... پھر بات کریں گے...... اگر آپ جہاز کی روانگی کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کر سکیں تو وہ ہمارے لئے بڑی مفید ہوں گی“۔

”کوشش کروں گا“۔

یہ کہہ کر ستار سیٹھ اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔

عمران اور کمانڈو جبران بیڈ روم میں آ گئے...... عمران نے خفیہ کوڈ والا تہہ کیا ہوا کاغذ کونے میں باتھ روم کے باہر کھڑی وزن کرنے والی مشین کے نیچے چھپا دیا...... بیڈ روم کی دونوں بتیاں بجھا کر عمران نے باتھ روم کے دروازے کے اوپر لگی دس واٹ کی

نیلے رنگ کی بتی جلائی اور پلنگ پر لیٹ کر اس کی پشت سے ٹیک لگا دی...... جبران ساتھ والے پلنگ پر نیم دراز ہو گیا، کہنے لگا۔

"روسی جہاز میں داخل ہونے کا کوئی طریقہ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا"۔

عمران بولا۔

"اس وقت مجھے بھی کچھ نہیں سوجھ رہا...... سو جاتے ہیں...... صبح تازہ دم ہو کر بات کریں گے"۔

دونوں کمانڈو صبح دیر تک سوئے رہے...... بوڑھے ملازم نے انہیں آ کر جگایا...... وہ چائے لے کر آیا تھا...... اس وقت کافی دن چڑھ آیا تھا...... ناشتے کے تھوڑی دیر بعد ستار سیٹھ کا فون آ گیا کہ وہ ایک گھنٹے تک پہنچ رہا ہے...... ستار سیٹھ کے آنے تک عمران اور کمانڈو جبران اپنے کمانڈو آپریشن کے بارے میں کافی غور و فکر کرتے رہے...... صرف ایک بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ جہاز میں، جہاں صرف روسی عملہ ہی ہوگا اور سیکورٹی بھی بڑی سخت ہوگی داخل کیسے ہوں گے؟ کس حیثیت سے داخل ہوں گے اور کس حلیئے میں داخل ہوں گے...... اگر یہ کوئی بھارتی جہاز ہوتا تو ظاہر ہے اس کا سارا عملہ ہندوستانی لوگوں پر مشتمل ہوتا اور ایسے جہاز پر ان دونوں کا کسی بھی بھیس میں داخل ہونا کوئی خاص مشکل نہیں تھا، لیکن یہ جہاز بھارت کا نہیں تھا...... یہ روس کا جہاز تھا اور وہاں کسی ہندوستانی کو جہاز کے نزدیک پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں تھی...... روسی حکام ویسے بھی بہت شکی مزاج کے ہوتے ہیں اور اس جہاز پر تو ان کی حکومت کی ایک بڑی قیمتی اور ٹاپ سیکرٹ دستاویز روس جا رہی تھی۔

ستار سیٹھ بھی آ گیا...... آج اس نے شارک سلک کا سفید سوٹ پہن رکھا تھا جو اس کے بھرے بھرے جسم پر خوب سج رہا تھا...... اس روز بمبئی کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور لگتا تھا کہ بارش ہوگی...... لان میں بانس کی کرسیاں پڑی تھیں

ن وہ ٹی وی لانج میں ہی بیٹھ گئے...... ستار سیٹھ نے ملازم سے کہا کہ کافی لے
ئے...... جب تک کافی نہیں آئی ستار سیٹھ بمبئی کے موسم کی باتیں کرتے رہے......
زم کافی کی ٹرے رکھ کر چلا گیا تو ستار سیٹھ نے کہا۔

"روسی جہاز کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ آج سے ٹھیک تین دن بعد روس
انہ ہوگا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ روسی بحریہ کا ایک ٹاپ انٹیلی جنس آفیسر جس کا نام
رگ ہے روسی وفد کے ساتھ بھارت کے تاریخی مقامات کی سیر کرنے گیا ہوا ہے،
ے اس بحری جہاز کے ساتھ اپنے وطن جانا ہے...... وہ اترسوں بمبئی پہنچے گا"۔

کمانڈو عمران کافی بنانے لگا...... جبران خاموش بیٹھا بڑی توجہ کے ساتھ عمران کو
ی بناتے دیکھ رہا تھا...... ستار سیٹھ نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"بھئی تم لوگوں نے آخر کچھ سوچا بھی ہے کہ نہیں؟"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دادا! باقی سب باتیں سمجھ میں آ گئی ہیں...... صرف ایک مسئلہ ہے جس کا کوئی
ل دکھائی نہیں دے رہا...... مسئلہ یہ ہے کہ جہاز پر داخل کیسے ہوا جائے؟ ایک تو جہاز
ر ملکی ہے اور جہاز کا سارا عملہ گوری رنگت والے بلکہ سرخ رنگت والے روسیوں پر
تمل ہے...... ہم لوگ تو فوراً پہچانے جائیں گے...... دوسرے ہمارے لئے بمبئی کی
رگاہ اور وہاں کے سارے لوگ اجنبی ہیں"۔

ستار سیٹھ نے سگریٹ کا کش لگا کر دھواں اڑاتے ہوئے کہا۔

"ارے بھائی! آپ کے لئے لوگ اجنبی ہیں میرے لئے تو نہیں ہیں"۔

جبران بولا۔

"دادا! ہمارے پاس زیادہ لمبے منصوبے بنانے کا وقت نہیں ہے...... جہاز تین
ن بعد بمبئی سے روانہ ہو جائے گا اور ہمیں اس دوران اس طریقے سے جہاز پر چڑھنا
ہے کہ ہم پر کسی کو شک شبہ نہ ہو اور بریف کیس تک پہنچ کر معاہدے کی فوٹو

کاپی لے کر جہاز سے اترنا بھی ہے...... اگر جہاز چل پڑا اور ہم جہاز پر ہی ہوئے تو پھر ہم اتر نہیں سکیں گے...... سمندر میں چھلانگیں ہی لگانی پڑیں گی جس کے فوراً بعد ہم پکڑ لئے جائیں گے...... اگر ہم پکڑے نہیں جاتے تو خدا جانے ہمیں کہاں سمندر میں چھلانگیں لگانی پڑیں اور پھر وہاں سے ہم تیر کر بمبئی کے ساحل پر پہنچ بھی سکیں یا نہ پہنچ سکیں"۔

ستار سیٹھ نے دونوں کی طرف ذرا سا جھک کر بڑی رازداری سے کہا۔

"میں نے اس کا ایک حل تلاش کر لیا ہے...... تم شاید سوچتے ہو گے کہ میں آرام سے بیٹھ گیا ہوں...... نہیں، یہ میرے آرام سے بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ میں بیدار تھا اور میں نے اپنے ان تمام خفیہ ذرائع کو بھی ہوشیار کر دیا تھا جو اس مہم میں میرے کام آ سکتے تھے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مرحلہ کافی مشکل ہے...... اگر یہ کوئی بھارتی جہاز ہوتا تو اب تک تم لوگ بھارتی ملاحوں کے بھیس میں جہاز پر پہنچ چکے ہوتے...... یہ روسی جہاز ہے جس کی انٹیلی جنس کے جی بی لومڑی سے زیادہ مکار اور بھیڑیئے سے زیادہ خونخوار ہے...... ایک بار پیچھے پڑ جائے تو اس سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے...... کافی دماغ سوزی اور غور و فکر کے بعد اس مسئلے کا ایک ہی حل میری سمجھ میں آیا ہے...... اس میں ذرا تھوڑی ہنرمندی سے کام لینا پڑے گا، لیکن تم لوگ جہاز پر پہنچ جاؤ گے"۔

عمران نے کہا۔

"پہلی بات یہ ہے کہ ہم دونوں یعنی میں اور جبران جہاز پر نہیں جائیں گے۔ جہاز پر صرف میں جاؤں گا...... اب آپ بتائیں کہ آپ نے کیا حل نکالا ہے"۔

ستار سیٹھ نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا...... کہنے لگا۔

"پھر تو سمجھو کہ سارا کام ہو گیا...... میری طرف سے بھی جہاز پر صرف ایک آدمی کے جانے کا انتظام ہوا تھا"۔

کمانڈو عمران اور جبران خاموش بیٹھے ستار سیٹھ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ہیں اس نے کیا طریقہ سوچا ہے...... ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"تمہارے سب سے بڑے مسئلے کا حل قدرت نے خود نکال دیا ہے...... یہ تو ب کو معلوم ہے کہ بھارت کے روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں اور دونوں وں کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا لگا ہی رہتا ہے...... اسی طرح روس ے تجارتی جہاز بھی بھارت آتے جاتے رہتے ہیں...... روس کے اس تجارتی جہاز کا ان بھی جو روسی ہے اکثر جہاز لے کر بھارت کی بندرگاہ میں آتا رہتا ہے...... اس ان کو بھارت کے چٹ پٹے کھانے بہت پسند ہیں...... خاص طور پر وہ بھارت کے لئی پلاؤ کا بہت ہی شیدائی ہے...... وہ جب بھی جہاز لے کر بھارت آتا ہے تو یہاں زانہ دن میں دو بار مغلئی پلاؤ ہی کسی بڑے ہوٹل سے منگوا کر کھاتا ہے اور جاتے ئے تین چار دن کا کھانا فریزر میں رکھوا کر ساتھ لے جاتا ہے، لیکن اس بار تمہاری ہ ہماری خوش قسمتی سے اس روسی کپتان نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ یہاں سے مغلئی پلاؤ انے والا ایک باورچی جہاز میں اپنے ساتھ لے جائے گا، کیونکہ تجارتی جہاز راستے میں تین جگہوں پر مال اتارنے کے لئے ٹھہرتا بھی ہے اور اسے اپنی منزل پر پہنچتے پہنچتے ایک مہینہ لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے فریزر میں رکھے ہوئے مغلئی پلاؤ کا ذائقہ ل جاتا ہے، چنانچہ اس دفعہ وہ اپنے ساتھ بمبئی سے ایک بھارتی باورچی ساتھ لے رہا ہے جو اسے سفر میں تازہ مغلئی پلاؤ بنا کر کھلاتا رہے گا...... اس مقصد کے لئے جہاز ے کپتان نے روسی قونصل خانے کے پریس اتاشی کے ذریعے ایک فائیو سٹار ہوٹل ے جس ہیڈ شیف کو باورچی کا انتظام کرنے کے لئے کہا ہے وہ حسن اتفاق سے اپنا ہی ی ہے...... میں نے اس سے ساری بات کر لی ہے...... وہ تمہیں مغلئی پلاؤ بنانے کے ر بھارتی باورچی کی حیثیت سے روسی کپتان کے آگے پیش کرے گا اور یقینی بات ہے ہ تمہیں باورچی رکھ لیا جائے گا...... اس باورچی کو روس کی سرزمین پر اترنے کی

اجازت نہیں ہو گی...... وہ جہاز جب روس کی کسی بندر گاہ پر لگے گا تو تم جہاز پر ہی رہو گے...... روسی کپتان کسی دوسرے تجارتی جہاز میں جو بھارت مال لے کر بھارت آرہا ہو گا سوار کرادے گا اور تم دو مہینے بعد بمبئی واپس آجاؤ گے...... اس کے لئے تمہیں بڑے شیف یعنی فائیو سٹار ہوٹل کے ہیڈ باورچی سے ایک دو دن مغلئی پلاؤ تیار کرنے کی ٹریننگ لینی ہو گی...... کیا خیال ہے؟"۔

عمران کو یہ تجویز ان حالات میں غنیمت محسوس ہوئی تھی...... اس طرح سے اسے جہاز کے کپتان کے کیبن میں جانے کا بھی موقع مل جائے گا اور خفیہ معاہدے والا بریف کیس کپتان کے کیبن میں ہی کسی محفوظ جگہ رکھا ہو گا...... وہاں نہ بھی ہوا تو جہاز میں سفر کے دوران وہ اس کا سراغ لگالے گا...... اس نے ستار سیٹھ سے کہا۔

"میں پہلے ہی کھانا پکانے میں بڑا ماہر ہوں اور عام پلاؤ بڑی مہارت سے بنالیتا ہوں...... باقی مغلئی پلاؤ کا نسخہ میں ہیڈ باورچی سے سیکھ لوں گا...... تمہارا کیا خیال ہے جبران؟"۔

جبران بولا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے...... اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آتا...... اس سے یہ بھی ہو گا کہ تمہیں جہاز کے کپتان کے کیبن میں چلنے پھرنے کا موقع مل جائے گا، کیونکہ کپتان کی پسند کا مغلئی پلاؤ لے کر تم ہی جہاز کے کیبن میں جاؤ گے"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"بس اس میں صرف ایک احتیاط کی ضرورت ہے کہ کیبن میں بریف کیس تلاش کرنے میں جلدی نہ کی جائے...... تمہارے پاس پورا ایک مہینہ ہو گا...... تم بڑے ٹھنڈے دل سے یہ آپریشن کر سکو گے...... اس میں ایک قباحت بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ تم عین موقع پر پکڑے گئے تو تمہارا زندہ بچنا تو ناممکن ہو گا لیکن سوال یہ ہے کہ تم وہ راز ہم تک کیسے پہنچا سکو گے جس کی خاطر تم یہ سارا کمانڈو آپریشن کر رہے ہو، کیونکہ جنگی معاہدے کی فوٹو کاپی تو تمہارے پاس ہی ہو گی اور وہ تمہارے ساتھ ہی ضائع ہو جائے گی...... تم اسے سمندر میں بھی پھینک دو گے تو اس کا ہمیں اور پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا"۔

کمانڈو عمران بولا۔

"میں فوٹو کاپی کے ساتھ ہی سمندر میں چھلانگ لگانے کی کوشش کروں گا...... اس صورت میں اس بات کا امکان ہو گا کہ میں ٹاپ سیکرٹ معاہدے کی نقل لے کر فرار ہو جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا"۔

"اور اگر تم ایسا نہ کر سکے تو؟" کمانڈو جبران نے سوال کیا...... کمانڈو عمران نے کہا۔

"تو پھر جیسے حالات ہوئے اسی کے مطابق عمل کروں گا، لیکن یقین کرو میں اتنی جلدی مرنے والا کمانڈو نہیں ہوں"۔

جبران کہنے لگا۔

"جنگی معاہدے کی دستاویز کم از کم دو فل سکیپ کاغذوں پر ضرور مشتمل ہو گی...... اس کی اتنی بڑی فوٹو کاپی تم کہاں چھپا سکو گے؟"۔

یہاں ستار سیٹھ نے جبران کی بات کاٹ کر کہا۔

"معاہدے کی دستاویز چاہے چار صفحات پر کیوں نہ لکھی ہوئی ہو اس کی فوٹو کاپی آدھے انچ سائز کے کاغذ پر اتر آئے گی...... میں اس پوائنٹ کو کھول کر بتاتا ہوں...... کیا تم نے ڈاٹ سپائنگ کاپی کا کبھی نام سنا ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کی ایک جاسوسی کی سچی کہانی میں ڈاٹ سپائنگ کے بارے میں پڑھا تھا...... اس کو کچھ کچھ یاد آنے لگا...... اس نے کہا۔

"میں نے اس کے بارے میں پڑھا ضرور ہے"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"سنو! کیمرے کا ایک عدسہ ایسا ہوتا ہے کہ جو چیزوں کو سوگنا بڑا کر کے دکھاتا ہے اور اس کی سوگنا بڑی فوٹو کاپی تیار کر لیتا ہے، یعنی اسے انلارج کر دیتا ہے...... ایک عدسہ یعنی لینز ایسا ہے جو کسی چیز کو سکیڑ کر سمیٹ کر سوگنا بلکہ ہزار گنا چھوٹا کر کے اس کی فوٹو اتار لیتا ہے" اس میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک فل اسکیپ صفحے کی تحریر سمٹ سمٹ کر چھوٹی ہوتی ہوتی ساری کی ساری ایک ڈاٹ یعنی فل سٹاپ کے نقطے میں تبدیل ہو جاتی ہے...... یہ لینز ایک انگوٹھے کے سائز کے کیمرے میں لگا ہوتا ہے...... بعد میں اس نقطے کو ڈیویلپ کرتے وقت آہستہ آہستہ بڑا کیا جاتا ہے، یعنی انلارج کیا جاتا ہے تو وہ نقطہ آہستہ آہستہ پھیل کر فل اسکیپ صفحے کی تحریر میں تبدیل ہو جاتا ہے...... میں تمہیں یہی ڈاٹ کیمرہ دوں گا جس میں تحریر کو ایک نقطے میں تبدیل کرنے والا عدسہ یعنی لینز لگا ہوا ہوگا...... تم اس کیمرے سے معاہدے کی کاپی کی فوٹو اتارو گے اور کیمرے میں سے آدھے انچ کی فلم جو ایک چھوٹی سی سٹین لیس سٹیل کی ٹیوب میں بند ہوگی نکال کر کسی جگہ چھپا لو گے اور کیمرے کو سمندر میں پھینک دو گے...... کیمرے کی فلم کی یہ ٹیوب اتنی چھوٹی ہوگی کہ تم اسے منہ میں بھی چھپا سکو گے، چنانچہ اس کے بعد اگر تم پکڑے بھی جاتے ہو تو روسی چاہے تمہیں ننگا کر کے الٹا لٹکا دیں وہ تم سے جنگی معاہدے کی فوٹو کاپی برآمد نہیں کر سکیں گے...... وہ مرتے دم تک بلکہ اس کے بعد بھی تمہارے پاس ہی رہے گی"۔

عمران نے ستار سیٹھ کو بتایا کہ اس نے کمانڈو ٹریننگ کے دوران انتہائی تکلیف دہ مراحل میں سے گزرنے کے بعد اپنے گلے کے اندر ایک چھوٹی سی اس قسم کی پاکٹ بنا رکھی ہے جس میں وہ اگر کوئی چاندی کے روپے کے سائز کی کوئی چیز چھپا لے تو پانی پینے اور روٹی کھاتے وقت وہ اس کے پیٹ میں نہیں جاتی بلکہ گلے کے اندر پاکٹ میں ہی رہتی ہے...... عمران نے کہا۔

"ہمارے جس کرنل کمانڈو نے ہمیں کمانڈو ٹریننگ دی تھی گلے کے اندر کی پاکٹ کا فارمولا اس نے بتایا تھا...... اس کے لئے گلے کے اندر چھوٹا سا آپریشن کرنا پڑتا تھا...... ہمارے انسٹرکٹر کرنل کمانڈو کا کہنا ہے کہ گلے کی ایک خفیہ پاکٹ کا راز اسے ایک جیب کترے نے بتایا تھا...... اس جیب کترے نے اپنے گلے کے اندر ایک پاکٹ بنوا رکھی تھی جس میں وہ کسی آدمی کی جیب کاٹ کر روپے یا ہزار پانچ سو کا نوٹ اندر چھپا لیتا تھا تاکہ اگر اسے پولیس پکڑ لے تو مال برآمد نہ کر سکے...... کرنل کمانڈو کا کہنا تھا کہ اس جیب کترے نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا تھا...... اس نے سو روپے کا نوٹ تہہ کر کے اپنے منہ میں ڈال کر جبڑے پر ایک طرف سے دو تین مکے آہستہ آہستہ مارے اور کرنل کے سامنے پانی کا گلاس بھی پیا...... سنگترہ بھی کھایا مگر نوٹ گلے کے اندر پاکٹ میں ہی رہا...... پانی اور سنگترے کے ساتھ معدے میں نہیں گیا...... تھوڑی دیر بعد جیب کترے نے دوسرے جبڑے پر زور زور سے دو مکے مارے ذرا سا کھانسا اور تہہ کیا ہوا سو کا نوٹ منہ سے باہر نکال لیا...... کرنل کمانڈو کا کہنا ہے کہ یہاں سے اسے خیال آیا کہ ایک جاسوس دشمن کا راز گلے کی پاکٹ میں چھپا کر بڑی آسانی سے اور حفاظت کے ساتھ اپنے ملک میں لایا جا سکتا ہے، چنانچہ اس نے جیب کترے سے پوچھا کہ اس نے گلے میں پاکٹ کیسے بنائی تھی...... اس نے کہا کہ اس کے لئے گلے میں تھوڑا سا آپریشن کروانا پڑتا ہے، چنانچہ کرنل کمانڈو نے اس سے آپریشن کروانے کا طریقہ بھی معلوم کر لیا...... اس کے بعد جب کرنل کمانڈو پڑھ لکھ کر بڑا ہوا اور فوج کی کمانڈو بٹالین میں آیا اور پھر کمانڈو انسٹرکٹر بنا تو اس نے یہ راز ہمیں بتا دیا اور خاص طور پر میرے گلے میں فوجی سرجن ڈاکٹر کی مدد سے چھوٹا سا آپریشن کروا کر یہ پاکٹ بنوا دی"۔

کمانڈو عمران نے بتایا کہ وہ جنگی معاہدے کی فوٹو فلم کی چھوٹی سی ٹیوب اپنے گلے کی پاکٹ میں چھپا لے گا جہاں سے روسیوں کا بڑے سے بڑا انٹیلی جنس آفیسر بھی اسے

برآمد نہیں کر سکے گا...... اسے کیا معلوم کہ ہندوستان کے پرانے جیب کتروں نے مال چھپانے کے کیسے کیسے انوکھے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔

ستار سیٹھ نے کمانڈو عمران کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیار چوم لیا...... کہنے لگا۔

"عمران! تم واقعی پورے اور ٹاپ کے کمانڈو ہو...... کیا ایسی پاکٹ جبران نے بھی اپنے گلے کے اندر بنوائی ہوئی ہے؟"۔

کمانڈو جبران مسکرا رہا تھا...... کہنے لگا۔

"نہیں...... کمانڈو بٹالین میں صرف چند ایک سینئر کمانڈوز کو ہی یہ اعزاز میسر آتا ہے...... عمران چونکہ ہم میں سینئر تھا اس لئے ہمارے چیف نے اس کے گلے میں پاکٹ بنوادی تھی"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"عمران بھائی! اب میں اس معاملے میں مطمئن ہو گیا ہوں کہ جس راز کو حاصل کرنے کے لئے تم اپنی جان کی بازی لگا رہے ہو وہ راز تمہارے پاس آخری دم تک محفوظ رہے گا...... کل تمہیں یہ ڈاٹ فوٹو گرافی کا کیمرہ مل جائے گا اور کل صبح ہی تم میرے ساتھ ہیڈ باورچی کے پاس جاؤ گے جو تمہیں مغلئی پلاؤ کے مصالحوں کا خاص نسخہ بتائے گا اور تمہیں مغلئی پلاؤ بنانے کی مختصر ٹریننگ دے گا...... یہی باورچی تمہیں روسی قونصل خانے کے پریس اتاشی کے حوالے کرے گا جو تمہیں مغلئی پلاؤ کے ماہر باورچی کی حیثیت سے روسی جہاز کے روسی کپتان کے پاس لے جائے گا"۔

عمران نے دوسرے روز اپنا حلیہ دلی کے مسلمان باورچیوں والا بنایا اور ستار سیٹھ اسے بمبئی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل کے ادھیڑ عمر ہیڈ باورچی کے پاس لے گیا جو اپنا خاص خفیہ ایجنٹ تھا۔ ستار سیٹھ نے اسے کمانڈو عمران کے بارے میں پہلے ہی سے سب کچھ بتا دیا ہوا تھا...... ہیڈ باورچی نے ڈیڑھ دن کی ٹریننگ کے بعد اس قابل بنا دیا کہ وہ مغلئی پلاؤ بنا سکتا تھا اور پورے مصالحوں کے ساتھ بنا سکتا تھا...... اسی دوران کمانڈو عمران نے ٹاپ سیکرٹ بریف کیس کے کمپیوٹرائزڈ تالے کے خفیہ کوڈ کے نمبر زبانی یاد کر لئے تھے...... احتیاط کے طور پر اس نے خفیہ کوڈ کے ہندسوں والا چھوٹا سا کاغذ تہہ کر کے اپنے جوتے کے تلوے میں بھی چھپا لیا تھا...... ستار سیٹھ نے اسے ڈاٹ فوٹو گرافی والا طاقتور اور انگوٹھے سے بھی چھوٹے سائز کا کیمرہ لا کر دے دیا جسے کمانڈو عمران نے ستار سیٹھ اور کمانڈو جبران کے سامنے اپنے منہ میں ڈال کر گلے کی پاکٹ میں چھپا کر رکھ لیا۔

تیسرے دن صبح کے آٹھ بجے روسی قونصل خانے کے روسی پریس اتاشی نے باورچی کو لینے ہیڈ باورچی کے پاس آنا تھا...... عمران دن کے سات بجے ہی فائیو سٹار ہوٹل میں ہیڈ باورچی کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا...... اس نے تنگ پاجامہ، گول بغیر کالر کا کرتہ اور کالی پرانی واسکٹ پہن رکھی تھی...... سر پر بادامی رنگ کی گاندھی کیپ تھی...... جیب میں کچھ پیسے تھے...... ایک بوسیدہ سی پاکٹ بک تھی جس پر مختلف کھانوں کے مصالحہ جات کے فارمولے لکھے ہوئے تھے...... ٹھیک آٹھ بجے فائیو سٹار ہوٹل کے پورچ میں روسی قونصل خانے کی گاڑی آ کر رکی...... اس میں سے سرخی مائل بھورے رنگ کا روسی نوجوان باہر نکلا اور سیدھا ہیڈ باورچی کے پاس آ گیا۔

ہیڈ باورچی نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور کہا۔

"صاحب! آپ کا آدمی بالکل تیار ہے...... اس کا نام کبیر الدین ہے...... اس کے دادا پردادا بہادر شاہ ظفر ہندوستان کے بادشاہ کے خاص باورچی تھے اور مغلئی پلاؤ بنانے میں ان کا جواب نہیں تھا...... وہی نسخہ ان کے پاس سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے...... سنبھالئے اپنا آدمی"۔

روسی پریس اتاشی بڑی اچھی اردو بول لیتا تھا، کہنے لگا۔

"سردار علی خان! آدمی تمہارے بھروسے کا ہے نا؟"۔

ہیڈ باورچی کا نام سردار علی تھا...... ہیڈ باورچی نے کہا۔

"صاحب! یہ دو سال سے میری شاگردی میں کام کر رہا ہے...... بڑا کم بولنے والا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا نوجوان ہے...... مغلئی پلاؤ بنانے والا اس سے بہتر پورے بھارت میں آپ کو کوئی نہیں ملے گا"۔

روسی پریس اتاشی بولا۔

"اچھی بات ہے...... اس کو سب کچھ بتا دیا ہے ناں کہ اسے سمندری جہاز میں ہی رہنا ہوگا اور جہاز کے کپتان کے لئے روزانہ مغلئی پلاؤ بنانا ہوگا اور جب جہاز روس پہنچے گا تو اسے جہاز سے نیچے اترنے کی بالکل اجازت نہیں ہوگی...... وہی جہاز یا کوئی دوسرا تجارتی جہاز جب مال لے کر بھارت روانہ ہوگا تو اسے اس میں سوار کروا کر واپس بمبئی بھیج دیا جائے گا"۔

ہیڈ باورچی نے کہا۔

"اسے سب کچھ بتا دیا گیا ہے صاحب! تم بے فکر ہو کر اسے جہاز پر لے جاؤ"۔

اس دوران کمانڈو عمران تھوڑے پڑھے لکھے باورچی کی طرح سٹول پر بیٹھا مسکرا مسکرا کر کبھی ہیڈ باورچی کو اور کبھی روسی پریس اتاشی کو دیکھتا رہا...... روسی پریس اتاشی نے کمانڈو عمران سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے جلدی سے کہا۔

"سر! میرا نام کبیر الدین ہے صاحب!"۔

"کتنی جماعتیں پڑھے ہوئے ہو؟"۔

عمران نے احمقوں والا چہرہ بنا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"صاحب! چوتھی جماعت فیل ہوں"۔

ہیڈ باورچی بولا۔

"زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے مگر اپنے کام کا استاد ہے"۔

روسی پریس اتاشی نے کمانڈو عمران کو بڑی تیز نگاہوں سے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور کہا۔

"تمہیں پانچ ہزار روپے انڈین کرنسی میں تنخواہ ملے گی اور کھانا پینا جہاز کے ذمے ہوگا۔ اس کے علاوہ تمہیں تین جوڑے جہاز کے باورچیوں کی وردی کے بھی ملیں گے...... کیا تمہیں منظور ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے ہلکا سا سلیوٹ کر کے کہا۔

"صاحب بڑی مہربانی...... منظور ہے صاحب!"۔

"آجاؤ میرے ساتھ"۔

ہیڈ باورچی نے عمران سے کہا۔

"جاؤ کبیر الدین...... کپتان صاحب کو ایسا کھانا کھلانا وہ جب بھی بھارت آئے تمہیں ہی ساتھ لے کر جائے"۔

"جو حکم استاد جی"۔

اور کمانڈو عمران روسی پریس اتارشی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گیا اور روسی قونصل خانے کی گاڑی بمبئی کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئی...... تجارتی جہاز کا روسی کپتان بالکل سرخ رنگ کا گٹھے ہوئے جسم والا گول مٹول آدمی تھا...... عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان ہوگی...... گردن، چہرے اور کہنیوں تک بازو کا رنگ سمندری ہواؤں یا بارشوں اور تیز سمندری دھوپ کی مار کھا کھا کر ہلکا نسواری ہو رہا تھا...... آنکھیں زردی مائل سبز تھیں، جیسی بھیڑیئے کی ہوتی ہیں...... جب پریس اتاشی نے عمران کو پیش کیا تو کپتان نے گھور کر اس کا جائزہ لیا اور رعب دار آواز میں روسی میں پوچھا۔

"تمہارا نام؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"کبیر الدین کچن ماسٹر سر!"۔

"انگریزی پڑھ لکھ سکتے ہو؟" کپتان نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"چار جماعتیں پڑھا ہوں صاحب...... انگریزی پڑھ لکھ نہیں سکتا"۔

کپتان روسی زبان میں پریس اتاشی سے باتیں کرنے لگا...... یہی پوچھ رہا ہوگا کہ اس آدمی کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کرلی ہے اور کیا یہ بھروسے کا آدمی ہے وغیرہ وغیرہ۔ پریس اتاشی نے کپتان کی تسلی کرادی تھی...... اس نے عمران سے کہا۔

"مغلئی پلاؤ بنالیتے ہو؟"۔

عمران بولا۔

"سر! مغلئی پلاؤ کی ڈش تو میں ایسی سپیشل بناتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا"۔

جہاز کے کپتان نے جہاز کے ایک ماتحت آفیسر کو بلا کر روسی زبان میں کچھ کہا...... پھر عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔

"تم ہمارے افسر کے ساتھ کچن میں جائے گا اور دوپہر کے لنچ کے واسطے ہمارے لئے مغلئی پلاؤ تیار کرے گا...... جاؤ"۔

جہاز کا آفیسر عمران کو لے کر جہاز کے کچن روم کی طرف چل دیا...... کچن میں تمام روسی عملہ کام کر رہا تھا...... عمران کو دیکھ کر وہ اپنی زبان میں ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے...... کچن کے ہیڈ نے عمران سے اردو میں کہا۔

"کپتان کے لئے تم لنچ میں مغل پلاؤ کی ڈش بنائے گا...... جو کچھ چاہئے تمہیں مل جائے گا"۔

عمران نے دیکھا کہ جہاز کے خاص خاص آدمی اردو زبان بڑی اچھی طرح سے بولنا جانتے تھے...... کچن کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کیبن عمران کو رہنے کے واسطے دے دیا گیا...... جہاز کا کچن اور کیبن وغیرہ بڑے صاف ستھرے تھے...... جہاز کا سارا

ملہ روسی تھا...... عمران کو سفید اور سرخ وردی کے دو جوڑے مل گئے...... اس نے بن میں جا کر وردی پہن لی...... اس کے بائیں پاؤں کے جوتے کے اندر تلوے کے نیچے وہ چھوٹا سا تہہ کیا ہوا کاغذ محفوظ پڑا تھا جس پر سیکرٹ بریف کیس کے تالے کا خفیہ ڈ نمبر لکھا ہوا تھا...... یہ نمبر عمران کو زبانی بھی یاد تھا مگر احتیاط کے طور پر اس نے کاغذ پنے جوتے کے اندر ہی رکھا ہوا تھا...... دن کے بارہ بجے جہاز نے لنگر اٹھا دیا اور بمبئی کی ندرگاہ سے روس یعنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد جہاز کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا...... سمندر پر سکون تھا...... جہاز ایک نپی تلی رفتار سے چلا جا رہا تھا...... یہ بحیرہ عرب کا سمندر تھا...... ابھی مران کو معلوم نہیں تھا کہ جہاز راستے میں کون کون سے ملک کی بندرگاہ پر ٹھہرے ...... اسے یہ بھی پوری طرح سے علم نہیں تھا کہ جہاز کا سمندری روٹ کون سا ہے...... اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی...... اس کی ساری توجہ یکرٹ بریف کیس کی طرف تھی...... سب سے پہلے اسے یہ سراغ لگانا تھا کہ اگر رگریٹا کی اطلاع درست ہے کہ بریف کیس جہاز کے کپتان نے اپنے کیبن میں رکھا ہے تو کپتان نے اسے کیبن میں کس جگہ رکھا ہوا تھا...... ظاہر ہے یہ بریف کیس ایک ہم دستاویز کا حامل تھا اور کپتان نے اسے کیبن میں کسی خفیہ جگہ پر ہی چھپا کر رکھا وگا...... جہاز پر ابھی کمانڈو عمران کا پہلا دن تھا...... دوپہر دو بجے اس نے لنچ کے لئے غلئی پلاؤ تیار کر لیا تھا...... کچن کے دوسرے ملازم بڑے غور سے عمران کو پلاؤ تیار رتے دیکھتے رہے تھے۔

کپتان دوپہر کے ڈھائی بجے لنچ کرتا تھا...... ٹھیک ڈھائی بجے جہاز کا سیکنڈ میٹ چن میں آیا اور اس نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں عمران سے پوچھا کہ کیا کپتان کا لنچ تیار ہے؟

مران نے کہا۔

"یس سر! بالکل تیار ہے"۔

عمران سیکنڈ میٹ کے ساتھ مغلئی پلاؤ کا ڈھکا ہوا خوان خود اٹھا کر کپتان کے کیبن میں گیا...... کپتان عام طور پر اپنے کیبن میں ہی لنچ اور ڈنر کرتا تھا...... کیبن کافی بڑا اور سلیقے سے سجا ہوا تھا...... چھوٹی ڈائننگ ٹیبل لگی تھی...... ایک طرف کپتان کا بیڈ لگا تھا جس پر سرخ کمبل تہہ کر کے رکھا ہوا تھا...... کپتان اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ ڈنر ٹیبل پر بیٹھا روسی شراب وڈکا سے دل بہلا رہا تھا بلکہ اپنی بھوک تیز کر رہا تھا...... عمران نے خوان میز پر رکھ کر اسکا سرپوش یعنی ڈھکن اٹھایا اور تیز گرم مصالحوں کی خوشبو اڑنے لگی۔

کپتان نے لمبا سانس لے کر خوش ہو کر روسی زبان میں اپنے فسٹ آفیسر سے کچھ کہا...... پھر اس نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر اردو میں کہا۔

”کبیر الدین! پلاؤ کی خوشبو بہت اچھی ہے“۔

پلاؤ کے ساتھ مرغ کا شوربہ بھی تھا...... اس میں بھی خوب مصالحے پڑے ہوئے تھے...... کپتان بڑے شوق سے کھا رہا تھا اور پلاؤ کی بار بار تعریف کر رہا تھا...... عمران بڑے ادب سے ایک طرف کھڑا تھا...... کپتان نے عمران سے کہا۔

”کبیر الدین! ڈنر پر بھی تم یہی ڈش بنائے گا“۔

”یس سر!“ عمران نے سر جھکا کر کہا۔

اس دوران کمانڈو عمران کی تیز نگاہیں کیبن کا جائزہ لے رہی تھیں...... کیبن کے دو پورشن تھے...... ایک پورشن میں ایک طرف ڈائننگ ٹیبل لگی تھی اور دوسری طرف کیبن کی گول شیشے والی کھڑکی کے ساتھ کیپٹن کی لکھنے لکھانے والی ٹیبل لگی تھی جس پر کمپاس، دنیا کے نقشے والا گلوب اور بڑی سی لاگ بک پڑی تھی...... اس لاگ بک میں جہاز کے کپتان روزنامہ درج کیا کرتے ہیں...... میز کے اوپر دیوار پر روس کے صدر بورس یلسن کی بڑی تصویر لگی ہوئی تھی اور میز کے کونے میں روس کا جھنڈا ایک لمبی سلاخ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

دوسرے پورشن میں کپتان کا بستر لگا تھا...... درمیان میں راڈ لگا کر پردہ کھینچا ہوا تھا...... پردہ سرخ رنگ کا تھا اور آدھا اکٹھا کیا ہوا تھا...... بستر کے سرہانے تپائی پر ٹیبل لیمپ تھا...... ٹیبل لیمپ کے پاس ہی سٹینڈ والے فریم میں لگی ہوئی کسی عورت کی رنگین فوٹو تھی جو مسکرا رہی تھی اور جس نے گود میں ایک بچہ اٹھا رکھا تھا...... یہ کپتان کی بیوی کی فوٹو ہی ہو سکتی تھی...... بستر کے نیچے چمڑے کا ایک بڑا سوٹ کیس تھوڑا سا نظر آ رہا تھا...... چھوٹے شیلف میں کچھ کتابیں سجی ہوئی تھیں...... بستر کے نیچے والے سوٹ کیس کے سوا کیبن میں اور کہیں کوئی سوٹ کیس یا بریف کیس نظر نہیں آ رہا تھا، لکھنے والی میز کے پہلو میں ایک درمیانے سائز کی لکڑی کی چمکیلی الماری دیوار کے ساتھ ضرور لگی ہوئی تھی جو بند تھی، ہو سکتا تھا کپتان نے بریف کیس اسی الماری میں رکھا ہو...... بہرحال یہ عمران نے ابھی معلوم کرنا تھا۔

رات کو ڈنر پر بھی عمران نے کپتان کا پسندیدہ مغلئی پلاؤ ہی بنایا...... وہ سیکنڈ میٹ کے ساتھ خود کھانا لے کر کیبن میں گیا...... کپتان عمران کی کارکردگی سے بہت خوش تھا اور ایک طرح سے اس نے عمران کو پاس کر دیا تھا...... رات کو عمران تھوڑی دیر کھانا کھانے کے بعد جہاز کے ڈیک پر آ کر ستاروں کی دھندلی روشنی میں سمندر کی بڑی بڑی موجوں کا نظارہ کرتا...... سمندر میں کوئی طوفان وغیرہ نہیں تھا...... وہ نارمل انداز میں ڈول رہا تھا اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا...... کچھ دیر ڈیک کے جنگلے کے پاس ٹہلنے کے بعد عمران اپنے چھوٹے سے کیبن میں آ کر سو جاتا...... اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا...... ابھی تک عمران کو بریف کیس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا...... وہ اپنے محدود وسائل کے اندر رہ کر بڑی سرگرمی سے اس کا کھوج لگانے میں لگا ہوا تھا...... ایک روز جبکہ رات کو ڈنر کھانے کے بعد کپتان فسٹ آفیسر کے ساتھ کیبن سے نکل کر باہر ڈیک پر رکھی آرام کرسیوں پر بیٹھ کر تمباکو نوشی کر رہا تھا اور تھوڑی وڈکا روسی شراب سے دل بہلا رہا تھا تو عمران نے بڑی جرات سے کام لے کر کپتان کے بستر کے نیچے

رکھے ہوئے بڑے سوٹ کیس کو باہر کھینچ لیا...... سوٹ کیس کو تالا نہیں لگا ہوا تھا......
اس نے جلدی جلدی سوٹ کیس کی تلاشی لی...... اس میں سوائے کپتان کے گرم کپڑوں، ایک دو فحش تصویروں والے رسالوں کے اور کچھ نہ تھا...... عمران نے جلدی سے سوٹ کیس بند کر کے دوبارہ پلنگ کے نیچے دھکیل دیا اور تیزی سے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پر پڑے ہوئے خالی برتن ایک طرف ٹرے میں رکھنے لگا...... دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا...... کمانڈو عمران نے کیبن کی ایک ایک چیز کی جتنی تلاشی لے سکتا تھا تلاشی لے لی تھی...... اب صرف لکھنے والی میز کے ساتھ لگی الماری ہی رہ گئی تھی۔

✿ ✿ ✿

الماری میں تالہ کیواڑ کے اندر لگا ہوا تھا۔
باہر صرف تالے کا کنجی لگانے والا سوراخ ہی نظر آ رہا تھا...... عمران کے لئے اس قسم کا تالا کھولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا...... سوائے نمبروں والے کمپیوٹرائزڈ اور میکنیٹک تالے کے اسے ہر قسم کے تالا کھولنے کی با قاعدہ تربیت دی گئی تھی، لیکن الماری کو کھول کر اس کی تلاشی لینا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا...... یہ کام عمران صرف اس وقت ہی کر سکتا تھا جب اسے یقین ہو کہ کپتان کم از کم ایک گھنٹے تک کیبن میں نہیں آئے گا اور وہ جہاز کے برج یا انجن روم میں گیا ہوا ہو گا...... کپتان جہاز پر گھومتا پھرتا رہتا تھا...... جہاز کے برج پر جہاں بہت بڑے بیضوی کمرے میں مختلف قسم کے کمپیوٹروں والے کاؤنٹروں کے پیچھے دیوار پر ڈائیل اور گلوب وغیرہ لگے تھے اور سمندروں کے نقشے لٹک رہے تھے...... کپتان کے اسسٹنٹ اور فسٹ میٹ اور فسٹ آفیسر اس برج روم میں ہر وقت موجود رہتے تھے...... وہ جہاز کو اسی کمرے سے کنٹرول کئے ہوئے تھے...... کپتان کسی کسی وقت آتا تھا اور ایک ایک آلہ چیک کر کے کچھ دیر دوربین سے سامنے سمندر کی موجوں کو دیکھتا اور پھر دوسری طرف نکل جاتا تھا۔
ان دو ہفتوں میں عمران نے نوٹ کیا کہ رات کے کھانے سے پہلے کپتان جہاز کے بڑے ڈائننگ ہال میں دوسرے آفیسرز کے ساتھ اس میز پر بیٹھ کر وائن وغیرہ سے اپنی بھوک تیز کرتا تھا جو ہر تجارتی اور مسافر بردار جہاز میں لگی ہوتی ہے اور جسے

انگریزی میں کیپٹنز ٹیبل یعنی کپتان کی میز کے نام سے پکارا جاتا ہے...... تقریبات کے
موقع پر کپتان اس میز پر منتخب مہمانوں اور جہاز کے افسروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا
کھاتا ہے اور اس ٹیبل پر کپتان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کو بڑا اعزاز سمجھا جاتا
ہے...... اس وقت کپتان کا کیبن بالکل خالی ہوتا تھا اور کمانڈو عمران تقریباً اکیلا ہی کیبن
کی چھوٹی ڈائننگ ٹیبل پر ڈنر کے لوازمات وغیرہ رکھتا تھا، کیونکہ کپتان ڈنر اپنے کیبن میں
آکر اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ کرتا تھا۔

عمران نے سوچ لیا کہ صرف یہی وہ وقت ہے جس وقت وہ کیبن میں رکھی بند
الماری کو کھول کر دیکھ سکتا ہے کہ بریف کیس اس میں تو نہیں ہے...... عمران کو یقین
تھا کہ بریف کیس اسی الماری میں ہی ہو سکتا ہے...... اس دوران جہاز سری لنکا کا چکر
کاٹ کر بحر ہند کے پانیوں میں داخل ہو چکا تھا اور اب اسے تھائی لینڈ کی بندرگاہ بنکاک
میں دو دن کے لئے رکنا تھا...... تھائی لینڈ قریب آ رہا تھا...... عمران نے فیصلہ کیا کہ
جب جہاز بنکاک سے روانہ ہو گا تو وہ الماری کی تلاشی لے گا...... تھائی لینڈ کے بعد جہاز کا
اگلا پڑاؤ سنگاپور تھا اور وہاں سے جہاز کو جنوبی چین کے سمندر میں سے گزرتے ہوئے، بحر
جاپان میں سے ہو کر شمالی جنوب میں براعظم روس کی بندرگاہ ولاڈی واسٹک میں جا کر
لنگر انداز ہونا تھا...... یہ ساری معلومات عمران نے جہاز میں ہی حاصل کر لی تھیں......
روس کی بندرگاہ ولاڈی واسٹک اس جہاز کی منزل تھی...... یہاں جہاز کو ایک مہینے کے
بعد مال لے کر آسٹریلیا جانا تھا۔

جہاز بنکاک پہنچ گیا۔

بنکاک میں کچھ مال اتارا گیا...... کچھ مال جہاز پر لادا گیا...... دو دن کے بعد جہاز
سنگاپور کی طرف چل پڑا...... جب جہاز میں امن و امان ہو گیا اور جہاز پر معمول کی
زندگی شروع ہو گئی تو ایک روز عمران نے الماری کی تلاشی لینے کا پروگرام طے
کر لیا...... الماری کا تالا کھولنے کے لئے اس نے لوہے کی باریک مگر مضبوط تار جہاز کے
ڈرروم سے کسی طرح حاصل کر لی تھی...... یہ پانچ چھ انچ لمبی تار تھی جسے عمران نے
ہرا کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا...... تلاشی لینے کا کام شروع کرنے سے پہلے عمران
نے باتھ روم میں جا کر اپنے جوتے کے تلوے میں سے وہ کاغذ نکالا جس پر بریف کیس
ے تالے کا کوڈ نمبر لکھا ہوا تھا...... اس نے اس نمبر کو بار بار پڑھ کر اچھی طرح سے یاد
لیا اور کاغذ کو پرزے پرزے کر کے کموڈ میں بہا دیا...... یہ کام بڑا ضروری تھا...... یہ
ں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر وہ الماری کی تلاشی لیتے ہوئے پکڑا جائے تو پوچھ گچھ کے
ران تلاشی لیتے وقت اس کے جوتے کے تلوے میں سے یہ کاغذ برآمد نہ
جائے...... اس کاغذ کا برآمد ہونا اس بات کا حتمی ثبوت تھا کہ وہ غیر ملکی ایجنٹ ہے اور
رچی کے بھیس میں معاہدے کی دستاویز کو اڑانے کے لئے جہاز پر آیا ہے۔

خفیہ کوڈ کے نمبر کے ہندسوں کو اس نے خاص طریقے سے یاد کیا تھا، جس طرح
ٹیلی فون کے بعض نمبروں کو یاد کر لیتے ہیں اسی طرح سے ایک خاص ٹیکنیک پر عمل
تے ہوئے ایجنٹ لوگ بڑے بڑے کوڈ نمبروں کو یاد کر لیتے ہیں اور موقع پر صرف
بلا اور آخری ہندسہ یاد آنے پر پورے کا پورا نمبر ذہن میں ابھر آتا ہے، چنانچہ عمرا
بھی یہ کوڈ نمبر اچھی طرح بلکہ پانی کی طرح یاد ہو گیا تھا، ورنہ وہ کاغذ کبھی پھاڑ کر کمو
ں نہ بہاتا...... جب سورج غروب ہو گیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے سمندر پر اندھیرا
ہ گیا تو کپتان اپنے کیبن سے نکل کر نیچے بڑے ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا...... جہاز کے دو
ن آفیسر اس کا انتظار ہی کر رہے تھے اور کپتان کے خاص ٹیبل پر بیٹھے تھے...... کپتان
آتا دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کپتان کی تعظیم بجا لاتے ہوئے بیٹھ گئے اور وائن کی
تل کھل گئی...... یہ سب کمانڈو عمران کسی بہانے ڈائننگ روم میں آ کر دیکھ گیا تھا......
ب اس نے دیکھا کہ کپتان اپنے آفیسرز کے ساتھ بیٹھا تاؤ نوش میں مصروف ہو گیا
ہے اور اب کم از کم وہاں ڈیڑھ گھنٹے تک ضرور بیٹھے گا اور اس کے بعد مغلئی پلاؤ کھانے
پنے کیبن میں آئے گا تو عمران خاموشی سے اوپر جا کر کپتان کے کیبن میں داخل ہو گیا

اور کیبن کا دروازہ بند کر دیا۔

وہ کھانے کی میز پر ڈنر کے کچھ خالی برتن لگانے میں مصروف ہو گیا...... شیشے کے نازک فرانسیسی گلاسوں کو سفید رومال سے رگڑ رگڑ کر چمکانے لگا...... دو ایک بار اس نے کیبن کے دروازے کی طرف دیکھا...... دروازہ بند تھا...... وہ اندر سے چٹخنی نہیں لگا سکتا تھا...... اس طرح اس پر شک پڑ سکتا تھا کہ وہ کیبن کی چٹخنی لگا کر اندر کیا کر رہا تھا...... کم بخت الماری کا رخ کیبن کے دروازے کے عین سامنے تھا...... اگر باہر سے کوئی اچانک دروازہ کھول کر کیبن میں داخل ہوتا ہے تو وہ عمران کو الماری کی تلاشی لیتے دیکھ سکتا تھا...... اس کام میں ہر قسم کا اور ہر طرح سے خطرہ ہی خطرہ تھا مگر خطروں سے کھیلنا اور خطروں کو مول لینا ایک محبّ الوطن کمانڈو کے فرائض میں شامل ہوتا ہے...... اسے اپنی جان کی پروا نہیں ہوتی، صرف یہی خیال ہوتا ہے کہ اس کا مشن کامیابی سے مکمل ہو جائے...... مشن کو مکمل کئے بغیر مر جانا اس کے نزدیک زندگی کو ضائع کرنے کے برابر ہوتا ہے اور یہ کسی بھی مجاہد کمانڈر کو گوارا نہیں ہوتا۔

اگرچہ کمانڈو عمران اس وقت پوری طرح سے چاروں طرف سے چوکنا اور چوکس تھا لیکن اس وقت اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح روس اور بھارت کے درمیان ہونے والے فوجی معاہدے کی نقل اس کے پاس آ جائے تاکہ وہ اپنے وطن پاک کو دشمن کے ناپاک اور خطرناک عزائم سے خبردار کر سکے...... تالا کھولنے والی تار عمران نے جیب سے نکال کر اپنے ہاتھ کی مٹھی میں چھپا لی تھی...... اس کے اور کپتان کی الماری کے درمیان صرف تین قدم کا فاصلہ تھا مگر یہ تین قدم اسے اپنی زندگی کی عظیم کامیابی بھی عطاء کر سکتے تھے اور اسے فائرنگ سکوڈ کے سامنے کھڑا کر کے بے فائدہ موت کے منہ میں بھی دھکیل سکتے تھے...... جب وہ کوڈ نمبروں والا کاغذ ضائع کرنے باتھ روم میں گیا تھا تو وہیں اس نے اپنے بائیں جبڑے پر ہلکا سا مکا مار کر اپنے گلے کی پاکٹ میں چھپایا ہوا انتہائی طاقتور اور انگوٹھے کے سائز کا ڈاٹ کیمرہ بھی نکال کر جیب میں ڈال لیا تھا......

[...]ب کیس الماری میں سے برآمد ہونے کی صورت میں اسے اس کیمرے کی مدد سے [...]ں معاہدے کی دستاویز کی فوٹو کاپی اتارنی تھی۔

یہ چھوٹا سا مگر انتہائی اہم کیمرہ اس وقت بھی اس کی واسکٹ میں تھا...... وہ کمانڈو [...]ن کے لئے بالکل تیار تھا...... اس کے پاس زیادہ وقت بھی نہیں تھا...... اس نے [...]ن کے بند دروازے پر ایک نگاہ ڈالی اور بڑے اطمینان کے ساتھ کیپٹن کی بند الماری [...]طرف بڑھا...... تالا کھولنے والا تار اس کے سیدھے ہاتھ میں تھا...... اب اسے بجلی [...]یزی اور مشین کے پرزے کی طرح کام کرنا تھا...... الماری کے پاس جاتے ہی اس [...]تار چابی کے سوراخ میں ڈال کر اسے پہلے دائیں جانب گھمایا...... پھر تار کو ذرا نیچے [...]ے ایکدم اوپر کو اٹھایا تو ٹک کی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا...... سوال ہی پیدا نہیں [...]تھا کہ اس قسم کے تالے کے اندر کمانڈو عمران تار ڈالے اور وہ نہ کھلے...... عمران [...]جلدی سے الماری کے پٹ کھول کر دیکھا...... الماری کے اندر تین خانے تھے...... [...]ن پر نظر ڈالتے ہی عمران کو گوہر مراد مل گیا...... اوپر والے خانے میں سیاہ رنگ کا [...]چھوٹے سائز کا بریف کیس پڑا تھا...... اس نے بریف کیس کو باہر نکال کر دیکھا...... [...]پر سرخ حروف میں C.C.P لکھا ہوا تھا...... عمران نے جلدی سے الماری بند کی اور [...]کیس لے کر باتھ روم میں گھس گیا...... اندر جاتے ہی اس نے کوڈ نمبروں کو [...]بایا...... ٹک کی آواز آئی اور بریف کیس کھل گیا...... بریف کیس میں ایک سرخ [...]کی جلد والی فائل پڑی تھی...... اس نے فائل کھولی...... یہ روس اور بھارت کے [...]ن طے پائے جانے والے فوجی معاہدے کی وہ اصل کاپی تھی جس پر تمام فوجی [...]سامان کی فہرست پورے صفحے پر ٹائپ کی ہوئی تھی جو روس نے بھارت کو سپلائی [...]ا اور جسے بھارت نے پاکستان کے خلاف استعمال کرنا تھا۔

کمانڈو عمران نے ڈاٹ کیمرہ نکال کر فہرست والے صفحے کو فوکس کیا اور بٹن [...]...... کیمرے کے اندر کسی گراری کے چلنے کی آواز آنے لگی...... کیمرے کے اندر

طویل فہرست کو ایک نقطے میں مرکوز کرنے اور اس کا فوٹو اتارنے کا عمل جاری تھا..... اس عمل کو ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگا اور آواز بند ہو گئی..... عمران نے جلدی جلدی کیمرے کے نچلے حصے کو کھول کر انگلی کے ناخن سے بھی چھوٹے سائز کی سٹین لیس سٹیل کی ٹیوب باہر نکال لی..... یہ دستاویز کی فلم تھی..... اس نے ٹیوب کو فوراً منہ میں ڈال کر زبان کی مدد سے اسے اپنے گلے کی خفیہ پاکٹ میں ڈالا..... بریف کیس بند کر کے کوڈ نمبروں کو الٹا دبا کر تالا لگایا..... ڈاٹ کیمرے کو کموڈ میں ڈال کر ٹینکی کا پانی چھوڑ دیا..... جب اسے یقین ہو گیا کہ ڈاٹ کیمرہ نیچے سمندر میں بہہ گیا ہو گا تو باتھ روم کا دروازہ ذرا سا کھول کر کیبن میں دیکھا..... کیبن اسی طرح خالی تھا..... اس نے قمیض کے دامن سے بریف کیس کے اوپر لگے ہوئے اپنے انگلیوں کے نشانات کو زور زور سے رگڑ کر صاف کیا..... قمیض کے دامن سے بریف کیس کو ہینڈل سے پکڑ لیا اور باتھ روم میں سے نکلا اور بریف کیس الماری کے اوپر والے خانے میں رکھ دیا اور الماری کا دروازہ بند کر کے تالا لگا ہی رہا تھا کہ اچانک جہاز کے کپتان کے قہقہہ لگانے اور کسی سے بات کرنے کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی کیبن کا دروازہ کھول کر جہاز کا کپتان اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ اندر آ گیا۔

اس وقت کمانڈو عمران الماری کی طرف منہ کر کے کھڑا تھا..... اس نے وہیں زمین پڑے ہوئے کپڑے سے الماری کو صاف کرنا شروع کر دیا..... وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ الماری صاف کر رہا تھا، لیکن روسی کپتان کو معلوم تھا کہ الماری کے اندر کس قدر اہم اور خفیہ دستاویز رکھی ہوئی ہے..... اس نے وہیں کھڑے کھڑے گرج دار آواز میں پوچھا۔

"کبیر الدین! یہ کیا کر رہے ہو؟"۔

لوہے کی مڑی ہوئی تار ابھی تک کمانڈو عمران کے ہاتھ میں تھی، مگر افسوس کہ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ الماری کو دوبارہ تالا لگا سکتا..... اس نے تار وہیں نیچے گرا دی اور مڑ کر بڑی حلیمی کے ساتھ کہا۔

"صاحب الماری پر گرد جمی ہوئی تھی..... اسے صاف کر رہا تھا"۔

جہاز کے روسی کپتان نے جیسے کمانڈو عمران کی بات سنی ہی نہیں تھی..... وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا الماری کے قریب گیا اور اس کے ہینڈل کو پیچھے کیا..... الماری کھل گئی..... اسے تالا ہی نہیں لگا تھا..... اسے تو کھلنا ہی تھا..... عمران کے بدن میں ایک لہر سی دوڑ گئی..... وہ سمجھ گیا کہ معاملہ الٹ گیا ہے..... کپتان نے عمران کو قہر بھری نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔

"یہ الماری تم نے کھولی تھی؟"۔

عمران نے بڑے بھولپن سے کہا۔

"نہیں صاحب..... میں تو صرف الماری کو کپڑے سے صاف کر رہا تھا"۔

جہاز کا فسٹ آفیسر بھی قریب آ گیا تھا..... روسی کپتان نے جلدی سے بریف کیس کے نمبر ملا کر اسے کھول کر دیکھا..... خفیہ دستاویز اندر موجود تھیں..... فائل کھول کر دیکھی..... فائل کے اندر معاہدے کے کاغذات بھی موجود تھے..... کپتان نے جلدی سے بریف کیس خانے میں رکھ کر الماری بند کی اور جیب سے چھوٹا سا پستول نکال کر اس کا رخ عمران کی طرف کر دیا اور روسی زبان میں اپنے فسٹ آفیسر کو کوئی حکم دیا..... فسٹ آفیسر نے اسی وقت عمران کو دبوچ کر فرش پر بٹھا دیا اور اونچی آواز میں کسی کو بلایا..... دوسرے لمحے دو مسلح ملاح دوڑ کر اندر آ گئے..... کپتان نے انہیں کوئی حکم دیا..... مسلح ملاحوں میں سے ایک نے سٹین گن کی نالی عمران کی گردن سے لگا دی..... دوسرے نے عمران کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور کیبن سے باہر کھینچ کر لے گیا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد کپتان نے پستول جیب میں رکھی اور الماری کے پاس جھک کر وہ تار اٹھا لی جس سے عمران نے الماری کا تالا کھولا تھا..... اس نے وہ تار فسٹ آفیسر کو دکھائی اور بریف کیس کو دوبارہ الماری سے نکالا اور اسے میز پر رکھ کر

دستاویز کو کھول کر خفیہ کاغذات کو غور سے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا...... ساتھ ساتھ وہ روسی زبان میں اپنے فسٹ آفیسر سے باتیں بھی کرتا رہا تھا...... فسٹ آفیسر نے بھی خفیہ کاغذوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا...... کپتان کو فل سکیپ کاغذ کا ایک کونا دکھایا جو ایک طرف سے ذرا سا مڑا ہوا تھا...... کپتان نے اسے ایک نظر دیکھا اور بریف کیس کو بند کر کے تالا لگایا اور اسے اوپر والے خانے میں رکھ کر الماری بند کر کے جیب سے چابی نکالی...... تالے کے سوراخ میں ڈال کر تالا دوبارہ لگایا اور فسٹ آفیسر کو ساتھ لے کر کیبن سے باہر نکل گیا۔

اسے ڈنر پر کھایا جانے والا مغلئی پلاؤ بھول گیا تھا...... وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اگر اس فوجی معاہدے کا راز کسی دوسرے ملک میں پہنچ گیا تو روس کی خفیہ ایجنسی کے جی بی اس کے ساتھ اس کے خاندان کو بھی نیست و نابود کر دے گی...... مسلح روسی ملاحوں نے عمران کو ایک کیبن میں بند کر کے باہر سخت پہرہ بٹھا دیا تھا...... جہاز کا کپتان فسٹ آفیسر کے ساتھ کیبن میں داخل ہوا...... عمران فرش پر سر جھکائے بیٹھا تھا...... کپتان نے عمران کو اردو میں اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کبیر الدین! یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تم غیر ملکی ایجنٹ ہو...... تم بھارت کے ایجنٹ نہیں ہو سکتے...... بھارت کے ایجنٹ کو اس فوجی معاہدے کے راز چرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی...... تم ضرور پاکستان کے ایجنٹ ہو اور اس فوجی معاہدے کے راز چرا کر اپنے ملک پہنچانے کے ارادے سے باورچی کے بھیس میں جہاز پر آ گئے ہو...... اگر تم ہمیں سچ سچ بتا دو کہ بمبئی میں تمہارا ماسٹر سپائی کون ہے جس نے تمہیں یہاں تک پہنچانے کی سکیم تیار کی تھی اور اگر یہ آدمی روسی قونصل خانے کا بھی کوئی آفیسر ہے تو اس کا نام بتا دو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے...... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں دوسرے جہاز میں خود سوار کروا کر واپس بمبئی بھجوا دوں گا"۔

عمران صاف مکر گیا...... وہ اعتراف کر ہی نہیں سکتا تھا...... وہ جانتا تھا کہ یہ روسی

نخوار ریچھ اسے کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا...... اسے اگر کوئی پریشانی ی تو صرف اس بات کی تھی کہ فوجی معاہدے کی فوٹو فلم اس کے حلق کی پاکٹ میں فوظ پڑی تھی...... وہاں تک روسیوں کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے تھے، لیکن اگر جہاز کے ان نے اسے گولی سے اڑا کر سمندر میں پھینک دیا تو جس قیمتی راز کو حاصل کرنے کی طر وہ اپنی زندگی قربان کرے گا وہ راز اس کی لاش کے ساتھ ہی سمندر کی گہرائیوں گم ہو جائے گی اور پاکستان نہیں پہنچ سکے گا۔

عمران روسی کپتان کے ہر سوال کے جواب میں ایک ہی بات دہراتا کہ وہ بے ر ہے...... اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے...... وہ الماری صاف کر رہا تھا...... ے نہیں معلوم کہ یہ تار کہاں سے آ گئی تھی اور کس نے الماری کھولنے کی کوشش تھی۔

کپتان نے دو ہٹے کٹے ملاح بلا لئے جنہوں نے عمران کو پیٹنا شروع کر دیا...... ن جان بوجھ کر بے ہوش ہو گیا...... جہاز کے فسٹ آفیسر نے کپتان کو اپنی زبان سمجھایا کہ اس کی یعنی کپتان کی جان اسی طریقے سے بچ سکتی ہے کہ وہ اس پاکستانی کو روس لے جا کر خفیہ ایجنسی کے جی بی کے حوالے کر دے اور انہیں صاف بتا دے کہ اس پاکستانی ایجنٹ نے خفیہ معاہدے کی دستاویز چرانے کی کوشش کی یکن اس نے یعنی کپتان نے اسے عین موقع پر پکڑ لیا...... روس کی خفیہ ایجنسی کے خود ہی اس سے سب کچھ معلوم کر لے گی...... اگر مارنے پیٹنے سے یہ شخص یعنی ا مر گیا تو وہ کے جی بی کو کیسے یقین دلائے گا کہ اس شخص نے معاہدے کی خفیہ یز چرانے کی کوشش کی تھی اور مجھے یعنی کپتان کو لگتا ہے کہ اس نے پر بھی ے کے خاص خاص پوائنٹ یاد کرنے کے بعد کسی خفیہ وائرلیس سگنل تھوڑی دیر کے کر دیئے ہیں...... یوں اگر اس ایجنٹ نے معاہدے کے مندرجات وہ دیر ٹھہرنے کی ل سسٹم کی مدد سے بذریعہ سگنلز کراچی یا کسی دوسری جگہ بھیج کے باہر کھڑا رہتا تھا

میں اس کا علم روس کی حکومت کو ہو بھی جائے گا تو کپتان کی کھال بچ جائے گی...... وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو پاکستانی ایجنٹ کو موقع پر پکڑ کر کے جی بی کے حوالے کر دیا تھا...... یہ کے جی بی کی انٹیلی جنس ایجنسی کا کام تھا کہ پاکستانی ایجنٹ سے یہ راز اگلواتی کہ اس نے خفیہ دستاویز سے جو راز چرائے تھے وہ پاکستان کیسے منتقل کئے ہیں۔

روسی کپتان کی عقل نے فسٹ آفیسر کی تجویز فوراً قبول کر لی...... وہ اپنی روسی حکومت کی طوطا چشمی کو بھی جانتا تھا اور خفیہ ایجنسی کے جی بی کے عقوبت خانوں میں جس بربریت کا مظاہرہ ہوتا تھا اس سے بھی واقف تھا...... اس کی یعنی کپتان کی جان اسی طرح بچ سکتی تھی کہ پاکستانی ایجنٹ کم از کم روس پہنچنے تک اور اسے کے جی بی کے افسروں کے حوالے کرنے تک زندہ رہے...... کپتان نے اسی وقت دونوں ہٹے کٹے ملاحوں کو واپس بھیج دیا اور عمران کو فوراً جہاز کے ہسپتال میں پہنچا دیا اور فسٹ آفیسر کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ پاکستانی ایجنٹ کی چوٹوں کا اپنی نگرانی میں علاج کروائے اور اسے ہسپتال میں ہی قید کر کے اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھے تاکہ وہ روس پہنچنے تک صحت مند اور زندہ رہے۔

عمران کو اسی وقت جہاز کے چھوٹے سے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا...... ایک مسلح سپاہی اس کے پاس اس کی نگرانی کرنے کے لئے بیٹھ گیا...... اس کے سارے کپڑے اتار کر تلاشی لی گئی، تاکہ اگر اس کے پاس کوئی خفیہ کیمرہ وغیرہ ہو تو وہ برآمد ہو لیا جائے مگر عمران نے کیمرہ تو اسی وقت سمندر کی گہرائیوں میں پہنچا دیا تھا۔ یہ بھی یہاں شی لی گئی کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں جس سے وہ خودکشی کر لے...... کپتان آفیسر ہے تو [illegible] یہ تلاشی لی گئی...... عمران کا منہ کھلوا کر اس کے دانتوں کو خاص طور کہ میں تمہیں دو [illegible] جگہ اس نے زہر کی ٹیوب تو نہیں چھپائی ہوئی، مگر اس کے حلق میں عمران صاف [illegible] میں جو خفیہ معاہدے کی فلم کی ننھی سی ٹیوب تھی اس پر کسی کی نظر ...... مار پیٹ سے عمران کی ایک آنکھ سوج کر نیلی ہو گئی تھی...... اس

کر ڈاکٹر نے دوائی لگا دی اور پٹی باندھ دی...... اسے کھانے کے لئے اچھی خوراک لگی...... عمران یہی سمجھا کہ محبت پیار کا یہ سلوک اس کے ساتھ اس لئے کیا جا رہا کہ شاید اسی طریقے سے وہ جہاز کے کپتان کو بتا دے کہ بمبئی کے روسی قونصل نے کا کون سا روسی افسر اس سازش میں اس کا شریک تھا...... اصل میں جہاز کا کپتان سازش کا سارا الزام بمبئی کے روسی قونصل خانے پر تھوپنا چاہتا تھا جس کے نیول ر کے روسی افسر سے کپتان کی شروع ہی سے لگتی تھی...... اسے پھنسانے کا کپتان پاس یہ نادر موقع تھا۔

عمران بھی سمجھ گیا تھا کہ کپتان اب خود اس سے پوچھ گچھ نہیں کرے گا بلکہ روس کر اسے وہاں کی انٹیلی جنس کے حوالے کر دے گا تاکہ وہ خود ہی پوچھ گچھ کرے...... عمران کو اس امر کا اطمینان ہو گیا کہ جب تک جہاز سمندر میں سفر کر رہا ہے روسی ن اس کی جان کی حفاظت کرے گا کیونکہ عمران کو جہاز سے فرار ہونے کا موقع ملنا لن تھا...... زیادہ سے زیادہ وہ سمندر میں چھلانگ لگا کر فرار ہو سکتا تھا، لیکن سمندر جنوبی بحرالکاہل تھا جو دنیا کا سب سے گہرا اور سب سے بڑا سمندر تھا اور اس میں نگ لگانے کے بعد اس کے زندہ رہنے کے امکانات ایک فی صد بھی بڑی مشکل تھے...... اس طرح جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا...... بنکاک کے بعد وہ سنگاپور میں دو ٹھہرا، اس کے بعد اس کی منزل جنوب مشرقی روس کی بندرگاہ ولاڈی واسٹک ہی ...... راستے میں اسے کسی جگہ نہیں ٹھہرنا تھا...... یہ سفر کافی طویل تھا، اسی دوران و عمران جہاز کے ہسپتال میں ہی بند رہا...... دوسرے تیسرے دن جہاز کا کپتان اپنے ٹ آفیسر کے ساتھ آ کر اسے دیکھ جاتا تھا...... عمران کو ہسپتال کے بستر پر بھی ڑی لگی رہتی تھی اور یہ ہتھکڑی صرف باتھ روم میں جاتے وقت تھوڑی دیر کے کھولی جاتی تھی...... اسے باتھ روم میں تین چار منٹ سے زیادہ دیر ٹھہرنے کی ت نہیں تھی...... مسلح ملاح باتھ روم کے ادھ کھلے دروازے کے باہر کھڑا رہتا تھا

تاکہ عمران خودکشی کی کوشش نہ کرسکے۔

آخر جہاز ولاڈی واسٹک پہنچ گیا۔

جہاز بندرگاہ پر لنگر انداز ہوگیا تھا...... عمران پر پہرہ سخت کردیا گیا...... اسے جہاز کے ہسپتال میں ہی رکھا گیا...... جہاز کے کپتان نے ولاڈی واسٹک کے سرکاری حکام کے توسط سے ماسکو میں روس کی بدنام زمانہ انٹیلی جنس ایجنسی کے جی بی کے چیف سے ٹیلی فون پر بات کرکے اسے رپورٹ کردی کہ اس نے جہاز پر ایک خطرناک پاکستانی ایجنٹ کو گرفتار کیا ہے جو روس اور بھارت کے درمیان ہوئے فوجی معاہدے کے مندرجات چرانے کی غرض سے ایک باورچی کے بھیس میں جہاز میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا مگر اس نے اس سے پہلے کہ وہ یہ راز چراتا اسے گرفتار کرکے لاک اپ میں بند کردیا ہے...... کے جی بی کے چیف یوری کرانن نے کہا کہ اس پاکستانی ایجنٹ کو فوراً ماسکو کے جی بی کے دفاتر میں پہنچادیا جائے...... کپتان نے سوچا کہ پاکستانی ایجنٹ کی مصیبت کو جتنی جلدی کے جی بی کے حوالے کردیا جائے بہتر ہوگا او اس کے اپنے سر سے بلا ٹل جائے گی۔ چنانچہ اس نے مقامی پولیس کی مدد طلب کرلی...... ایک مسلح پولیس سکوئیڈ اسے مہیا کردیا گیا...... جہاز کے کپتان نے اپنے فسٹ آفیسر کو ساتھ لیا اور کمانڈو عمران کو روسی پولیس کے حوالے کرکے اسے ساتھ ۔ کر ماسکو کی طرف روانہ ہوگیا۔

روسی پولیس نے کمانڈو عمران کو ہتھکڑی لگادی تھی اور اپنی تحویل میں لے ل تھا...... یہ بڑا لمبا سفر تھا...... دو دن تک وہ ایک مال گاڑی کی طرح کی ریلوے ٹرین میں سفر کرتے رہے...... اس کے بعد انہیں ایک تیز رفتار پسنجر ٹرین مل گئی...... یہ ٹرین بھ روس کے دور افتادہ ویران بیابانی علاقوں میں چار روز تک سفر کرتی رہی...... اس کے بعد وہ ایک بھدے قسم کے ہوائی جہاز میں سوار ہوگئے...... اس جہاز نے آٹھ گھنٹے کے سفر کے بعد انہیں لینن گراڈ پہنچایا جہاں سے ایک نسبتاً بہتر حالت والی ٹرین میں بیٹھ کر

یہ لوگ ماسکو پہنچے...... ماسکو میں برف باری ہو رہی تھی...... عمران کے سخت سردی کی وجہ سے دانت بجنے لگے...... اتنی سردی اس نے پہلے کبھی نہیں، کہیں نہیں دیکھی تھی...... سردی اس کی ہڈیوں میں گھس رہی تھی...... اس وقت انڈیا میں سردیوں کا موسم ختم ہو رہا تھا مگر روس میں سردی اپنے عروج پر تھی...... درجہ حرارت نقطہ انجماد سے کئی ڈگری نیچے تک پہنچا ہوا تھا۔

سب سے پہلے عمران کو ماسکو کے پولیس ہیڈ کوارٹر میں لایا گیا...... یہاں اسے ایک بھورے رنگ کا بھاری کمبل دے دیا گیا جس کو اپنے جسم کے گرد لپیٹ کر بھی عمران کو سردی لگتی رہی...... پولیس ہیڈ کوارٹر میں روس کی انٹیلی جنس ایجنسی کا نمائندہ آفیسر پہلے سے پہنچا ہوا تھا...... اس نے عمران کو اپنی تحویل میں لے کر روسی جہاز کے ہتان کو فارغ کردیا...... وہاں سے جہاز کا کپتان اپنے فسٹ آفیسر کے ساتھ واپس چلا یا...... ایک رات کمانڈو عمران ماسکو پولیس ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں رہا...... عمران ٹ مند اور سخت جان نوجوان تھا اور جہاز کے ہسپتال میں جو اس کی دیکھ بھال ہوتی ی تھی، اس نے اس کی صحت کو مزید اچھا کردیا تھا...... اس کے علاوہ عمران کو کمانڈو ینگ نے بے حد سخت جان اور فولاد کی طرح سخت بنادیا تھا...... اس کے باوجود ماسکو ، سارے روس کی سردی اس کے جسم کے اندر تک گھس رہی تھی...... ٹھنڈی لات میں رات عمران نے بڑی مشکل سے گزاری...... دوسرے روز کے جی بی کا عمران کو مسلح پولیس کی حفاظت میں لے کر ماسکو سے پچاس ساٹھ میل کے فاصلے لے جی بی کی دو منزلہ عمارت یعنی ٹارچر ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔

روس کی خفیہ ایجنسی کے جی بی ہٹلر کی گسٹاپو سے بھی زیادہ بدنام زمانہ تھی اور اس ی کے خفیہ آدمیوں سے روس کے سرکاری افسر سیاسی لیڈر اور عوام تک ڈرتے ...... کمانڈو ٹریننگ کے دوران عمران کو جہاں دنیا کے دوسرے ممالک کی خفیہ یوں کے بارے میں بریف کیا گیا تھا وہاں روس کی اس خفیہ انٹیلی جنس ایجنسی کے

جی بی کے بارے میں بڑی وضاحت سے بتایا گیا تھا کہ اس کے عقوبت خانوں یعنی ٹارچر سیل میں لے جائے گئے آدمی کی لاش کا بھی پتہ نہیں چلتا...... ٹریننگ کے علاوہ بھی عمران نے کتابوں اور انگریزی کے رسالوں میں کے جی بی کے بارے میں اور ان کے طریقہ تفتیش کے بارے میں بڑی ہولناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی سچی کہانیاں پڑھ رکھی تھیں، لیکن کمانڈو عمران کو اس ٹارچر اور اذیت کا جو کے جی بی والے پکڑے ہوئے غیر ملکی ایجنٹ کو دیتے تھے اس کا ایک ہلکا سا نمونہ ٹریننگ کے دوران چکھا دیا گیا تھا...... کمانڈو عمران کو ٹریننگ کے دوران جو ٹارچر برداشت کرنے کا سب سے قیمتی گر بتایا گیا تھا وہ اس سے پہلے عمران نے نہ کسی کتاب میں پڑھا تھا اور نہ ٹریننگ کی کسی فلم میں ہی دیکھا تھا...... یہ طریقہ دشمن کے شدید ٹارچر اور اس کی طرف سے شدید اذیت دیتے وقت اپنے اوپر بے ہوشی طاری کرنے کا گر یا طریقہ تھا...... اگرچہ یہ بھی جسمانی طور پر ایک اذیت دہ مرحلہ تھا مگر اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ ایک بار جب جسم پر نیم بے ہوشی طاری کر لی جاتی تھی تو اذیت کی شدت آدھی سے بھی کم رہ جاتی تھی...... کے جی بی کے ٹارچر ہاؤس کی ایک کوٹھڑی میں کمانڈو عمران کو بند کر دیا گیا...... یہاں کے جی بی کے چیف کرانن نے اپنی نگرانی میں عمران سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا...... دنیا کی شاید کوئی اذیت ہو گی جو عمران کو نہ دی گئی ہو...... اسے برہنہ کر کے ٹھنڈے فرش پر لٹا کر باندھ دیا گیا اور اس کے منہ میں پائپ سے زبردستی اتنا پانی داخل کیا گیا کہ عمران کا پیٹ جب غبارے کی طرح پھول گیا تو اس پر ٹھڈے مارے گئے...... عمران ساری اذیتیں برداشت کرتا گیا مگر اس نے یہ اعتراف نہ کیا کہ وہ پاکستانی ایجنٹ ہے...... عمران کو یقین تھا کہ روس جدید ترین سائنسی ٹیکنالوجی کا حامل ملک ہے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس نے اپنے جسم کے اندر تو کوئی خاص چیز نہیں چھپا رکھی، اس کے جسم کی سکریننگ ضرور ہو گی...... اسے ڈر تھا کہ اگر اس کے جسم کی سکریننگ کی گئی تو اس کے حلق کی پاکٹ میں چھپائی ہوئی کیمرہ فلم کی ٹیوب کا راز ضرور کھل جائے

گا، مگر ایسی کوئی بات نہ ہوئی...... اس کے جسم کو داغا گیا...... اس کو الٹا لٹکا کر اس کے جسم کے نازک اعضاء پر ٹھوکریں ماری گئیں...... اس کو بجلی کے جھٹکے دیئے گئے...... اسے ہر قسم کی اذیت کے عمل سے گزارا گیا مگر اس کے حلق کے اندر گلے کی پاکٹ میں چھپی ہوئی مائیکرو فلم کی چھوٹی سی ٹیوب کا کسی کو علم نہ ہو سکا...... یہ بات عمران کے لئے بڑی اطمینان بخش تھی کہ پاکستان کا ایک قیمتی راز جس کی پاکستان کو اشد ضرورت تھی اس کے پاس محفوظ پڑا تھا بس اسے کسی طریقے سے پاکستان پہنچانا باقی رہ گیا تھا۔

عمران کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا تو وہ کسی نہ کسی طرح ماسکو میں پاکستانی سفارت خانے پہنچنے کی کوشش کرے گا تاکہ یہ قیمتی فلم پاکستانی سفیر کے حوالے کر دی جائے، لیکن اس کے گرد سکیورٹی اس قدر سخت تھی کہ اس کا کے جی بی کے عقوبت خانے سے فرار ہونا ناممکن نظر آ رہا تھا...... اس عقوبت خانے یعنی ٹارچر سیل میں عمران کو پندرہ دن تک بند رکھا گیا...... جب کے جی بی کے ٹارچر سیل کا چیف کرانن بھی کمانڈو عمران کو اذیت دے دے کر تنگ آ گیا اور اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اسے گولی مار دے تو اس نے عمران کو کے جی بی کی سپیشل کورٹ میں پیش کر دیا، کیونکہ کسی ایسے غیر ملکی ایجنٹ کو جان سے مار دینے کا اسے اختیار نہیں تھا جس سے اقبال جرم نہ کرایا گیا ہو...... کے جی بی چیف نے اپنی بلا سپیشل کورٹ کے جج کے سر پر تھوپ دی کہ وہ خود ہی اس سے اقبال جرم کرائے پھر جو سزا دینی ہے دے دے...... سپیشل کورٹ کے جج نے کمانڈو عمران کو عدالتی پولیس کے حوالے کر دیا کہ وہ ملزم سے اقبال جرائم کرائے۔

عدالتی پولیس کا سکوڈ جو عمران کو ہتھکڑی لگا کر لے گیا تھا دس بارہ قاتل قسم کے جرائم پیشہ افراد پر مشتمل تھا...... انہوں نے عمران کو عدالت کی عمارت کے ایک کمرے میں بند کر کے اس پر وحشیانہ اذیت اور بربریت کی انتہا کر دی...... کمانڈو عمران کی سخت جان ٹریننگ نے اس کی جان بچا لی ورنہ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید پہلے روز ہی

مر جاتا...... تین دن تک عمران پر وحشیانہ تشدد کا سلسلہ جاری رہا...... اس کے بعد وہ لوگ اسے کمرے میں کراہتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے...... یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی یہ لوگ اسے مارنا نہیں چاہتے تھے...... وہ لکڑی کے ایک تختے پر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا کہ دو تین آدمی اندر آئے اور اٹھا کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں دوائیوں کی بو پھیلی ہوئی تھی...... انہوں نے اسے ایک سٹریچر پر ڈال دیا...... اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا...... یہ ٹارچر سیل کی کوئی ڈسپنسری تھی۔

یہاں اس کے زخموں کی معمولی سی مرہم پٹی کی گئی...... ایک ٹیکہ بھی لگایا گیا...... پھر وہیں ایک کونے میں بیڈ پر لٹا کر اوپر بھاری کمبل ڈال دیا...... اسے کسی قدر سکون کا احساس ہوا...... کچھ دیر بعد کسی چیز کا گرم شوربہ پینے کو دیا گیا...... شام تک عمران کی حالت کافی سنبھل گئی...... اس کا خیال تھا کہ اب یہ لوگ اسے واپس ٹارچر چیمبر میں لے جائیں گے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا...... اسے وہیں رکھا گیا...... ڈسپنسری کے کمرے میں ایک کھڑکی تھی جس کے شیشے کے پٹ بند تھے اور باہر دن کی دھندلی سی روشنی نظر آ رہی تھی...... پھر یہ روشنی غائب ہو گئی...... کمرے میں ایک بتی روشن کر دی گئی...... شام ہو گئی تھی، رات کو اسے ایک آدمی سہارا دے کر باتھ روم تک لے گیا...... عمران نے باتھ روم کا جائزہ لیا...... وہاں کوئی روشن دان یا کھڑکی وغیرہ نہیں تھی...... تین منٹ بعد اسے باہر نکال کر واپس بستر پر لٹا دیا گیا...... رات کو کھانے کو سوکھی ڈبل روٹی اور کافی کا ڈونگا دیا گیا...... عمران نے کافی میں سوکھی روٹی ڈبو کر کھائی...... پھر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں...... خوراک ملنے سے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا تھا...... وہ سوچنے لگا کہ میں کہاں سے کہاں آ گیا ہوں۔

پیچھے ستار سیٹھ اور کمانڈو جبران اس کے بارے میں یہی سوچ رہے ہوں گے کہ وہ روسی جہاز پر ہی ہو گا اور اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد ایک مہینے تک کسی دوسرے تجارتی جہاز میں بمبئی واپس آ جائے گا...... انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ اس پر کیا گزر رہی تھی۔ رات کو ڈسپنسری کے کمرے میں کوئی نہیں تھا...... انہوں نے نہ عمران کو ہتھکڑی لگائی تھی اور نہ کوئی پہریدار پاس بٹھایا تھا...... انہیں یہی خیال ہو گا کہ اس کال کوٹھڑی سے وہ زخمی حالت میں نکل کر کہاں جائے گا، لیکن اس کا ذہن بڑی تیزی سے فرار کے بارے میں سوچنے لگا تھا...... اگرچہ وہاں سے نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے اور اسے یقین تھا کہ ڈسپنسری کے بند دروازہ کے باہر کوئی پہریدار ضرور بیٹھا ہوا ہو گا...... اس کے علاوہ یہ کوئی الگ کمرہ نہیں تھا...... ٹارچر سیل کی عمارت کے اندر ہی ایک کمرہ تھا...... وہاں سے اگر وہ نکل بھی جائے تو عمارت میں کسی بھی جگہ پکڑا جا سکتا تھا...... اس عمارت میں سپاہیوں کی پوری فوج موجود تھی۔

کئی دنوں سے اس کی یہ عادت بن گئی تھی کہ جب وہ ذرا ہوش میں ہوتا تو کلمہ پاک کا ورد شروع کر دیتا تھا...... وہ دھیمی آواز میں کلمہ پاک پڑھتا رہتا تھا...... اس طرح اسے بڑا روحانی سکون اور روحانی طاقت کا احساس ہوتا تھا، جس وقت ڈسپنسری کا دروازہ کھول کر ایک میلے کچیلے لمبے گرم لبادے والا اونچا لمبا داڑھی والا آدمی ہاتھ میں لمبا جھاڑو پکڑے داخل ہوا تو اس وقت بھی عمران مدھم آواز میں کلمہ شریف کا ورد کر رہا تھا...... یہ آدمی فرش کی صفائی کرنے والا خاکروب تھا...... اس کی لمبی داڑھی سینے تک آئی ہوئی تھی...... سر پر کھال کی ٹوپی تھی جس میں سے اس کے بالوں کے پٹے باہر نکلے ہوئے تھے...... آنکھیں منگولوں کی طرح ترچھی تھیں...... وہ اپنی دھن میں عمران کی طرف دیکھے بغیر فرش پر لمبا جھاڑو آہستہ آہستہ چلانے لگا...... جب وہ فرش صاف کرتا میرے عمران کے قریب آیا تو رک کر عمران کی طرف غور سے دیکھنے لگا...... اس نے عمران کے منہ سے کلمہ پاک کا ورد سن لیا تھا...... اس نے ذرا جھک کر سرگوشی ایسی آواز میں پوچھا۔

"مسلمان؟ اسلام؟"۔

عمران سمجھ گیا کہ یہ تاتاری مسلمان ہے...... اس نے آہستہ سے کہا۔

"اسلام...... مسلمان"۔

اور پورا کلمہ پڑھ کر سنادیا...... تاتاری مسلمان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مسلمان...... اسلام"۔

اور اس نے بھی کلمہ شریف پڑھ کر سنادیا...... عمران اس تاتاری کو دیکھنے لگا۔

بند دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی...... تاتاری مسلمان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر عمران کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور فرش کی صفائی میں مصروف ہو گیا...... کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا...... اس کے گلے میں نبض دیکھنے والی سٹیتھو سکوپ لٹک رہی تھی...... اس نے عمران کی نبض چیک کی اور چلا گیا...... اس کے جانے کے بعد تاتاری مسلمان عمران کے قریب آگیا اور اپنی زبان میں اسے کچھ کہا اور ساتھ ہی ہاتھ سے ایسا اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو کہ فکر نہ کرو...... صبر کرو...... اس کے بعد وہ دروازہ کھول کر چلا گیا۔

عمران سوچنے لگا کہ تاتاری مسلمان نے اسے مطمئن رہنے کا جو اشارہ کیا تھا اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے...... کیا وہ اسے روسیوں کی قید سے آزاد کروانا چاہتا ہے؟ مگر ایک معمولی تاتاری اس کی کیا اور کیسے مدد کر سکتا ہے...... عمران کے دل میں امید کی ایک کرن چمکی لیکن تھوڑی دیر بعد یہ کرن بجھ سی گئی...... دنیا کے اتنے بڑے ملک کی اتنی زبردست اور بدنام زمانہ انٹیلی جنس کی قید سے فرار کروانے میں یہ غریب تاتاری اس کی کیا مدد کر سکے گا؟ عمران کے ذہن پر ایک بار پھر اداسی چھا گئی اور وہ آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں کلمہ پاک کا ورد کرنے لگا۔ رات گزر گئی ٹارچر سیل والوں کے وحشیانہ تشدد کے باعث عمران کا سارا بدن درد کر رہا تھا...... دو تین دن کی دیکھ بھال اور علاج معالجے سے کافی فرق پڑ گیا اور عمران کا چہرہ جو ایک طرف سے سوج گیا تھا ٹھیک ہو گیا...... اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ اسے ایک بار پھر تشدد کی چکی میں ڈالنے کے لئے ٹارچر چیمبر میں لے جائیں گے لیکن اسے ڈسپنسری میں ہی رہنے دیا گیا اور دوائیں اور قدرے صاف ستھری خوراک ملتی

رہی...... تاتاری مسلمان روزانہ رات کو کمرے کی صفائی کرنے آتا اور اشاروں میں اسے تسلی دے کر چلا جاتا...... عمران نے یہی نتیجہ نکالا کہ یہ تاتاری مسلمان اسے صبر سے تشدد برداشت کرتے رہنے کی تلقین کر رہا ہے اور اس کے ذہن میں اسے فرار کروانے کا کوئی خیال نہیں ہے۔

چوتھے دن شام کو ڈسپنسری کی کھڑکی کے باہر برف باری شروع ہو گئی...... غروب ہوتے سورج کی دھندلی سی روشنی میں کھڑکی میں سے برف کے گالے گرتے نظر آرہے تھے...... اس روز تاتاری مسلمان تین بار ڈسپنسری میں صفائی کرنے آیا...... دوپہر کو آیا تو کمرے کی کھڑکی کے پاس پلاسٹک کی بالٹی رکھ کر چلا گیا...... دوسری بار شام کے وقت آیا اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور بالٹی میں ردی کاغذ وغیرہ ڈالنے لگا...... اس وقت نبض دیکھنے والا روسی کمپوڈر یا ڈاکٹر اپنے اسسٹنٹ کے ساتھ اس کے گال کے ایک زخم پر دوائی لگا رہا تھا...... تاتاری مسلمان اتنی دیر تک فرش کی صفائی میں لگا رہا...... صاف لگ رہا تھا کہ وہ صفائی کے بہانے وہاں کچھ دیر کے لئے رک کے رہنا چاہتا ہے...... جب ڈاکٹر اور اس کا کمپوڈر چلے گئے تو تاتاری مسلمان عمران کے پاس آیا اور جھک کر اسے اپنی زبان میں کچھ بول کر اور کچھ اشارے کر کے اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ بار بار کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہا تھا...... پھر وہ تیز تیز چل کر کھڑکی کے پاس گیا اور اسے ذرا سا دھکیلا تو کھڑکی کھل گئی، حالانکہ اس سے پہلے کھڑکی بند رہا کرتی تھی...... شاید باہر سے کھڑکی کی چٹخنی لگائی ہوئی تھی، لیکن اب کسی نے اسے باہر سے اتار دیا تھا...... تاتاری مسلمان نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی اور وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ سے کھڑکی کے نیچے کی جانب اشارے کرنے لگا...... پھر عمران کے پاس آکر سرگوشی کی آواز میں بولا۔

"الحمداللہ! الحمداللہ!"۔

اور چلا گیا...... عمران کو وہ ایک مخمصے میں ڈال گیا...... عمران کی کچھ سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ تاتاری مسلمان نے کیا پروگرام بنایا ہوا ہے...... اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے کھڑکی کھول کر دکھارہا تھا کہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور ہاتھ کا اشارہ نیچے کی طرف کر کے یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کھڑکی سے نیچے اترنا ہوگا...... یا اللہ! یہ اس تاتاری مسلمان نے کس قسم کا خطرناک منصوبہ بنایا ہے...... ایک بات کا اسے یقین تھا کہ یہ شخص اس ساری عمارت کے اندر اور باہر کے چپے چپے سے واقف ہے، اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی کوئی سکیم تیار کی ہوگی...... عمران نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر وہاں سے بھاگنے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا...... اس نے موٹے کمبل کی گرم قمیض اور اسی کمبل سے بنایا ہوا گرم پاجامہ پہن رکھا تھا...... پاؤں میں موٹے کھردرے اون کی گرم جرابیں تھیں...... سر پر گرم اون کی ٹوپی تھی...... خدا کا شکر تھا کہ فوجی معاہدے کی فوٹو فلم کے نیگیٹو کی ٹیوب اس کے گلے کے اندر پاکٹ میں محفوظ پڑی تھی...... یہی اس کی سب سے قیمتی متاع تھی جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی اور جسے وہ ہر حالت میں پاکستان پہنچانا چاہتا تھا۔

عمران کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ تاتاری مسلمان آج رات اسے کھڑکی کے ذریعے فرار کروانے کی سکیم بنا چکا ہے...... شاید اسی لئے بھی اس نے وہ رات منتخب کی تھی کہ اس رات برف باری ہو رہی تھی اور اس برف باری میں باہر کسی کی موجودگی کا امکان نہیں تھا، مگر عمران کو یہ سوال پریشان کر رہا تھا کہ اگر یہ درست ہے تو تاتاری مسلمان اسے وہاں سے بھگائے گا کیسے؟ اس منحوس ٹارچر ہاؤس کی عمارت سے جہاں قدم قدم پر پہرہ لگا تھا اور روسی گشتی پولیس خونخوار کتوں کے ساتھ ساری رات گشت کرتی رہتی تھی اسے باہر کس طریقے سے نکالے گا۔

رات کو عمران کو شوربے کے ساتھ ڈبل روٹی دی گئی...... ڈسپنسری کا آدمی اسے یہ چیزیں دے کر چلا گیا...... عمران نے گرم شوربے میں ڈبل روٹی ڈبو کر کھائی اور روز کی طرح برتن پلنگ کے نیچے رکھ دیئے...... روز کی طرح دو مسلح سپاہی کمرے میں آکر عمران کے بستر وغیرہ کو چیک کرنے کے بعد چلے گئے...... کمرے میں خاموشی چھا گئی...... کھڑکی

باہر اندھیرا تھا اور گرتی برف نظر نہیں آرہی تھی...... تاتاری مسلمان کے آنے کا
ہو گیا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا...... عمران کا دل کہہ رہا تھا کہ آج کی رات کچھ
نے والا ہے...... وہ ایک ایک لمحے کو گن رہا تھا...... اس کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر
تھی...... کمرے کی بتی جل رہی تھی...... عمران ڈسپنسری کا نسواری رنگ کا کمبل اوپر
کئے پلنگ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔

اچانک دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز آئی اور تاتاری مسلمان بڑا سا جھاڑو لے کر کمرے
خل ہوا...... اس نے دروازہ بند کر دیا اور فرش کی صفائی کرنے کی بجائے سیدھا
کے پاس گیا...... اس کا ایک پٹ تھوڑا سا کھول دیا اور واپس عمران کے پاس آکر اس کا
پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا اور کھڑکی کی طرف اشارہ کیا...... عمران
اسا جھجکا، تاتاری مسلمان نے اسے بازو سے کھینچ کر کمبل سے باہر نکالا اور کمبل اس
کندھوں پر ڈال کر غصے میں کچھ کہا اور اسے کھینچتا ہوا کھڑکی کے پاس لے گیا......
میں سے برفیلی ہوا کے جھونکے اندر آرہے تھے...... اب عمران بھی تیار ہو گیا
اس نے کمبل کو اپنے جسم کے گرد اچھی طرح سے لپیٹا اور کھڑکی میں سے نیچے
کر دیکھا...... اسے اندھیرے میں سوائے برف کے گرتے ہوئے گالوں کے اور کچھ
آیا...... تاتاری مسلمان نے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر ایک رسی پکڑ کر عمران کے
میں دے دی اور نیچے کی طرف اشارہ کیا اور اسے دھکیلنے لگا...... دراصل وہ چاہتا تھا کہ
جتنی جلدی ہو سکے باہر کود جائے...... عمران نے رسی کو پکڑا اور کھڑکی میں بیٹھ گیا
کو اپنی کمر کے گرد لپیٹ کر آہستہ سے نیچے اتر گیا...... تاتاری مسلمان نے اس کے
ہی کھڑکی بند کر دی۔

کمانڈو عمران کو کمند کی مدد سے عمارتوں سے اترنے اور چڑھنے کی خاص مشق کرائی
...... اس نے دونوں پاؤں دیوار کے ساتھ لگا دیئے اور ہاتھوں سے رسی کو تھوڑا
چھوڑ کر نیچے اترنے لگا...... وہ تیسری منزل پر تھا۔ تاتاری مسلمان نے اسی حساب

سے رسی باہر لٹکائی ہوئی تھی...... آخر اس کے پاؤں زمین پر لگ گئے...... اس نے جلدی سے رسی اپنی کمر سے گرد کھولی اور دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگا کہ وہ کس جگہ پر ہے...... اتنے میں ایک برف پوش انسانی ہیولا برف باری اور اندھیرے میں اس کی طرف بڑھا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ جلدی جلدی چلاتا سامنے کی طرف لے گیا...... آگے ڈھلان تھی...... گرتی برف میں زمین رات کے اندھیرے میں بھی دکھائی دے رہی تھی...... آگے ایک اونچی دیوار تھی...... دیوار کی دوسری طرف دو بڑے بڑے چوکور ڈرم پڑے تھے...... یہ کوڑے کرکٹ کے ڈرم تھے...... برف پوش آدمی نے ایک ڈرم کا ڈھکنا ایک طرف ہٹایا اور عمران کو ڈرم کے اندر جانے کے لئے کہا۔

عمران ڈرم میں اتر گیا...... وہ گتے کے ڈبوں، خالی بوتلوں اور ٹین کے خالی ڈبوں اور کپڑوں اور چیتھڑوں کے اوپر گرا...... ڈرم کافی بڑا تھا اور آدھے سے زیادہ کوڑے کرکٹ وغیرہ سے بھرا ہوا تھا...... برف پوش ملبوس پراسرار آدمی نے ڈرم کا ڈھکنا بند کر دیا...... ڈھکنے کے سوراخ میں سے سرد برفیلی ہوا ڈرم میں آ رہی تھی...... یہ پراسرار برف پوش آدمی تاتاری مسلمان کا آدمی ہی ہو سکتا تھا...... عمران سمجھ گیا کہ تاتاری مسلمان کی سکیم کیا ہے...... کوڑے کرکٹ کا یہ ڈرم جب کسی ٹرک میں دوسرے ڈرموں کے ساتھ لاد کر باہر لے جایا جائے گا تو عمران بھی اس کے ساتھ ہی اس عقوبت خانے سے باہر نکل جائے گا۔

ڈرم کے اندر کی فضا باہر کی نسبت کم سرد تھی...... عمران نے اپنے آپ کو ہسپتال کے کھردرے کمبل میں لپیٹا ہوا تھا...... وہ ڈرم کے کونے میں گتے کے ڈبوں اور پرانے چیتھڑوں میں گھس کر بیٹھ گیا اور اپنے آپ کو مزید چھپانے کے لئے اپنے اوپر کچھ اور چیتھڑے ڈال لئے...... ڈرم کے اندر گھپ اندھیرا تھا اور قسم قسم کی دوائیوں کی بو سے ڈرم کی فضا بوجھل ہو رہی تھی...... یہ بو بڑی ناگوار تھی، مگر عمران کو وہیں پڑے رہنا تھا...... اس کا اندازہ تھا کہ کوڑا لے جانے والا ٹرک صبح سویرے ہی آئے گا...... برف گرنے سے ڈرم

کے ڈھکن کے سوراخ بند ہو گئے تھے مگر اندر ادھر ادھر کے سوراخوں سے تازہ ہوا آ رہی تھی جس کی وجہ سے سانس لینے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی...... عمران کو یقین تھا کہ تاتاری مسلمان نے جس طرح یہاں برف باری میں اپنے ایک آدمی کو کھڑا کر رکھا تھا اور اس نے اسے ڈرم تک لے جانے میں اس کی مدد کی تھی اسی طرح جہاں کوڑا کرکٹ گرایا جاتا ہے وہاں بھی اس کا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور موجود ہو گا جو یا تو اسے یہ بتائے گا کہ اسے کس طرف کو فرار ہونا چاہئے یا اسے کچھ وقت کے لئے کسی محفوظ جگہ پر چھپا دے گا۔

کمانڈو عمران ابھی کے جی بی کی عمارت ٹارچر ہاؤس کے اندر ہی تھا اور خطرے سے باہر نہیں ہوا تھا...... کوڑے کے ڈرم کے اندر سردی اور اندھیرے میں عمران کے لئے وقت کا احساس ختم ہو گیا تھا...... ایسے لگتا تھا کہ وقت ڈرم کے باہر گزر رہا ہے...... وہ کب تک ڈرم کے اندر سمٹ کر بیٹھا رہا؟ عمران کو کوئی اندازہ نہیں تھا...... اتنا اسے اطمینان تھا کہ رات کے وقت کوئی ڈاکٹر یا کمپوڈر ڈسپنسری میں نہیں آتا تھا، چنانچہ اس کے فرار کا کم از کم صبح تک کسی کو علم نہیں ہو گا، لیکن اچانک کسی کام سے کوئی ڈسپنسری میں آ بھی سکتا تھا اور قیدی کا بستر خالی دیکھ کر خطرے کے الارم کا بٹن دبا کر سب کو بیدار کر سکتا تھا...... پھر کے جی بی کی عمارت کو گشتی پولیس گھیرے میں لے کر خونخوار کتے چھوڑ دیتی اور یہ کتے عمران کی بو پا کر اسے ڈرم کے اندر سے بھی پکڑ سکتی تھی...... وہ خدا سے یہی دعا مانگ رہا تھا کہ رات کو کوئی آدمی ڈسپنسری والے کمرے میں داخل نہ ہو اور اس کا محسن تاتاری مسلمان اسے صبح ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے نکال کر لے جائے۔

وہ جانتا تھا کہ کوڑے کے ڈرم لے جانے والا ٹرک صبح صبح ہی آتا ہے...... اس نے اپنے کان اس ٹرک کی آواز پر لگا رکھے تھے...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تاتاری مسلمان کا ساتھی اسے ٹرک کے آنے سے پہلے ہی وہاں سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے، مگر کے جی بی کی قتل گاہ میں کوڑے کا ڈرم ہی ایک محفوظ جگہ نظر آتی تھی...... وہ بھی صبح ہونے سے پہلے تک...... باہر ضرور برف باری جاری تھی جس کی وجہ سے ڈرم کے ڈھکنے

پر برف کی تہہ جم جانے سے اندر کی فضا یخ ہو گئی تھی...... عمران کو دو ایک بار کپکپی سی محسوس ہوئی اور اس نے اپنے اوپر مزید پرانے چیتھڑے ڈال لئے، مگر سردی کا احساس کم نہیں ہوا تھا۔

اتنے میں عمران کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی ٹرک چلا آ رہا ہے...... اس نے سانس روک کر کان اس آواز پر لگا دیئے...... آواز دور سے آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی...... یہ بھاری ٹرک کی آواز تھی اور کوڑے کے ڈرم لے جانے والا ٹرک ہی ہو سکتا تھا...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا...... اب وہ اس قتل گاہ سے باہر نکل سکتا تھا...... ٹرک کوڑے کے ڈرموں کے پاس آ کر رک گیا مگر اس کا پریشر انجن چل رہا تھا...... یہ ٹرک اپنے آگے کو بڑھے ہوئے شکنجے سے ڈرم کو دونوں طرف سے جکڑ کر اوپر اٹھاتا تھا اور ڈرم کا سارا کوڑا کرکٹ ٹرک کے پیچھے الٹ دیتا تھا...... کسی نے ڈرم کا ڈھکنا الٹا دیا...... عمران نے کمبل اپنے اوپر کیا اور کوڑے میں گھس گیا تاکہ باہر سے اسے کوئی دیکھ نہ لے...... لیکن کوڑا کرکٹ لے جانے والوں نے ڈرم کے اندر جھانک کر کبھی نہیں دیکھا تھا...... تھوڑی ہی دیر بعد ٹرک کے شکنجے نے ڈرم کو دونوں طرف سے جکڑ لیا اور آہستہ آہستہ اسے اوپر اٹھانے لگا...... عمران کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ باہر نہ لڑھک جائے، لیکن شکنجہ ڈرم کو بالکل سیدھا اوپر اٹھا رہا تھا...... تھوڑا اوپر لے جا کر شکنجے نے ڈرم کو ٹرک کے پچھلے حصے میں الٹا دیا جہاں پہلے ہی کافی کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا...... عمران کوڑے کے ساتھ ہی گتے کے خالی ڈبوں، خالی بوتلوں اور سارے کباڑ کے ہمراہ ٹرک میں لڑھک گیا...... اس کے اوپر کوڑے کا ایک ڈھیر گرا پڑا اور دوائیوں وغیرہ کی بدبو سے اس کا دم گھٹنے لگا...... اس نے کوڑے کو ادھر ادھر ہٹا کر سر باہر نکالا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا...... اس کے فوراً بعد دوسرے اور پھر تیسرے ڈرم کا کوڑا کرکٹ اس کے اوپر گر پڑا...... عمران نے تیزی سے ہاتھ پاؤں چلا کر بڑی مشکل سے اپنی گردن کو کوڑے کے ڈھیر سے باہر نکالا...... وہاں صرف تین ہی ڈرم تھے...... یہ آخری تین ڈرم تھے جو ٹرک نے اٹھانے تھے...... اس کے بعد ٹرک پیچھے

[گ]ھوما اور آہستہ آہستہ چلنے لگا...... ٹرک اوپر سے خالی تھا...... عمران کو تازہ ہوا نے تازہ دم [ک]ر دیا...... اس کے اوپر برف بھی گر رہی تھی...... اس نے سر پر کمبل ڈال رکھا تھا...... باہر [ر]ات تاریک تھی...... کے جی بی کے اس ٹارچر ہاؤس کی عمارت کے گیٹ میں سے گزرتے [ہ]وئے ٹرک کے ڈرائیور نے گیٹ پر کھڑے سپاہی سے اونچی آواز میں کوئی بات کی جس کے جواب میں سپاہی نے بھی کچھ کہا اور گیٹ کھلنے کی آواز آئی...... دوسرے لمحے ٹرک [عم]ارت سے باہر کھلی سڑک پر آ گیا تھا اور گرتی برف میں اس ویران سڑک پر درمیانی رفتار [س]ے چل رہا تھا۔

[ک]مانڈو عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کے جی بی کی قتل گاہ سے فرار ہونے میں [ک]امیاب ہو گیا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر تاتاری مسلمان اس کی مدد نہ کرتا تو اس کا وہاں [س]ے فرار ہونا ناممکنات میں سے تھا، لیکن خطرہ اب بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا [تھ]ا...... روس کا سارا ملک عمران کے لئے کے جی بی کی قتل گاہ سے کم نہیں تھا اور ابھی [ا]تنے وسیع و عریض ملک سے نکلنے کا فیصلہ کن مرحلہ باقی تھا...... ٹرک کی رفتار تھوڑی تیز [ہو]گئی تھی، کھلے ٹرک کے اندر سرد برفیلی ہوا بھی آ رہی تھی اور برف بھی گر رہی [تھ]ی...... عمران نے کمبل میں منہ سر چھپا لیا...... ٹرک کسی بڑی سڑک پر جا رہا تھا...... [عم]ران کے اوپر سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد بجلی کے کھمبوں پر لگی ہوئی مرکری لائٹ کی [رو]شنی گزر جاتی تھی...... ٹرک دیر تک چلتا رہا...... پھر وہ ایک طرف کو گھوم کر کسی [دوس]ری سڑک پر آ گیا...... اس سڑک پر بھی وہ کافی دیر تک چلتا رہا...... اس کے بعد اس [کی] رفتار ہلکی ہونے لگی اور گھوم کر کسی ایسے میدان میں آ گیا جہاں ٹرک تھوڑا تھوڑا اچھل [رہا] تھا...... اس کی رفتار بہت ہلکی ہو گئی تھی...... آخر وہ ایک جگہ رک گیا...... رکنے کے [بعد] ڈرائیور نے ٹرک کو آہستہ آہستہ پیچھے لے جانا شروع کر دیا...... ٹرک کا طاقتور انجن [بڑا] شور مچا رہا تھا...... یہ وہ جگہ تھی جہاں ٹرک نے اپنا کوڑا الٹ دینا تھا۔

ٹرک بہت ہی آہستہ آہستہ پیچھے کو چلتے ہوئے ایک جگہ آ کر رک گیا...... اب اس

کی پریشر مشین چلنے لگی اور ٹرک کا پچھلا حصہ اوپر کو اٹھنے لگا...... عمران نے ادھر ادھر ہاتھ چلائے مگر وہاں کوئی ایسی ہک وغیرہ نہیں تھی جس کو وہ پکڑ لیتا...... ٹرک کا پچھلا حصہ ایک خاص بلندی پر جا کر رک گیا...... پھر وہ پیچھے کی طرف جھکنے لگا اور ایک د جھک گیا، سارا کوڑا کرکٹ لڑھک کر ایک گڑھے میں گرا...... کوڑے کے ساتھ ہ عمران بھی لڑھکتا ہوا کوڑے کے گڑھے میں گر پڑا اور اس کے اوپر کوڑے کا انبار گر پڑا...... اس کا دم گھٹنے لگا...... اس نے جلدی جلدی ہاتھ پاؤں چلا کر اپنے چہرے کو کوڑے سے باہر نکالا...... ابھی تک رات کا اندھیرا ہی تھا اور برف مسلسل گر رہی تھی...... ٹرک نے دوسرا اور پھر تیسرے ڈرم کا کوڑا بھی گڑھے میں الٹ دیا...... یہ کوڑا عمران کی ایک سائیڈ پر گرا اور اس کی ایک جانب کوڑے کی دیوار سی کھڑی ہو گئی...... وہ وہیں دبک کر بیٹھا رہا...... ٹرک کی پریشر مشین خالی ڈرم کو پیچھے لے جا رہی تھی...... جب مشین نے تینوں خالی ڈرم ٹرک کے پیچھے رکھ دیئے تو ٹرک کا پچھلا حصہ بھی اپنی جگہ پر واپس چلا گیا...... اس کے بعد ٹرک پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک جگہ رکا اور پھر آگے چل پڑا...... عمران کوڑے کے گڑھے میں اسی طرح بیٹھا رہا...... اسے ٹرک نظر نہیں آ رہا تھا مگر ٹرک کی آواز سنائی دے رہی تھی جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

جب ٹرک کی آواز گم ہو گئی تو عمران نے اپنے آپ کو کوڑے کے ڈھیر میں سے نکالا اور گڑھے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا...... اتنے میں اسے گڑھے کے باہر سے کسی کی آواز سنائی دی...... اس نے اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا...... گڑھے کے کنارے پر دو انسانی ہیولے کھڑے تھے...... عمران ایک طرف ہٹ گیا...... ایک آدمی نے اوپر سے دوسری بار آواز دے کر عمران کو پکارا...... وہ اپنی زبان میں اسے کچھ کہہ رہا تھا جو عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... اس کے بعد اسی آدمی نے پہلے بسم اللہ کہا...... پھر دوبار الحمد للہ کہا...... عمران سمجھ گیا کہ یہ تاتاری مسلمان کے ساتھی ہی ہو سکتے ہیں...... د گڑھے میں اس طرف آ گیا جہاں دونوں آدمی کھڑے تھے...... گرتی برف اد ھیرے میں ان کے سفید ہیولے سے نظر آ رہے تھے...... دونوں آدمی گڑھے کے رے پر بیٹھ گئے اور انہوں نے عمران کے ہاتھ پکڑ کر اسے گڑھے سے باہر کھینچ ...... عمران کا کمبل گڑھے میں ہی رہ گیا تھا...... اس کے بدن پر صرف ایک گرم قمیض تھی۔

دونوں آدمی اونچے قد کے تھے اور دونوں کی لمبی داڑھیاں تھیں جن پر برف کی ر کی ہوئی تھیں...... انہوں نے پوستین کے لمبے کوٹ پہن رکھے تھے اور سروں پر سمور کی روسی ٹائپ کی ٹوپیاں تھیں...... ان میں سے ایک آدمی نے اپنا پوستین کا ٹ اتار کر عمران کو پہنایا اور کچھ کہہ کر اس کا بازو پکڑا اور دونوں ایک طرف کو دوڑ ے اور اپنے ساتھ عمران کو بھی دوڑانے لگے...... وہ ایک غیر ہموار کھلے میدان میں ڑ رہے تھے جو نرم نرم برف سے ڈھکا ہوا تھا...... جب برف گر رہی ہو تو وہ نرم ہوتی ، اور اس پر آدمی تیز تیز بھی دوڑ سکتا ہے، لیکن جب برف گرنے کے بعد ہوا چلتی ، اور برف شیشے کی طرح سخت اور پھسلنی ہو جاتی ہے تو اس پر دوڑنا تو کیا چلنا بھی ل ہو جاتا ہے...... پہاڑوں کے لوگ کہتے ہیں کہ اس قسم کی شیشہ برف پر گرنے ، آدمی کو جو چوٹ لگتی ہے تو وہ مشکل ہی سے ٹھیک ہوتی ہے...... دوڑتے دوڑتے وہ ان سے باہر نکل آئے...... آگے اونچے اونچے برف پوش درخت کھڑے تھے...... ان درختوں میں گھس گئے اور دوڑنے کی بجائے تیز تیز چلنے لگے...... آخر درختوں کا ہ چھوٹا سا جنگل بھی ختم ہو گیا...... جنگل کی دوسری جانب ایک جگہ ویگن کا ایک چھوٹا ا بند ڈبہ کھڑا تھا...... یہ ویگن برف میں ڈھکی ہوئی تھی۔

ایک آدمی ڈبے کے پاس پہنچ کر جلدی سے ڈرائیور کی سیٹ کی کھڑکی کھول کر ر بیٹھ گیا...... دوسرا تاتاری عمران کے ساتھ ڈبے کے پیچھے گھس گیا اور ویگن دو ن بار سیلف دبانے کے بعد سٹارٹ ہو کر تیزی سے چل پڑی...... ویگن کا ڈبہ چاروں ف سے بند تھا...... ڈھیل تاتاری اس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا تھا...... اندر

اندھیرا تھا...... آہستہ آہستہ عمران کو اندھیرے میں بھی تاتاری کی شکل دکھائی دینے لگی...... وہ اپنی داڑھی اور پوستین کے کندھوں پر سے برف جھاڑ رہا تھا...... عمران اس تاتاری مسلمان سے بات کرنا چاہتا تھا مگر وہ ان کی زبان نہیں جانتا تھا...... وہ لوگ بھی عمران کی زبان نہیں سمجھتے تھے...... وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں بھی بات نہیں کر سکتے تھے۔

عمران کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ روسیوں کی ایک بہت بڑی قتل گاہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے...... ویگن کا ڈبہ ہچکولے کھاتا چلا جا رہا تھا...... یہ سفر کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے تک جاری رہا...... اسی دوران ویگن ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے رکی۔ صرف ڈرائیور نیچے اتر کر انجن کو کچھ کرتا رہا...... دوسرا تاتاری مسلمان عمران کے پاس ہی بیٹھا رہا...... اس کے بعد ویگن دوبارہ چل پڑی...... آخر یہ طویل سفر ختم ہو گیا اور ویگن ایک دو موڑ مڑنے کے بعد سڑک کے پتھروں پر چلتی ہوئی ایک جگہ رک گئی......

عمران تاتاری کے ساتھ ویگن کے بند ڈبے سے باہر نکل آیا...... برف باری رک چکی تھی...... آسمان سرمئی رنگ کے بادلوں اور دھند میں چھپا ہوا تھا...... زمین برف سے سفید تھی...... درخت بھی سفید تھے...... صبح کے اجالے کی پھیکی پھیکی روشنی سی پھیلنے لگی تھی...... سامنے سفیدے کے برف سے ڈھکے درختوں کی ایک قطار کے پیچھے ڈھلواں چھتوں والے کچھ مکان ایک طرف کو جھکے جھکے سے دکھائی دے رہے تھے...... ایک مکان کی اوپر کو اٹھی ہوئی چمنی میں سے دھوئیں کی لکیر اوپر کو اٹھ رہی تھی۔

تاتاری ڈرائیور بھی ویگن بند کر کے آ گیا تھا...... دونوں تاتاری مسلمان عمران کو ساتھ لے کر ایک مکان پر آئے اور دروازے پر دستک دی...... ایک سفید ریش بھاری بھرکم منگول چہرے والے سرخ و سفید بوڑھے نے دروازہ کھولا اور عمران کو غور سے دیکھا...... دونوں تاتاری مسلمانوں نے السلام علیکم کہا...... عمران نے بھی بوڑھے کو السلام علیکم کہا۔

"وعلیکم السلام"۔

منگول چہرے والے مسلمان نے جواب دیا اور مسکرا کر عمران سے ہاتھ ملایا...... مسکراتے وقت منگول بزرگ کی ترچھی آنکھیں اور چھوٹی ہو گئیں...... وہ کمرے میں داخل ہو گئے...... چھوٹا سا کمرہ تھا جو مشرقی انداز کا آئینہ دار تھا...... زمین پر پرانا سا قالین بچھا ہوا تھا...... ایک طرف قالین کے اوپر گدیلے والا بستر لگا تھا اور بستر پر پھولدار لحاف کے علاوہ تین چار اونی کمبل بھی پڑے تھے...... کمرے کے آتش دان میں لکڑی جل چکی تھیں اور اس کے سرخ کوئلوں پر سفید راکھ جم رہی تھی...... کمرے کی فضا اتنی ہی گرم تھی کہ سردی کا احساس بہت کم ہو رہا تھا...... کمرے کے وسط میں ایک تشت میں روسی سماوار رکھا ہوا تھا جس کے ارد گرد چھ سات فنجان یعنی بغیر کنڈے کے چھوٹی پیالیاں پڑی تھیں...... کمرے میں چائے کی دھیمی دھیمی خوشبو پھیلی ہوئی تھی...... ایک بھاری بدن کی ادھیڑ عمر سرخ و سفید خاتون روسی سماوار کے پاس بیٹھی تھی...... جس کا سر نیلے اور سفید پھولدار رومال سے ڈھکا ہوا تھا...... عمران نے اس خاتون کو بھی السلام علیکم کہا...... خاتون نے جواب میں وعلیکم السلام کہا اور روسی سماوار کی ٹونٹی میں سے پیالیوں میں چائے ڈالنے لگی۔

سفید ریش منگول مسلمان بزرگ نے عمران کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اردو زبان میں پوچھا۔

عزیزم...... پاکستانیہ؟۔

عمران نے کہا۔

"پاکستان...... الباکستان"۔

سفید ریش منگول نے اردو میں کہا۔

"پاکستان...... مسلمان کی جان ایمان"۔

عمران کا چہرہ خوشی اور فخر سے سرخ ہو گیا...... یہ تاتاری اور منگول مسلمان پاکستان سے اور پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں سے دلی پیار کرتے تھے...... عمران کی

بائیں جانب بیٹھے ہوئے تاتاری مسلمان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"الحمدللہ! تاتارستان...... مسلمان"۔

سفید ریش بزرگ مسکرا رہے تھے...... کہنے لگے۔

"ہم تاتاری مسلمان ہیں...... ہمارا بھی اسلامی ملک تاتارستان بن گیا ہے... ماسکو میں ہم لوگ لومڑی کی کھالوں کا چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں...... تمہارا نام کیا ہے؟"۔

عمران بولا۔

"عمران بیگ!"۔

دوسرے تاتاری مسلمان نے مسکراتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"طغرل بیگ"۔

اور پھر سب خوشی سے ہنسنے لگے...... اس مسلمان تاتاری کا نام طغرل بیگ تھا اور وہ بھی ایک مسلمان تھا...... کمرے میں بجلی کا بلب روشن تھا جس کی روشنی میں ادھیڑ عمر خاتون کے دونوں کانوں کے قریب لٹکتی ہوئی چوٹیوں کے سفید بال چمک رہے تھے اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک اونچا لمبا داڑھی والا تاتاری لمبے کوٹ کی برف جھاڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا...... عمران نے اسے فوراً پہچان لیا وہ ڈسپنسری والا تاتاری مسلمان تھا جس نے اسے کے جی بی کے عقوبت خانے سے فرار کرایا تھا...... عمران اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا...... تاتاری مسلمان نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور سب کو السلام علیکم کہہ کر تاتاری یا روسی زبان میں بزرگ مسلمان منگول سے کوئی بات کی...... سب یک زبان ہو کر بولے۔

مرحبا! جزاک اللہ!۔

دوسرے کمرے کے دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک نوجوان لڑکی ہاتھوں میں طشت تھامے داخل ہوئی...... اس کے سیاہ بالوں کی دونوں چوٹیاں کانوں کے پاس لٹک رہی تھیں اور اس نے اپنے سر پر پھولدار کڑھائی کی نیلی چوگوشہ ٹوپی پہنی ہوئی تھی...... طشت اس نے بزرگ خاتون کے سامنے لاکر قالین پر رکھ دیا...... طشت میں چار چار ٹکڑوں میں کٹے ہوئے سرخ قلچے، ایک شہد اور ایک بالائی کا پیالہ رکھا ہوا تھا...... لڑکی نے عمران کو السلام علیکم کہا...... جواب میں عمران نے بھی بڑے احترام کے ساتھ وعلیکم السلام کہا...... لڑکی قالین پر دوزانوں ہو کر بیٹھ گئی اور چھوٹی چھوٹی خالی پیالیوں میں شہد اور بالائی ڈال کر سب کے آگے رکھنے لگی...... پھر اس نے قلچوں کی پلیٹ اٹھائی اور سب کو پیش کی، سب نے قلچے کا ایک ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔

بزرگ منگول نے جو اردو زبان جانتا تھا عمران سے کہا۔

"یہ میری پوتی ہے......اس کی منگنی کر دی گئی ہے"۔

اس کا نام فاطمہ ہے۔

لڑکی شرما کر طشت ایک طرف کر کے بزرگ خاتون کے پاس بیٹھ گئی...... عمران اب صرف اس منگول بزرگ ہی سے بات کر سکتا تھا......باقی تاتاریوں میں سے کسی کو اردو بولنی نہیں آتی تھی...... اس نے بزرگ منگول کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"محترم! میں آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ لوگوں کی مدد سے مجھے کے جی بی کے عقوبت خانے سے رہائی نصیب ہوئی اور آپ نے مجھے اپنے ہاں پناہ دی"۔

بزرگ منگول نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"الحمدللہ! مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مصیبت میں دوسرے مسلمان بھائی کی مدد کرے...... تم مملکت اسلامی پاکستان کے مسلمان ہو...... پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ ہمیں پاکستان پر فخر ہے کہ وہ دنیا میں پہلا اسلامی ایٹمی طاقت والا ملک بن گیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جائیں......

میرا یہاں آپ کے پاس زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں...... اس وقت تک کے جی بی کو میرے فرار کا علم ہو چکا ہو گا اور اس کے جاسوس اور روسی پولیس اور ان کے خونی کتے میری تلاش میں نکل آئے ہوں گے"۔

یہاں ڈسپنسری والے تاتاری مسلمان نے منگول بزرگ کو مخاطب کر کے کچھ باتیں کیں...... منگول بزرگ نے مجھ سے کہا۔

"یہ کہتا ہے کہ تم ہمارے پاکستانی مسلمان بھائی ہو...... ہم تمہارے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں...... تم جتنی دیر چاہے ہمارے پاس رہ سکتے ہو...... روسی پولیس کے آدمی اس طرف نہیں آئیں گے...... یہ جگہ محفوظ ہے"۔

عمران سوچنے لگا...... یہ بھولے بھالے تاتاری مسلمان نہیں جانتے کہ کے جی بی اور روسی پولیس کتنی خونخوار ہے اور اسے اگر پتہ چل گیا تو اس چھوٹے سے پرامن مسلمان گھرانے پر قیامت ٹوٹ پڑے گی...... وہ خاموشی سے سب کے ساتھ مل کر ناشتہ کرنے لگا۔

✿ ✿ ✿

ناشتے کے بعد عمران نے گرم پانی سے غسل کیا۔

اس نے صرف گرم پتلون پہنے رکھی...... باقی سارے کپڑے تبدیل کر لئے...... اسے ایک روئی دار بنڈی بنیان کی جگہ پہننے کو اور ایک گرم لمبی قمیض ایک بند گلے والا گھر میں بنا ہوا لمبا اونی سویٹر اور ایک چمڑے کی جیکٹ اور لومڑی کی کھال کی بنی ہوئی نسواری رنگ کی ٹوپی اور لمبی پوستین پہننے کو دی گئی...... گرم پانی میں نہانے اور نئے گرم کپڑے پہننے کے بعد عمران کو محسوس ہوا کہ وہ پھر سے زندہ ہو گیا ہے...... اس کے جسم پر چوٹوں کے زخم ڈسپنسری میں ہی کافی ٹھیک ہو گئے تھے...... ان تاتاری مسلمانوں کی مہمان نوازی نے اسے پھر سے تازہ دم کر دیا تھا...... اس کے بعد اسے ایک چھوٹے سے علیحدہ کمرے میں قالین پر دو کمبل ڈال کر سلا دیا گیا...... گرم پانی میں غسل کرنے سے عمران کا جسم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا...... کئی دنوں کے بعد اسے کسی حد تک آرام کی نیند نصیب ہوئی تھی...... وہ صبح کا سویا دوپہر کے بعد تک سوتا رہا۔

ڈسپنسری والے تاتاری مسلمان کی ڈیوٹی شام کو شروع ہوتی تھی...... اس نے بزرگ منگول کی مدد سے عمران کو سمجھایا کہ اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... وہ یعنی تاتاری مسلمان طغرل بیگ آج ڈیوٹی پر جائے گا تو اس کے فرار کے بعد کی ساری رپورٹ لا کر دے گا کہ روسی پولیس اسے کہاں کہاں تلاش کرتی پھر رہی ہے...... دوپہر کو سب نے مل کر ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھایا اور فنجانوں میں

قہوہ پیا...... شام سے ذرا پہلے طغرل بیگ ڈیوٹی دینے ڈسپنسری چلا گیا...... اسے رات کے دو بجے ڈیوٹی ختم کر کے آنا تھا...... رات کا کھانا بھی سب کے ساتھ عمران نے ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھایا اور قہوہ پیا...... رات کو سونے سے پہلے عمران کو پینے کے لئے بکری کا دودھ دیا گیا...... عمران نے بزرگ منگول سے کہا کہ جب رات کو طغرل بیگ ڈسپنسری سے واپس آئے تو اسے اٹھا دیا جائے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ روس کی انٹیلی جنس اور روس کی پولیس اس کی تلاش میں کہاں کہاں چھاپے مار رہی ہے اور کس قسم کے اقدامات کر رہی ہے...... شروع رات ہی عمران سو گیا...... جب آدھی رات کے بعد طغرل بیگ ڈیوٹی سے واپس آیا تو بزرگ منگول نے عمران کو جگا دیا...... طغرل بیگ اس سے پہلے منگول بزرگ کو سب کچھ بتا چکا تھا، چنانچہ اس نے عمران کو جگا کر کہا۔

”طغرل بیگ نے بتایا ہے کہ کے جی بی کے جاسوس اور روسی پولیس سارے ماسکو شہر کو گھیرے میں لے کر جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے اور اسے تلاش کر رہی ہے“۔

عمران نے فکر مندی کے ساتھ پوچھا۔

”ڈسپنسری میں کسی کو طغرل بیگ پر تو شک نہیں پڑا؟“۔

اس کے جواب میں منگول بزرگ نے کہا۔

”یہ سوال میں نے بھی طغرل سے کیا تھا...... اس کا کہنا ہے کہ اس نے تمہیں اس طریقے سے فرار کرایا ہے کہ وہاں پیچھے کوئی نشان وغیرہ نہیں رہا...... طغرل بیگ نے تمہارے فرار کے بعد کھڑکی کے ساتھ بندھی ہوئی رسی اوپر اٹھالی تھی اور کھڑکی کو بند کرنے کے بعد اس پر سے تمہارے اور اپنے ہاتھوں کے نشان کپڑے سے رگڑ کر صاف کر دیئے تھے...... برف باری کی وجہ سے کھڑکی کے نیچے تمہارے اور ہمارے آدمیوں کے پاؤں کے نشان بھی برف تلے دب گئے تھے...... برف کی تہہ میں دبے ہوئے پاؤں کے نشانوں کی بو کے جی بی کے سدھائے ہوئے کتے بھی نہیں سونگھ سکتے تھے...... اس

کے بعد تمہیں کوڑے کے ڈرم میں بٹھا دیا گیا تھا اور ہمارے آدمی وہاں سے نکل کر سیدھے اس جگہ آ گئے تھے جہاں تمہیں کوڑے کے ڈھیر میں سے نکالنا تھا...... طغرل بیگ نے برف باری کی رات تمہارے فرار کے لئے اس لئے منتخب کی تھی کہ برف باری میں زمین پر پاؤں کے نشان برف میں دب جاتے ہیں...... کے جی بی صرف ڈسپنسری کے باہر پہرہ دینے والے دونوں سپاہیوں کو گرفتار کر کے لے گئی ہے...... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں“۔

طغرل بیگ نے بھی سر ہلا کر بزرگ منگول کی تائید کی...... عمران کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس کے محسن طغرل بیگ پر کوئی آفت نازل نہیں ہوئی...... تاتاری مسلمان بزرگ نے عمران سے ایک بار ضرور پوچھا تھا کہ وہ کیا مشن لے کر روس میں داخل ہوا تھا جس کے جواب میں عمران نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کا کوئی مشن نہیں تھا اور وہ پاکستان کا ایجنٹ وغیرہ بالکل نہیں ہے...... روس کا تجارتی جہاز بمبئی کی بندرگاہ پر جہاں لنگر انداز تھا وہ غلطی سے اس طرف نکل گیا اور روسی جہاز کے قریب کھڑے ہو کر اس کا جائزہ لے رہا تھا کہ یہ کتنا بڑا جہاز ہے کہ روسی انٹیلی جنس والے اسے پکڑ کر جہاز پر لے گئے اور ایک کیبن میں بند کر دیا...... وہ اسے پاکستانی جاسوس سمجھ بیٹھے تھے...... عمران بولا۔

”جب کہ میں پاکستانی جاسوس نہیں تھا...... روسی کپتان مجھے روس لے آیا اور ولاڈی واسٹک کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے ہی کے جی بی کے حوالے کر دیا گیا...... اس کے بعد مجھ پر وحشیانہ تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا“۔

عمران ان لوگوں کو بھی اپنے مشن کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا...... خفیہ معاہدے کی فلم کی ٹیوب اس وقت سے اس کے گلے کے اندر والی پاکٹ میں محفوظ پڑی تھی...... صبح باتھ روم جا کر منہ ہاتھ دھوتے وقت عمران چھوٹی سی فلم کی ٹیوب کو نکال کر صاف کر لیا کرتا تھا...... جب عمران کو ان نیک دل تاتاری مسلمانوں کے گھر میں

رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تو اس نے بزرگ تاتاری سے کہا۔

"محترم! اس سے زیادہ دیر میرا آپ کے ہاں رہنا مناسب نہیں...... میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی جگہ چھوڑ آئیں جہاں سے میں کسی مسلمان ملک یعنی تاتارستان یا تاجکستان کی طرف فرار ہو سکوں"۔

بزرگ تاتاری نے کہا۔

"برخوردار! ابھی تمہارا یہاں سے نکلنا ٹھیک نہیں...... کچھ دن اور رک جاؤ...... اس کے بعد ہمارے آدمی تمہیں خود کسی نہ کسی مسلمان ملک چھوڑ آئیں گے"۔

ایک ہفتہ مزید گزر گیا...... عمران وہاں بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا...... دوسری بات یہ تھی کہ وہ ان غریب تاتاری مسلمانوں پر جو محنت کش تھے، بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا...... عمران کی موجودگی سے ان پر کوئی بھاری آفت نازل ہو سکتی تھی، لیکن ان بہادر اور دلیر تاتاری مسلمانوں نے عمران کو اپنے ہاں پناہ دے کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا اور اسلام اور پاکستان کی محبت میں انہوں نے اس خطرے کی کوئی پروا نہیں کی تھی، مگر عمران اس سے زیادہ ان سادہ لوح تاتاری مسلمانوں کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا...... اس کے اصرار کے باوجود یہ لوگ عمران کو ابھی کچھ روز اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے تھے...... شاید انہیں احساس تھا کہ اگر وہ وہاں سے نکلا تو پکڑا جائے گا، کیونکہ اس علاقے کے حالات سے وہ زیادہ واقف تھے۔

آخر ایک روز انہوں نے عمران کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی......

بزرگ تاتاری نے عمران سے کہا۔

"کل رات کو طغرل بیگ تمہیں یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے گا...... تم اس کے ساتھ دو روز ایک جنگل میں سفر کرو گے...... اس کے بعد ویران علاقہ شروع ہو جائے گا...... وہاں سے تم نقشے اور سورج کے طلوع و غروب کو دیکھ کر شمال مغرب کی طرف سفر کرو گے...... اگر تم دن میں چار گھنٹے بھی پیدل چلو تو تیسرے دن استراخان کے چھوٹے سے شہر میں پہنچ جاؤ گے...... وہاں سے تمہیں ایک ریل گاڑی مل جائے گی جو تاتارستان کے اسلامی ملک کے سرحدی سٹیشن تک جاتی ہے...... یہ چار دن کا سفر ہو گا...... تاتارستان کا بارڈر کراس کرنا تمہارا کام ہو گا...... یہ بارڈر تم رات کی تاریکی میں عبور کر سکو گے...... ایک بار تم تاتارستان کے دارالحکومت میں پہنچ گئے تو پھر روسی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے...... وہاں کی جامع مسجد کے امام مصطفیٰ بخاری صاحب کو ملنا اور میرا انہیں سلام کہنا...... وہ تاتارستان سے تمہارا پاکستان جانے کا انتظام کر دیں گے"۔

اس کے بعد تاتاری بزرگ نے عمران کو گھٹنوں تک اونچے چمڑے کے بوٹ دیئے...... لومڑی کی کھال کا ایک لمبا گرم کوٹ دیا...... ایک لمبا اونی گلوبند دیا...... لومڑی کی کھال کی بنی ہوئی نسواری رنگ کی ٹوپی پہلے سے اس کے پاس موجود تھی...... اس ٹوپی میں کان بھی چھپ جاتے تھے...... بزرگ تاتاری مسلمان کہنے لگا۔

"روس میں برف باری کا موسم شروع ہو چکا ہے، دن میں چار گھنٹے سے زیادہ پیدل سفر نہ کرنا"۔

جس رات عمران کو ان نیک دل تاتاری مسلمانوں کے گھر سے روانہ ہونا تھا انہوں نے ایک تھیلے میں چھ سات دن کی خشک خوراک ڈال کر اس کے ساتھ کر دی...... دو ماچس کی ڈبیاں اور دو تام چینی کے مگ اور چائے کی پتی کا ایک پیکٹ بھی دیا۔

"راستے میں جس جگہ درختوں کی گری پڑی سوکھی شاخیں دیکھو...... آگ جلا کر اس میں برف ڈال کر چائے بنا لینا اور برف کو پگھلا کر پانی بھی پی لیا کرنا"۔

انہوں نے عمران کو ایک چھوٹا سا نقشہ بھی دیا جس میں سمتیں اور شہر کے نام انگریزی میں لکھے ہوئے تھے...... یہ ساری چیزیں اس نے سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیں...... تاتاری بزرگ نے طغرل بیگ کو سب کچھ سمجھا دیا تھا...... وہ سب کو بڑے

ادب سے سلام کر کے اور مردوں کے گلے مل کر رخصت ہوا...... تاتاری بزرگ عمران اور طغرل بیگ کو الوداع کہنے ویگن کے ڈبے تک آئے جو ان کے مکان سے کچھ دور کھڑا تھا...... اس رات برف نہیں گر رہی تھی مگر چاروں طرف زمین اور درخت سفید برف سے ڈھکے ہوئے تھے اور سرد برفیلی ہوا چل رہی تھی...... عمران طغرل بیگ کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا...... اپنا تھیلا اس نے ویگن میں پیچھے رکھ دیا تھا...... تاتاری بزرگ نے عمران کو ایک بار پھر گلے لگایا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ کر اسے رخصت کیا۔

ویگن رات کے اندھیرے میں سفید برفانی راستوں پر چل پڑی...... یہ دو دن کا سفر تھا...... ساری رات ویگن کبھی برف پوش میدانوں اور کبھی چھوٹے چھوٹے جنگلوں اور ویرانوں میں سفر کرتی رہی...... عمران آدھی رات کے بعد ویگن کے پیچھے جا کر سو گیا...... صبح صبح طغرل بیگ نے اسے جگا دیا...... دن کی روشنی پھیل چکی تھی...... وہ ایک اونچے برف پوش درختوں کے جنگل کے کنارے پہنچ گئے تھے...... طغرل بیگ اردو نہیں بول سکتا تھا...... عمران نے اس دوران روسی زبان کے کچھ الفاظ سیکھ لئے تھے، چنانچہ طغرل بیگ کو کچھ اشاروں میں اور کچھ روسی الفاظ بول کر اپنا مطلب سمجھا دیتا تھا...... جنگل میں انہوں نے ایک جگہ آگ روشن کر کے چائے بنائی جو انہوں نے گھی میں پکائی ہوئی خشک میٹھی روٹی کے ساتھ پی...... برف پگھلا کر انہوں نے پینے کا پانی بھی بنا لیا...... تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ان کی ویگن پھر چل پڑی...... طغرل بیگ نے اشاروں سے اسے سمجھایا کہ وہ لوگ ماسکو شہر سے ایک میل دور نکل آئے ہیں...... اس وقت عمران کو احساس ہوا کہ روس کس قدر وسیع و عریض ملک ہے...... جدھر دیکھو برف ہی برف تھی...... برف کے میدان تھے...... برف سے ڈھکے ہوئے چھوٹے چھوٹے جنگل تھے اور ویرانے تھے...... کہیں کوئی کھیت نہیں تھا...... کہیں کوئی آبادی نظر نہیں آتی تھی...... کچھ طغرل بیگ بھی ویگن کو ویران

علاقے سے گزار کر لا رہا تھا۔

یہ سفر دو دن تک جاری رہا...... تیسرے روز دوپہر کے وقت جنگلات کا سلسلہ ختم ہو گیا...... سامنے ویران میدان تھا جو برف سے ڈھکا ہوا تھا...... یہاں سے آگے کوئی ایسا راستہ نہیں تھا جس پر ویگن اپنا سفر جاری رکھ سکتی...... یہاں سے عمران کو استراخان کے چھوٹے سے شہر تک پیدل سفر کرنا تھا...... طغرل بیگ نے نقشہ سامنے رکھ کر اشاروں کنایوں میں عمران کو پورا راستہ سمجھا دیا...... آسمان سرمئی دھند میں چھپا ہوا تھا...... دور ایک ٹیلے کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا...... طغرل بیگ نے اس ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے عمران کو سمجھایا کہ اسے اس ٹیلے کی جانب سفر کرنا ہے اور آگے میدانوں میں شمال مغرب کی طرف چلتے جانا ہے...... عمران خود بھی سمجھدار تھا اور نقشہ بھی اس کے پاس تھا...... وہاں انہوں نے آگ جلا کر میٹھی روٹی چائے کے ساتھ کھائی...... اس کے بعد طغرل بیگ عمران سے گلے لگ کر ملا اور فی امان اللہ، فی امان اللہ کہہ کر ویگن میں بیٹھ کر واپس چلا گیا...... عمران کچھ دیر وہیں بجھی ہوئی آگ کے پاس بیٹھا چائے کے گھونٹ بھرتا رہا...... اس نے پورا گرم لباس پہن رکھا تھا...... پاؤں میں چمڑے کے لمبے بوٹ تھے...... اسے صرف اپنے ہاتھوں اور چہرے پر شدید سردی کا احساس ہو رہا تھا...... باقی جسم کو گرم کپڑوں نے ڈھانپ رکھا تھا...... اس نے تھیلا کاندھے پر ڈالا اور اللہ کا نام لے کر دور نظر آنے والے ٹیلے کی جانب سفر شروع کر دیا۔

تاتاری بزرگ نے اسے ہدایت کی تھی کہ صرف چار گھنٹے روز پیدل سفر کرے...... برف میں زیادہ دیر تک سفر کرنے سے آدمی کی آدھی طاقت ختم ہو جاتی ہے...... عمران نے اپنی رفتار بہت آہستہ رکھی...... ایک درخت کی شاخ توڑ کر اس نے چھڑی بنالی تھی جس کو ٹیک کر وہ قدم قدم برف میں چل رہا تھا...... چار گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ٹیلے تک پہنچ گیا...... اس کے پاس کوئی گھڑی نہیں تھی...... وہ اندازے سے

چل رہا تھا...... ٹیلے تک پہنچتے پہنچتے وہ کافی تھک گیا تھا...... وہ ٹیلے کی اوٹ میں ایک جگہ برف صاف کر کے بیٹھ گیا...... اس کا ارادہ وہیں رات بسر کرنے کا تھا...... شام ہو رہی تھی، برفیلی ہوا چلنی بند ہو گئی تھی...... جب چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا گیا تو عمران نے ادھر ادھر سے برف کھود کر سوکھی شاخیں تلاش کر کے آگ جلائی، مگ میں برف ڈال کر پانی بنا کر پیا...... پھر چائے بنائی اور خشک گھی والی روٹی گرم کر کے چائے کے ساتھ کھائی...... اس روٹی سے اسے کافی طاقت مل جاتی تھی...... بزرگ تاتاری نے اسے کہا تھا کہ برف میں جگہ بنا کر سو جانا...... برف تمہیں گرم رکھے گی...... اس نے ایسا ہی کیا...... ٹیلے کی دیوار کے پاس اس نے برف ہٹا کر ایک شگاف سا بنا لیا اور اس میں سمٹ کر لیٹ گیا...... اس کے نیچے بھی برف تھی اور اوپر بھی برف تھی مگر اسے سردی نہیں لگ رہی تھی...... ساری رات وہ آرام سے نہ سو سکا...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ کھل جاتی تھی...... اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ پولیس کی کوئی گشتی پارٹی اسے گرفتار نہ کر لے...... کسی نہ کسی طرح رات گزر گئی...... دوسرے دن صبح اٹھ کر اس نے آگ جلائی...... چائے بنا کر خشک روٹی کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے پی۔

کچھ دیر آرام کیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اسی طرح سفر کرتے کرتے چار دن گزر گئے...... چوتھے روز شام کے وقت اسے برفانی میدان میں دور کچھ روشنیاں جھلملاتی دکھائی دیں...... یقیناً یہ استراخان کا شہر ہی تھا...... دن کے وقت وہ سورج کے طلوع کا حساب رکھ کر شمال مغرب کی جانب ہی سفر کرتا رہا تھا۔ وہ ان روشنیوں کی طرف چل پڑا...... ماسکو سے چلتے وقت تاتاری بزرگ نے اسے ڈیڑھ سو روبل دیئے تھے اور کہا تھا کہ استراخان سے تاتارستان کے سرحدی شہر تک تمہارا ریل کا کرایہ ساٹھ ستر روبل لگے گا...... باقی آگے تمہارے کام آئیں گے...... یہ روبل عمران نے اپنی جیب میں رکھے ہوئے تھے...... شام کا اندھیرا پوری طرح نہیں چھایا تھا کہ عمران روشنیوں والے شہر میں پہنچ گیا۔

یہ استراخان کا شہر ہی تھا...... بڑا مختصر اور خاموش شہر تھا...... سڑکیں ور دکانوں، مکانوں کے چھجے برف سے ڈھکے ہوئے تھے...... عمران نے ایک چھوٹے سے دکان نما ریستوران میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور قہوہ پیا...... ریستوران کے مالک سے ں نے استراخان سے تاتارستان جانے والی ریل گاڑی کے بارے میں پوچھا...... ریستوران کا مالک ازبک یا تاجیک تھا اور فارسی بولتا تھا...... عمران فارسی تو بول نہیں تا تھا مگر اس کو اپنا مطلب سمجھانا زیادہ مشکل نہیں تھا...... ریستوران کے مالک کی انی پتہ چلا کہ استراخان سے ایک گاڑی پانچ بجے روزانہ جاتی ہے...... معلوم ہوا کہ روز والی گاڑی جا چکی تھی اور اب دوسرے دن تیسرے پہر پانچ بجے گاڑی جائے ...... استراخان میں ایک گھٹیا درجے کا سرائے نما ہوٹل تھا...... عمران نے یہاں کوٹھڑی نما کمرہ کرائے پر لے کر غسل کیا اور رات کا کھانا کھانے ازبک یا تاجیک ریستوران میں آ گیا...... گرم پانی سے نہانے کے بعد اس کی تھکان بہت حد تک اتر گئی تھی اور وہ کچھ تازہ دم ہو گیا تھا...... وہ ریستوران میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا تو اسے محسوس وا کہ وہ کسی کی نظروں میں آ چکا ہے۔

ایک گھنی مونچھوں والا تنومند آدمی پوستین کا لمبا کوٹ پہنے سر پر سموری ٹوپی کھے ریستوران میں ایک طرف بیٹھا قہوہ پی رہا تھا...... ایک دو بار عمران نے اس کی ف دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ پہلے ہی سے اسے دیکھ رہا تھا...... عمران خبردار گیا...... پہلے تو اس نے زیادہ خیال نہ کیا لیکن جب اس کے ریستوران سے باہر نکلنے بعد وہ سموری ٹوپی اور گھنی مونچھوں والا آدمی بھی قہوے کی پیالی میز پر رکھ کر اس پیچھے پیچھے ریستوران سے باہر نکل آیا تو عمران سمجھ گیا کہ یہ انٹیلی جنس کا آدمی ہے سے عمران پر شک پڑ گیا ہے...... عمران ویسے بھی اس شہر میں اجنبی تھا اور شکل سے یا تاجیک یا ازبک قوم کا آدمی نہیں لگتا تھا، چنانچہ وہ انٹیلی جنس والوں کی نظروں

میں آسکتا تھا اور روس کے ہر شہر میں انٹیلی جنس والے مکھیوں کی طرح بھنبھناتے پھرتے تھے۔

عمران نے سوچ لیا کہ اگر اس نے اردو یا انگریزی میں اس سے کچھ پوچھا تو وہ کیا جواب دے گا...... وہ برف پوش سڑک پر خاموشی سے اپنے ہوٹل کی طرف چلا جا رہا تھا...... ہوٹل کے پاس آکر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا...... اسے سموری ٹوپی والا کہیں دکھائی نہ دیا...... عمران سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کا اپنا وہم ہو اور وہ شخص ویسے ہی اس کو تک رہا ہو کہ یہ آدمی استراخان کا نہیں لگتا، پھر کس شہر، کس ملک کا رہنے والا ہے۔

عمران کی پریشانی کسی حد تک دور ہو گئی۔

ہوٹل کے کوٹھڑی نما کمرے میں آکر وہ فرشی بستر پر پرانا اور بھاری لحاف اوڑھ کر بیٹھ گیا...... اس نے بیٹھنے سے پہلے یہ کام کیا کہ اس کی جیب میں جو تاتاری بزرگ کا دیا ہوا نقشہ تھا وہ اس نے جیب سے نکال کر فرش پر جو گھسا پٹا قالین بچھا ہوا تھا اس کا کونہ اٹھا کر اندر چھپا دیا...... نقشے سے اس پر شک پڑ سکتا تھا...... کوٹھڑی نما کمرے میں بلب جل رہا تھا...... عمران نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تھی...... اس نے سوچا کہ اب سو جانا چاہئے...... اس پر چار گھنٹے روزانہ چلنے کے بعد تھکان کی وجہ سے غنودگی سی طاری ہونے لگی تھی...... عمران نے لحاف کے اندر ٹانگیں پھیلا دیں اور آنکھیں بند کر لیں...... اسے خیال آیا کہ اس نے کمرے کی بتی نہیں بجھائی، اس کا اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا...... سوچا بتی جلتی ہی رہنے دی جائے...... عمران نے آنکھیں بند کر لیں...... نیند کی پہلی غنودگی اس پر طاری ہو چکی تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے...... پہلے اس نے اسے خواب کی آواز سمجھا، لیکن جب باہر سے کسی نے زور سے دروازے پر دو چار ہاتھ مارے تو عمران دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا...... سمجھ گیا کہ باہر سوائے سموری ٹوپی والے کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس کوٹھڑی نما کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی، ورنہ وہ اس میں سے باہر کود گیا ہوتا...... دروازے کو اب زیادہ زور سے کھٹکھٹایا جا رہا تھا...... عمران نے اٹھ کر کنڈی اتاری تو باہر سے دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا گیا...... کمرے کے بلب کی روشنی باہر پڑی تو عمران نے دیکھا کہ وہی سموری ٹوپی والا آدمی کھڑا تھا...... اس کی دائیں بائیں دو سپاہی بھی کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں اور گنوں کا رخ عمران کی طرف تھا...... سموری ٹوپی والا آدمی دھکا دے کر کمرے میں لے گیا اور اردو میں پوچھا۔

"تم پاکستان سے آئے ہو یا انڈیا کے ہو؟"۔

عمران کے منہ سے یونہی نکل گیا...... "میں انڈیا سے آیا ہوں...... میں ٹورسٹ ہوں" حالانکہ اس کے پاس کوئی پاسپورٹ ویزا وغیرہ نہیں تھا...... سموری ٹوپی والے نے کہا۔

"پاسپورٹ دکھاؤ"۔

عمران نے کہا۔

"میرا پاسپورٹ میرے ساتھی ٹورسٹ کے پاس ہے وہ پیچھے رہ گیا ہے...... کل تک یہاں پہنچ جائے گا"۔

سموری ٹوپی والے نے دونوں سپاہیوں کی طرف دیکھ کر روسی زبان میں کچھ کہا، جس پر دونوں سپاہی آگے بڑھے اور عمران کے ہاتھ زبردستی پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی...... پھر انہوں نے کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی...... ایک سپاہی نے قالین کے کونے کو اوپر اٹھایا تو نیچے سے نقشہ نکل آیا...... اس نے نقشہ سموری ٹوپی والے کو دے کر اپنی زبان میں کچھ کہا...... سموری ٹوپی والے نے غور سے نقشے کو دیکھا اور پھر چیخ کر کچھ کہا اور عمران کے منہ پر زور سے تھپڑ مار کر سپاہیوں کو کچھ آرڈر دیا...... سپاہی عمران کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے ہوٹل سے باہر لے آئے...... باہر ایک خستہ حال جیپ کھڑی تھی...... اسے جیپ میں دھکیل دیا گیا...... دونوں سپاہی عمران کے دائیں بائیں

بیٹھ گئے...... سموری ٹوپی والا اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا اور مسلسل اسے گھور کر دیکھتا رہا...... جیپ استراخان کے نیم روشن بازاروں میں سے گزرتی ہوئی ایک پولیس سٹیشن کے احاطے میں جا کر رک گئی۔

یہاں ایک خونخوار سفید ریچھ کی شکل والا تھانیدار بیٹھا سگار پی رہا تھا...... سپاہیوں نے سلیوٹ کر کے عمران کو اس کے آگے پیش کر دیا...... سموری ٹوپی والے نے نقشہ تھانیدار کے سامنے میز پر رکھ کر اس سے اپنی زبان میں گفتگو کرنے لگا...... گفتگو کے دوران وہ بار بار عمران کی طرف اشارہ کر دیتا تھا...... تھانیدار اٹھ کر عمران کے سامنے آ گیا...... عمران کو فرش پر بٹھایا گیا تھا...... تھانیدار نے عمران کو اٹھنے کا اشارہ کیا...... عمران اٹھ کھڑا ہوا...... اس نے سپاہی کو کچھ کہا...... سپاہی عمران کی تلاشی لینے لگا...... اس کی جیب سے روسی کرنسی کے ایک سو بیس روبل نکلے...... دس روبل کا اس نے ریستوران سے کھانا کھایا تھا اور بیس روبل اس نے ہوٹل والے کو کمرے کا کرایہ ادا کیا تھا...... انہوں نے سارے روبل نکال لئے...... یہ سفید ریچھ کی شکل والا تھانیدار اردو نہیں جانتا تھا...... سموری ٹوپی والا آدمی جس نے اسے گرفتار کرایا تھا انٹیلی جنس کا آدمی تھا اور فارسی اور اردو بول لیتا تھا...... اس نے تھانیدار کے سامنے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی...... انہوں نے اس کی پتلون اتروا کر یہ دیکھ لیا تھا یہ مسلمان ہے...... روسی مسلمانوں کے ویسے ہی سخت دشمن ہوتے ہیں...... اس نے کہا۔

"ہمیں معلوم ہے تم پاکستانی ایجنٹ ہو...... یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھی کہاں کہاں پر ہیں اور تم کس مشن پر روس آئے تھے"۔

اس کے تمام سوالوں کے جواب میں عمران نے یہی کہا۔

"میں پاکستانی نہیں ہوں...... انڈین مسلمان ہوں...... ٹورسٹ ہوں...... میرے ساتھی میرے پیچھے آ رہے ہیں"۔

ساری رات عمران کو تھانے میں رکھا گیا...... اس پر تشدد بھی کیا گیا، لیکن عمران نے اپنا بیان نہ بدلا...... صبح صبح اسے ہتھکڑی لگا کر ایک بڑے ٹرک میں ڈالا...... سموری ٹوپی والا انٹیلی جنس افسر اور چھ سات مسلح سپاہی بیٹھ گئے اور ٹرک ایک طرف چل پڑا...... یہ ٹرک تین دن تک چلتا رہا...... اس کے بعد کسی شہر کا نواحی علاقہ شروع ہو گیا...... اس دوران عمران کو ہتھکڑی سمیت ٹرک کی سیٹ سے باندھے رکھا...... راستے میں صرف اشد ضرورت کے وقت دو سپاہی اس کو کھول کر اپنے ساتھ باہر لے جاتے اور واپس لا کر پھر سیٹ کے ساتھ جکڑ دیتے...... فرار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... سپاہی سٹین گنیں تانے ہر وقت اس کے سر پر موجود رہتے تھے...... عمران نے باہر دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ کوئی بڑا شہر ہے اور بڑا شہر ماسکو ہی ہو سکتا تھا۔

یہ ماسکو کا شہر ہی تھا...... سپاہی عمران کو کے جی بی کی اسی قتل گاہ میں لے آئے جہاں سے وہ فرار ہوا تھا...... کے جی بی کے بھیڑیئے کے چہرے والے افسر نے عمران کو قہر بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس پر مکوں اور ٹھڈوں کی بارش کر دی...... عمران گر پڑا اور اس کے منہ سے خون نکلنے لگا...... اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا...... ساری رات عمران لکڑی کے تختے پر پڑا کراہتا رہا...... دوسرے روز اسے کے جی بی کی اس عمارت یعنی ٹارچر ہاؤس کے اندر ہی ایک عدالت کے سامنے پیش کر دیا گیا...... ایک میز کے پیچھے بڑی بڑی مونچھوں اور اونچی سموری ٹوپی والا افسر بیٹھا تھا...... کے جی بی کے بھیڑیئے کی شکل والے افسر نے روسی زبان میں عمران پر لگائی گئی فرد جرم پڑھ کر سنائی...... عدالت کا جج بڑے غور سے سنتا رہا...... جب فرد جرم پڑھی جا چکی تو جج نے ایک کاغذ سامنے رکھا جس پر عمران کی قسمت کا فیصلہ پہلے ہی سے لکھ کر رکھا ہوا تھا......

یہ فیصلہ غلط ملط انگریزی میں تھا...... جس کا مطلب تھا کہ تمہیں روس میں پاکستانی ایجنٹ کی حیثیت سے داخل ہونے کے جرم میں عمر قید کی سزا دی جاتی ہے...... یہ سزا تمہیں سائبیریا کے مشقتی کیمپ میں کاٹنی ہو گی اور اس فیصلے کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی

جاسکے گی۔

اور جج نے کاغذ پر زور سے مہر لگائی اور اٹھ کر پچھلے کمرے میں چلا گیا...... فیصلے کا اعلان ہوتے ہی عمران کو ہتھکڑی لگا کر پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور اسے چلاتے ہوئے لے جا کر حوالات میں بند کر دیا گیا جس کے آہنی سلاخوں والے دروازے کے باہر دو مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے...... عمران کا چہرہ اتر گیا تھا...... وہ سمجھ گیا کہ اسے جس جگہ بھیجا جا رہا ہے وہاں سے فرار ہونا ناممکن ہے...... سائبیریا کے مشقتی کیمپوں کے بارے میں عمران نے بڑی ہولناک کہانیاں پڑھ رکھی تھیں...... سائبیریا روس کے شمال کا برف پوش ویران علاقہ ہے جو ہزاروں مربع میل میں پھیلا ہوا ہے اور جو اوپر قطب شمالی سے جا کر مل جاتا ہے اور جو سارا سال برف میں دبا رہتا ہے...... سائبیریا کو روس کا کھلا قید خانہ بھی کہا جاتا ہے...... روس کے زار اپنے مخالفوں کو سائبیریا بھیج دیا کرتے تھے جہاں ان کی لاشوں کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا تھا...... اب بھی روس کی حکومت اپنے سیاسی مخالفین کو اور جرائم پیشہ افراد کو سائبیریا بھیج دیتی ہے...... روس کی حکومت دعویٰ سے کہتی ہے کہ سائبیریا سے کبھی کوئی قیدی بھاگ کر زندہ نہیں بچا...... برف اسے راستے میں ہی ختم کر دیتی ہے...... سائبیریا کے برف پوش جنگل اور ویرانے اور چٹانیں بھاگنے والے کو آہستہ آہستہ موت کی نیند سلا دیتی ہیں...... مفرور قیدی یا تو بھوک کی وجہ سے دم توڑ دیتا ہے اور یا اسے سائبیریا کے برف پوش علاقے کے سفید ریچھ چیر پھاڑ دیتے ہیں...... اس خطے میں ہر وقت برف کے طوفان چلتے رہتے ہیں اور سردی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ پارہ نقطہ انجماد سے چالیس ڈگری تک گر جاتا ہے۔

کے جی بی کی خود ساختہ عدالت کے فیصلے کے دوسرے ہی دن عمران کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ ایک مال گاڑی کے بند ڈبے میں ٹھونس دیا گیا اور گاڑی سائبیریا کی طرف روانہ ہو گئی...... ایک لمحے کے لئے عمران کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے ملک پاکستان،

اپنے گھر والوں، اپنے دوستوں اور اپنے ماضی سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا ہے۔ وہاں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا...... اس فیصلے کے خلاف کوئی اپیل دائر نہیں کی جا سکتی تھی...... وہ مال گاڑی کے بند ڈبے میں گائے بھینسوں کی طرح دوسرے قیدیوں کے درمیان ایسے بیٹھا تھا جیسے اسے پھانسی گھر کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

قیدیوں میں جرمن اور روسی قیدی بھی تھے...... ان قیدیوں نے تین ہزار میل کا فاصلہ مال گاڑی کے بند ڈبے میں مال مویشیوں کی طرح طے کیا...... جب ٹرین تین ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے آرکٹک پہنچی تو سینکڑوں قیدی حبس اور بھوک پیاس سے مر چکے تھے...... ان کی لاشوں کو وہیں ٹرین سے اتار کر ایک گڑھے میں دفن کر دیا گیا...... یہاں سے قیدیوں کا پیدل سفر شروع ہوا...... چار دن تک قیدیوں کو برف پوش ویرانے میں پیدل چلایا گیا...... پولیس کے سپاہی گھوڑوں پر سوار قیدیوں کی نگرانی کرتے رہے...... قیدیوں کے پیروں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں...... اس سفر میں بھی کئی قیدی راستے میں ہی مر گئے...... پانچویں روز یہ بدحال قافلہ بورگ کے مشقتی کیمپ میں پہنچ گیا...... دوسرے قیدیوں کے ساتھ عمران کے بھی چیتھڑے لٹکنے لگے تھے اور چہرے ایسے ہو گئے تھے جیسے کئی روز سے انہیں کھانے کو کچھ نہ ملا ہو...... کیمپ کے چاروں طرف اونچی دیوار کا احاطہ تھا...... ہر کونے میں ایک واچ ٹاور جس میں بہت بڑی سرخ لائٹ لگی تھی اور سپاہی مشین گن کا مورچہ جمائے بیٹھے تھے...... کیمپ کے بڑے پھاٹک کے قریب چاروں جانب قیدیوں کی لمبی لمبی بارکیں بنی ہوئی تھیں جن کی چھتیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں...... وسط میں ایک کھلا میدان تھا...... پھاٹک کے دائیں جانب پولیس والوں کے کوارٹرز، کچن، سٹور اور مشقتی کیمپ کے عملے کے دفاتر بنے ہوئے تھے...... کیمپ سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل تھا...... کیمپ کی چار دیواری کے باہر پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر خاردار تاروں کی ایک چار دیواری بنی ہوئی تھی...... یہاں دن رات پولیس کے سپاہی سدھائے ہوئے خون آشام کتوں کے ساتھ گشت

لگاتے رہتے تھے...... کیمپ کے چیف کا نام شاکوف تھا جو شکل ہی سے جلاد لگتا تھا۔

قیدیوں کو صبح سویرے سپاہیوں کے پہرے میں تین میل پیدل چلا کر جنگل میں لے جایا جاتا جہاں وہ سارا دن بڑے بڑے پرانے اور تناور درختوں کو کاٹتے رہتے...... شام کو چھ بجے قیدیوں کو مسلح پہرے میں واپس کیمپ میں لایا جاتا...... قیدیوں کی بارکوں میں آہنی چولہے بنے ہوئے تھے جن میں صرف رات کو آگ جلائی جاتی تھی تاکہ خون کو منجمد کرنے والی سردی سے کسی حد تک نجات مل سکے۔

دن کے وقت قیدیوں کو ایک روٹی ملتی جسے وہ قہوے کے ساتھ کھاتے...... دوپہر کو پتلے شوربے کے ساتھ کھانے کو ایک ایک روٹی ملتی...... رات کو بھی قہوے کے ساتھ ایک روٹی دی جاتی...... ہر قیدی کو تھوڑی سی رقم شام کو معاوضے کے طور پر مل جاتی، جس سے قیدی سٹور میں سے سگریٹ وغیرہ خریدتے...... سگریٹ کو کیمپ میں بڑی اہمیت حاصل تھی...... عمران چونکہ سگریٹ نہیں پیتا تھا اس لئے اسے اس کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

اس مشقتی کیمپ کے ساتھ ہی ایک اور کیمپ تھا جس کی بارکیں اپنے قیدیوں کے انتظار میں خالی پڑی تھیں...... عمران کو مشقتی کیمپ میں قید ہوئے دوسرا مہینہ جا رہا تھا کہ ساتھ والے خالی کیمپ میں قیدی عورتوں کو لایا گیا...... ان عورتوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی...... ان عورتوں میں زیادہ تر روسی عورتیں تھیں...... ان عورتوں کو دو حلقوں میں بانٹ دیا گیا تھا...... ایک حصے میں عام قسم کی جرائم پیشہ عورتیں تھیں...... ان جرائم پیشہ عورتوں میں زیادہ تر طوائفیں، چوری کرنے والی، نشہ کرنے والی عورتیں تھیں...... وہ منہ پھاڑ کر بولتی تھیں اور مرد قیدیوں کو اشارے کر کے اپنی طرف بلاتیں اور فحش حرکتیں کرتی تھیں...... قیدی عورتوں کے دوسرے حلقے میں وہ عورتیں تھیں جنہیں سیاسی اور نظریاتی اختلاف کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا...... ان میں اچھے گھرانوں کی پڑھی لکھی عورتیں بھی تھیں...... صحافی اور دانشور عورتیں بھی تھیں...... یہ کوئی غیر شائستہ حرکات نہیں کرتی تھیں...... ہفتے کی شام کو دونوں کیمپوں کے درمیان کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا...... مرد قیدیوں اور قیدی عورتوں کو اجازت ہوتی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے آزادانہ میل جول کر سکتی ہیں...... جرائم پیشہ عورتیں مرد قیدیوں کی بارکوں میں آ کر اپنی اپنی پسند کے قیدی چن لیتیں اور پھر ان کے ساتھ ویرانے کھدروں میں بیٹھ کر پیار محبت کی باتیں کرتیں...... سیاسی قیدی عورتیں اپنی بارک میں ہی رہتیں اور بہت کم باہر نکلتیں...... مرد قیدی ان کی بارک میں جا کر ان سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے مگر وہ ان سے سرد مہری سے پیش آتی تھیں...... ساری رات قیدی مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے پیار محبت کرتیں...... صبح صبح عورتیں اور مرد اپنے اپنے کیمپوں میں واپس آ جاتے اور درمیان والا دروازہ مقفل کر دیا جاتا۔

کبھی کبھی عمران بھی ہفتے کی شام کو قیدی عورتوں کے کیمپ میں جاتا مگر وہ دور بیٹھا سیاسی قیدی عورتوں کو دور سے دیکھتا رہتا اور سوچتا کہ نہ جانے یہ پڑھی لکھی شائستہ عورتیں اس کیمپ میں ساری زندگی کیسے گزاریں گی اور جرائم پیشہ عورتوں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی شائستگی اور شرافت کب تک برقرار رکھ سکیں گی...... ان لمحات میں سیاسی قیدی عورتیں زیادہ تر اپنی بارک کے اندر ہی رہتی تھیں...... کبھی کبھی کوئی عورت بارک سے نکل کر بارک کی دیوار کے آگے ٹہلنے لگتی تھی...... لباس ان کا بھی قیدی عورتوں والا تھا...... یعنی پرانے بند گلے والے سویٹر کے اوپر روئی دار گرم جیکٹ، سر پر کانوں کو ڈھانپنے والی کسی جانور کی کھال کی ٹوپی اور پاؤں میں گھٹنوں تک چمڑے کے پھٹے پرانے بوٹ...... ایسی ہی وردی مرد قیدیوں نے بھی پہن رکھی تھی۔

ایک روز ہفتے کی شام کو عمران نے دیکھا کہ ایک سیاسی قیدی عورت اپنی بارک کے باہر ایک شکستہ سٹول پر چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی...... کسی کسی وقت وہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیتی تھی اور پھر سر جھکا کر گہری سوچ میں گم ہو جاتی تھی......

مرد قیدی جرائم پیشہ قیدی عورتوں کے پاس بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے......
سیاسی قیدی عورت نے ایک دو بار نگاہیں اٹھا کر عمران کو بھی دیکھا تھا، کیونکہ عمران بھی باقی تمام قیدیوں سے الگ تھلگ بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ کوئی واہیات قسم کی عورت نہیں تھی...... عمران کو یہ عورت اچھی لگی...... اس کا جی چاہا کہ وہ اس عورت کے پاس جا کر اس سے کوئی بات کرے...... عمران نے روسی مصنف اور افسانہ نگار چیخوف کے افسانوں میں اس قسم کی اداسی اور خاموش طبع پڑھی لکھی عورتوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا اور اس قسم کی عورتوں کے کردار نے عمران کو ہمیشہ متاثر کیا تھا...... وہاں کسی عورت سے بات کرنے کی پوری پوری اجازت تھی...... عمران اٹھ کر اس عورت کے پاس چلا گیا...... عورت نے ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر عمران کو دیکھا اور پھر اپنے خیالات میں گم ہو گئی...... عمران سوچنے لگا کہ اس عورت سے کس زبان میں بات کرے...... ظاہر ہے وہ اردو نہیں جانتی ہو گی اور عمران کو روسی زبان نہیں آتی تھی......
یہ عورت نہیں بلکہ بیس اکیس برس کی دبلی پتلی لڑکی تھی جس کی آنکھیں مشرقی عورتوں کی طرح سیاہ تھیں۔

عمران نے بے جھجک انگریزی میں پوچھا۔

"میڈم! تمہارا نام کیا ہے؟ میرا نام عمران ہے اور میں پاکستان کا رہنے والا ہوں...... میں بطور ٹورسٹ روس کی سیاحت کرنے آیا تھا کہ کے جی بی والوں نے مجھے جاسوس ہونے کے شبے میں پکڑ لیا اور ساری عمر کے لئے سائبیریا بھیج دیا...... میں پاکستان کے ایک کالج میں پروفیسر تھا"۔

عمران کی گفتگو نے لڑکی کو کسی حد تک متاثر کیا تھا...... لڑکی کو محسوس ہوا کہ اس کے سامنے ایک پڑھا لکھا اور شائستہ نوجوان کھڑا ہے...... اس کے چہرے پر ایک اداس تبسم کی لہر ابھر کر غائب ہو گئی...... اس نے انگریزی میں جواب دیا۔

"میرا نام پولینا ہے...... میں لینن گراڈ یونیورسٹی میں اردو کی لیکچرار تھی...... مجھے میرے سیاسی نظریات کی بناء پر گرفتار کر کے سائبیریا بھیج دیا گیا"۔

عمران نے بے اختیار ہاتھ آگے بڑھا کر پولینا کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا اور اردو میں کہا۔

"محترمہ! میں بھی پاکستان کے ایک کالج میں اردو ہی کا پروفیسر تھا...... آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

پولینا تھوڑا سا مسکرائی اور اردو میں کہا۔

"مسٹر عمران! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی...... میں نے اردو زبان ماسکو یونیورسٹی کے ایک انڈین پروفیسر سے سیکھی تھی...... لینن گراڈ یونیورسٹی میں میری کلاس میں بارہ روسی سٹوڈنٹ مجھ سے اردو سیکھ رہے تھے"۔

پولینا سٹول سے اٹھ کر عمران کے ساتھ بارک کے برآمدے میں ٹہلنے لگی......
چونکہ دونوں اردو میں بات چیت کر سکتے تھے اس لئے دونوں بہت جلد ایک دوسرے کے مزاج اور ایک دوسرے کی پسند ناپسند سے واقف ہو گئے...... عمران نے اسے بتایا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں...... پولینا نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے بھی شادی نہیں کی...... میں نے اپنی زندگی پڑھنے لکھنے کے لئے وقف کر رکھی تھی لیکن میری بدقسمتی کہ میرے سیاسی نظریات یلسن حکومت کو پسند نہیں تھے...... میں نے یونیورسٹی کے میگزین میں دو تین مضمون روسی زبان میں لکھے تھے جن میں یلسن حکومت اور خود صدر یلسن کی آمریت پسندانہ پالیسی پر سخت تنقید کی تھی...... چنانچہ ایک روز مجھے کے جی بی والوں نے گرفتار کر لیا...... یہ تو تم بھی جانتے ہو گے کہ روس میں آزادی فکر نہ ہونے کے برابر ہیں...... لوگ یا تو حکومت کی تعریف کرتے ہیں اور یا پھر خاموش رہتے ہیں...... میرا قصور یہ تھا کہ میں خاموش نہیں رہ سکتی تھی"۔

پولینا سے مل کر اور اس سے باتیں کر کے عمران جس ذہنی دباؤ کا شکار تھا وہ کافی حد

تک دور ہو گیا...... پولینا سے رخصت ہوتے وقت عمران نے بڑی گرم جوشی سے پولینا سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"اگلے ہفتے کی شام کو میں پھر آؤں گا...... تم مجھے ملو گی ناں؟"۔

پولینا نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گی"۔

سارا ہفتہ عمران نے بڑا ہلکا پھلکا ہو کر گزارا...... اب اسے جنگل کے درختوں کو کاٹنے سے اتنی تھکان اور بوریت محسوس نہیں ہوتی تھی...... اسے پولینا سے عشق ہو گیا تھا یا محبت ہو گئی تھی؟ یہ عمران کے لئے دور از کار قسم کی باتیں تھیں...... اتنا ضرور تھا کہ پولینا سے دوستی کرنے کے بعد اس کے ذہن کو ایک قسم کا سکون سا مل گیا تھا...... وہ ساری عمر سائبیریا کے مشقتی کیمپ میں نہیں گزار سکتا تھا...... یہ تو اس نے دل میں فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ وہ موقع ملتے ہی وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا...... وہ صرف ماحول کا جائزہ لے رہا تھا، لیکن پولینا سے ملنے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ کیمپ سے فرار ہونے تک وہ جتنی دیر کیمپ میں رہے گا اسے خانکاہ مشقت کے ساتھ ساتھ خوشی اور مسرت کا احساس بھی ہوتا رہے گا اور یہ بڑی غنیمت تھی۔

دوسرے ہفتے شام سے ذرا پہلے مردوں اور عورتوں کے کیمپ کے درمیان والا دروازہ کھلتے ہی عمران عورتوں کے کیمپ میں چلا گیا...... پولینا بارک کے برآمدے کے باہر پچھلے ہفتے کی طرح سٹول پر بیٹھی عمران کا انتظار کر رہی تھی...... عمران کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی...... دونوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا اور برآمدے میں ٹہلنے اور باتیں کرنے لگے...... اسی طرح دونوں کو ایک دوسرے سے ملتے جب تین ہفتے گزر گئے تو ایک روز شام کے وقت جب عمران اور پولینا بارک کے برآمدے میں ٹہل رہے تھے تو پولینا نے اچانک عمران سے پوچھا۔

"کیا تمہارے دل میں کبھی یہاں سے فرار ہونے کا خیال آیا ہے؟"۔

اس سوال پر عمران ٹھٹھک سا گیا...... اس نے فوری طور پر پولینا کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور سوچنے لگا کہ کہیں یہ عورت کیمپ والوں کی ایجنٹ تو نہیں ہے جسے کیمپ کی انتظامیہ نے قیدیوں کی مخبری کرنے کے لئے کیمپ میں ڈال دیا ہو؟ اس سے پہلے ران کو ایک تجربہ ہو چکا تھا...... جیلوں میں جہاں باغی قسم کے خطرناک سیاسی قیدی بند وں وہاں جیل کے حکام قیدیوں کے دل کا حال معلوم کرنے کے لئے اپنے کسی ایجنٹ قیدی بنا کر قیدیوں میں چھوڑ دیتے ہیں جو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ن کون سے قیدی جیل توڑ کر فرار ہونے کی سکیم بنا رہے ہیں...... پولینا نے جب وسری بار اپنا سوال دہرایا تو عمران بولا۔

"فرار کے بارے میں سوچنا بیکار ہے، کیونکہ سائبیریا کے کسی مشقتی کیمپ سے رار ناممکن ہے اور پھر اگر کوئی قیدی فرار ہوا بھی ہے تو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ کا...... راستے میں ہی سائبیریا کے برف پوش وسیع و عریض میدانوں میں ٹھٹھر کر ر گیا ہے"۔

پولینا نے کہا۔

"سائبیریا کے برف پوش میدانوں میں وہ مفرور قیدی سردی میں ٹھٹھر کر ر جاتے ہیں جو اناڑی ہوتے ہیں، جو سائبیریا کے برف پوش علاقے سے واقف نہیں ہوتے اور غلط راستے پر چل کر برف کے صحرا میں بھٹک جاتے ہیں، لیکن جو اس علاقے کے جغرافیے کو بخوبی جانتے ہیں وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں...... مجھے سائبیریا کے تمام راستوں کا علم ہے اور میرے ذہن میں فرار کی ایک سکیم بھی ہے، یونکہ میں اپنی قیمتی زندگی اس پاگل خانے میں بسر نہیں کر سکتی"۔

"کیا مجھے بتاؤ گی کہ فرار کی سکیم جو تمہارے ذہن میں ہے کیا ہے؟"۔

پولینا نے پوچھا۔

"کیا تم میرے ساتھ فرار ہونے کے لئے تیار ہو؟"۔

عمران کو کہنا ہی پڑا۔

"ہاں..... میں تیار ہوں"۔

"تو پھر....." پولینا بولی....."جس روز فرار ہونا ہو گا اس سے ایک دن پہلے بتاؤں گی..... معاف کرنا عمران..... دو تین ہفتوں کی دوستی میں میں تم پر اتنا اعتماد نہیں کر سکتی..... ابھی تمہیں کچھ اور آزمالوں"۔

عمران نے دل میں کہا کہ یہ عورت اتنی بھولی بھالی بھی نہیں ہے جتنی میں اسے سمجھ رہا تھا، لیکن ایسی کوئی حیرانی کی بات بھی نہیں تھی، وہ جس قسم کے حالات کا شکار تھی اسے ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

عمران کو پولینا کی دوستی کا ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اس کی مشقت کی کلفت کم ہو گئی تھی..... یہ خیال کہ ہفتے کے دن اس کی ملاقات ایک پڑھی لکھی خاتون سے ہو گی جس کے پاس بیٹھ کر وہ اردو اور روسی لٹریچر کی بات چیت کر سکتا ہے..... اس کو خوشی عطاء کرتا تھا..... عمران نے پولینا کے فرار کی سکیم کو زیادہ اہمیت نہ دی اور اپنے طور پر فرار کے طریقوں پر غور کرنے لگا۔

ایک بات واضح طور پر عیاں تھی کہ اسے سائبیریا کے اس مشقتی کیمپ سے پیدل ہی فرار ہونا پڑے گا، کیونکہ وہاں سواری کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، نہ کوئی ٹرین چلتی تھی..... نہ کوئی ویگن چلتی تھی..... کیمپ کے عملے کی ہر پندرہ دن کے بعد سپلائی لے کر ایک ٹرک آتا تھا جو راتوں رات سپلائی دے کر واپس چلا جاتا تھا..... اس دوران ٹرک کیمپ کے آفس کے سامنے کھڑا رہتا تھا جہاں پولیس کا چوبیں گھنٹے پہرہ لگا ہوا تھا..... سائبیریا کے برفانی علاقے میں ایسی پھسلنی گاڑیاں چلتی تھیں جنہیں یا تو رینڈیئر اور دس بارہ کتے مل کر کھینچتے تھے..... ایسی ایک کتا گاڑی مہینے کی پہلی دوسری تاریخ کو سرکاری ڈاک لے کر آتی تھی..... ان کے علاوہ کیمپ کے آس پاس کبھی کوئی ٹرین ری یا کتا گاڑی دیکھنے میں نہیں آتی تھی..... عمران نے سب معلوم کر لیا تھا کہ فرار ونے کے بعد اسے وہاں سے کس سمت کو جانا ہو گا اور کس طرف کا رخ نہیں کرنا وگا..... سائبیریا کے جس علاقے میں ان کا مشقتی کیمپ یا جیل خانہ تھا وہاں سے قریبی ک ایران ہی تھا جس کی سرحد وہاں سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھی اور یہ سارا سفر سے پیدل طے کرنا تھا..... قیدیوں میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ سائبیریا کے ں لیبر کیمپ سے آج تک کبھی کوئی فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا..... اگر فرار ہوا ھی ہے تو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکا اور راستے میں ہی برفانی ہواؤں نے اسے منجمد ر دیا ہے۔

لیکن عمران کو یقین تھا کہ اگر ایک بار وہ اس کیمپ سے فرار ہونے میں کامیاب و گیا تو ملک ایران ضرور پہنچ جائے گا..... مزید ایک مہینہ سوچ بچار میں گزر گیا اور ران کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ اسے کس روز وہاں سے فرار ہونا چاہئے..... فرار ہونے کے لئے کچھ چیزوں کی فراہمی لازمی تھی..... ان میں ایک کمانڈو چاقو اور سموری ٹوپی ر سمور کا کوٹ ضروری تھا..... چاقو اس لئے کہ راستے میں برفانی ریچھ کسی بھی جگہ ملہ آور ہو سکتا تھا..... یا برفانی گیدڑ اس پر حملہ کر سکتے تھے اور خالی ہاتھوں سے وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا..... سمور کی ٹوپی اور سمور کا لمبا کوٹ اس لئے ضروری تھا کہ طب شمالی کی تیز برفانی ہواؤں اور برف کے طوفانوں کا صرف یہی دو چیزیں مقابلہ ر سکتی ہیں..... ان کا مقابلہ صرف عام گرم کوٹ یا چمڑے کی ٹوپی پہن کر نہیں کیا جا سکتا ھا..... اس کے علاوہ خشک خوراک ساتھ لے جانے کی بھی ضرورت تھی..... یہ یزیں کیمپ میں پیدا کرنا ناممکن سی نظر آتی تھیں..... اس کے باوجود عمران اس وشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح سے ان چیزوں کا بندوبست ہو جائے اور وہ وہاں سے رار ہو جائے، کیونکہ وہ ایک عام قیدی نہیں تھا کہ جس کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو..... ں کی زندگی کا ایک نصب العین تھا..... ایک مقصد تھا اور وہ اس مقصد کو لے کر روس

کے تجارتی جہاز میں سوار ہوا تھا...... اپنے مقصد میں وہ کامیاب ضرور ہو گیا تھا مگر یہ کامیابی اس وقت تک ادھوری تھی جب تک کہ وہ راز جو اس نے روس اور ہندوستان کے درمیان طے پائے جانے والے معاہدے کی خفیہ فائل سے اڑایا تھا اور جو اس کے پاس ابھی تک محفوظ تھا...... پاکستان نہیں پہنچایا جاتا...... یہ کام عمران کو اپنی جان دے کر بھی پورا کرنا تھا۔

اس دوران ہر ہفتے اس کی ملاقات پولینا سے ہوتی رہتی تھی...... دونوں کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرتے...... کچھ اپنی زندگی کی جھوٹی سچی باتیں عمران اسے سناتا...... کچھ اپنی زندگی کی باتیں پولینا اسے سناتی...... پولینا نے بتایا کہ اس کے ماں باپ مر چکے ہیں...... وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اور یونیورسٹی کے ہوسٹل میں رہتی تھی...... جب عمران نے اس سے پوچھا کہ تم فرار ہونے کے بعد کہاں جاؤ گی تو وہ بولی۔

"جب تک روس میں بورس یلسن کی حکومت قائم ہے میں روس واپس نہیں آسکتی...... اگر واپس آئی تو کے جی بی مجھے دوبارہ پکڑ لے گی اور اس بار میں جانتی ہوں وہ مجھے سائبیریا نہیں بھیجیں گے بلکہ قید خانے میں ہی مجھے ہلاک کر کے لاش کسی گڑھے میں دفن کر دیں گے...... کے جی بی کے لوگ اس کام کے بڑے ماہر ہیں"۔

"تو پھر تم کہاں جاؤ گی؟" عمران نے پوچھا۔

اس نے ٹہلتے ٹہلتے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ابھی تک میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی کہ اگر روس کے جہنم سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تو کس ملک میں رہوں گی، لیکن خیال ہے کہ لندن چلی جاؤں گی...... انگلستان میں مجھے سیاسی پناہ مل جائے گی...... نہیں تو امریکہ مجھے سیاسی پناہ دے ہی دے گا"۔

عمران نے اس سے یہ نہ پوچھا کہ وہ کیمپ سے کب فرار ہو گی، نہ ہی پولینا نے فرار کے بارے میں مزید کچھ کہا...... اس بات کو دو ہفتے گزر چکے تھے کہ تیسرے ہفتے کی شام

ﻋﻤ‍ران عورتوں کے کیمپ میں پولینا سے ملنے گیا تو وہ کچھ دیر اس سے ادھر ادھر کی باتیں [کر]تی رہی...... پھر بڑی رازداری سے کہنے لگی۔

"پرسوں رات کو میں کیمپ سے فرار ہو رہی ہوں...... کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟ اگر تم نہیں جاؤ گے تو میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی"۔

عمران کے لئے یہ ایک بہت بڑی خوش خبری تھی...... اس نے پوچھا۔

"مگر کیسے فرار ہو گی؟"۔

پولینا نے کہا۔

"تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے...... تم میرے سوال کا جواب دو...... کیا [تم] میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟"۔

عمران نے بے اختیار کہہ دیا۔

"ہاں...... میں تیار ہوں...... لیکن پولینا تمہیں معلوم ہے کہ ہمیں سائبیریا کا کتنا [و]سیع و عریض برفانی صحرا پیدل عبور کرنا ہو گا؟"۔

اس نے کہا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو...... میں تم سے زیادہ جانتی ہوں کہ سائبیریا کے برفانی [صح]راعظم کو کیسے عبور کیا جاتا ہے...... میں اس ملک کی رہنے والی ہوں...... اگر تم میرے ساتھ بھاگنے کے لئے تیار ہو تو پھر پرسوں رات کے دو بجے عورتوں اور مرد قیدیوں کا [درمیا]نودرمیانی دروازہ ہے وہاں آ جانا اور دروازے کو تھوڑا سا دبانا...... دروازہ کھلا ہو گا...... [اس] کے بعد میں تمہیں اسی جگہ ملوں گی جہاں تم مجھے پہلی بار ملے تھے، جب میں [ب]رآمدے کے باہر سٹول پر بیٹھی تھی"۔

عمران نے کہا۔

"میں ضرور آ جاؤں گا"۔

اس روز پولینا نے عمران سے زیادہ بات چیت نہ کی اور عمران واپس اپنی بارک میں

آگیا...... اسے طرح طرح کے خدشات نے گھیر لیا...... پولینا نے اکیلی کیسے اتنا بڑ
پروگرام بنالیا؟ اس کے ذرائع کیا ہو سکتے ہیں؟ اگر وہ پکڑے گئے تو کیمپ کا ریچھ کی
خصلت والا چیف دونوں کو سب قیدیوں کے سامنے گولی مار دے گا...... عمران نے سُن
رکھا تھا کہ اس کے آنے سے ایک ہفتہ پہلے دو قیدیوں نے فرار کی کوشش کی تھی مگر
پکڑے گئے اور کیمپ کے چیف نے خود سٹین گن کا برسٹ مار کر اڑا دیا تھا...... کبھی و
سوچتا کہ اسے پولینا کے ساتھ فرار ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئے...... یہ بے وسیل
سی لڑکی ہے...... عمران نے اسے کبھی کیمپ کے عملے کے کسی آدمی سے بات کرتے
نہیں دیکھا...... پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے کیمپ کا دروازہ اپنے آپ کھل
جائے گا...... دو دن اسی کش مکش میں گزر گئے...... تیسرے دن بھی عمران اسی ذہنی
کش مکش کا شکار رہا، مگر غیر ارادی طور پر ساتھ ساتھ فرار کی چھوٹی چھوٹی تیاری بھی
کرتا رہا...... اس کے چمڑے کے لانگ بوٹ پھٹ گئے تھے...... اس نے کیمپ کے سٹو
روم میں جا کر کسی نہ کسی طرح دوسرے لانگ بوٹ حاصل کر لئے...... مشقت کے
عوض اسے جو تھوڑے بہت پیسے ملتے تھے ان پیسوں سے اس نے سٹور روم میں سے ہی
ایک فالتو ڈبل روٹی، چائے کا ایک پیکٹ اور بسکٹوں کا ایک ڈبہ خرید کر چمڑے کے تھیلے
میں ڈال کر رکھ لیا۔

جیسے جیسے رات قریب آرہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی...... کیا
وہ اس نا تجربہ کار دانشور ٹائپ کی کم سخن لڑکی کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب
ہو جائے گا؟ اس سوال کا اس کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔

رات کو اس نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ مل کر خشک روٹی پتلے شوربے کے
ساتھ کھائی اور ذرا الگ ہو کر دروازے کے پاس لیٹ گیا...... اسے نیند نہیں آرہی
تھی...... کیمپ میں رات کو ہر ایک گھنٹے کے بعد گھنٹہ بجا کر وقت کا اعلان کیا جاتا تھا، اسی
وجہ سے پولینا نے اسے پورے دو بجے رات کو بارک سے نکل پڑنے کے لئے کہا تھا......

عمران کو بالکل نیند نہیں آرہی تھی...... رات کے دس بج گئے...... پھر گیارہ، بارہ بج
گئے...... عمران کی آنکھوں میں نیند غائب تھی...... کیمپ کے گھنٹے نے ایک بجایا......
ایک سے دو بجے تک عمران کا دل برابر تیز تیز دھڑکتا رہا...... اگر اسے اکیلے فرار ہونا ہوتا
تو اس کے دل کو تیز تیز دھڑکنے کی ضرورت نہیں تھی...... وہ پولینا کے ساتھ جاتے
ہوئے ڈر رہا تھا...... اسے پکڑے جانے کی صورت میں موت کا خوف نہیں تھا......
کمانڈو کا کام ہی موت سے کھیلنا ہوتا ہے...... ڈر اسے صرف اس بات کا تھا کہ جس راز کو
اس نے پاکستان کی حکومت کے حوالے کرنا ہے، وہ اس کے حلق کی پاکٹ میں نیگیٹو فلم
ٹیوب کی صورت میں اس کے ساتھ ہی زمین میں دفن ہو جائے گا۔

آخری لمحات میں اس نے سوچا کہ اسے پولینا کے ساتھ فرار ہونے کا خطرہ مول
نہیں لینا چاہئے، لیکن جب کیمپ کے گھڑیال نے دو گھنٹے بجا کر رات کے دو بجنے کا اعلان
کیا تو عمران غیر شعوری طور پر اٹھ کر بیٹھ گیا...... دن بھر کی مشقت کے بعد بارک کے
سارے قیدی بے سدھ ہو کر سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے...... بارک کے
اندر اور باہر کوئی پہریدار نہیں ہوتا تھا...... وہ دبے پاؤں چلتا بارک سے باہر آگیا......
باہر سرد برفانی ہوا نے اس کا استقبال کیا...... کیمپ کا احاطہ برفانی سرد رات کے
اندھیرے میں ویران پڑا تھا...... چمڑے کا چھوٹا تھیلا جس میں ڈبل روٹی، چائے اور
بسکٹ کا چھوٹا ڈبہ تھا اس نے ہاتھ میں تھام رکھا تھا...... وہ بارک کی دیوار کے ساتھ
ساتھ دبے پاؤں چلتا اس دروازے کی طرف بڑھا جو دوسری طرف عورتوں کے کیمپ
میں کھلتا تھا...... وہاں اندھیرا تھا...... اس نے آہستہ سے دروازے کو دھکیلا...... دروازہ
کھل گیا...... پولینا نے دروازے کی کنڈی پہلے سے اتار دی ہوئی تھی...... عمران
خاموشی کے ساتھ عورتوں کے کیمپ میں داخل ہو گیا...... بارکوں کی بتیاں بجھی ہوئی
تھیں...... صحن میں کہیں کہیں برف جمی ہوئی تھی...... اسے برآمدے میں ایک انسانی
سایہ دکھائی دیا۔

یہ پولینا ہی ہو سکتی تھی...... انسانی سایہ اس کی طرف بڑھا...... یہ پولینا ہی تھی......اس نے سمور کی ٹوپی پہن رکھی تھی جس نے اس کے کان، سر کے بال، گردن تک ڈھانپ رکھے تھے...... گلے میں اونی گلوبند تھا......پولینا نے اسے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور کیمپ کے عقبی دروازے کی طرف بڑھی...... یہ دروازہ بارکوں کے پیچھے احاطے کی دیوار میں بنا ہوا تھا...... یہ دروازہ بھی پہلے سے کھلا تھا...... وہ دروازے سے نکل کر احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک طرف دو تین قدم جانے کے بعد ایک جگہ خاردار تاروں کی دیوار کے پاس جا کر بیٹھ گئی...... یہاں خاردار تاروں میں پہلے ہی سے کسی نے گزر جانے کے لئے راستہ بنایا ہوا تھا...... عمران حیران ہو رہا تھا کہ اس کیمپ میں جہاں پر سپاہی ایک جلاد کی طرح سنگدل اور ظالم ہے وہ کون تھا جو پولینا کی مدد کر رہا تھا...... عمران نے پولینا کو کیمپ کے عملے میں سے کسی سے کبھی بات کرتے نہیں دیکھا تھا...... دونوں لیٹ کر خاردار تاروں میں سے نکل گئے۔

اب وہ مشقتی کیمپ کے جیل خانے سے باہر تھے۔

آسمان پر دھند سی پھیلی ہوئی تھی...... کوئی ستارہ نظر نہیں آ رہا تھا...... سامنے برف کا میدان تھا...... پولینا نے عمران کو سرگوشی میں اپنے پیچھے دوڑنے کو کہا اور وہ ایک طرف دوڑ پڑی...... عمران اس کے پیچھے دوڑنے لگا...... عمران اس بات پر بھی حیران تھا کہ رات کو گشت لگانے والے سپاہی کہاں سو گئے تھے؟ ہو سکتا تھا کہ اس گشتی پارٹی کا کوئی آدمی پولینا کے ساتھ ملا ہوا ہو...... کسی طرف سے سدھائے ہوئے کتوں کے بھی بھونکنے کی آواز نہیں آ رہی تھی...... جمی ہوئی برف پر دوڑنے میں بڑی دقت پیش آ رہی تھی مگر وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ایک دوسرے کو سہارا دیئے جتنا تیز دوڑ سکتے تھے دوڑے جا رہے تھے...... قیدی کیمپ کی روشنیاں پیچھے رہ گئی تھیں اور کہرے میں ڈوبتی جا رہی تھیں...... وہ کوئی ایک میل تک دوڑتے چلے گئے...... آخر تھک گئے اور بیٹھ گئے...... ان کے سانس دھونکنی کی طرح چل رہے تھے...... جب

سانس ذرا درست ہوئے تو پولینا نے ایک طرف اشارہ کیا...... ادھر اندھیرے میں ایک جھونپڑا سا نظر آ رہا تھا...... پولینا نے لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اس جھونپڑے تک جانا ہے"۔

اور انہوں نے دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا...... جھونپڑا قریب آتا جا رہا تھا...... آخر وہ جھونپڑے کے پاس پہنچ گئے...... جیسے ہی وہ جھونپڑے کے قریب پہنچے عمران نے جھونپڑے کے باہر برف پر پھسلنے والی گاڑی دیکھی جس کے آگے چھ سات رینڈیئر جتے ہوئے تھے......ایک اونچا لمبا آدمی، لمبے کوٹ اور سمور کی ٹوپی پہنے جھونپڑی سے باہر نکل آیا......اس نے پولینا کو روسی زبان میں کچھ کہا اور پولینا عمران کا ہاتھ پکڑ کر پھسلنی گاڑی پر بیٹھ گئی...... گاڑی کی نہ کوئی چھت تھی نہ کوئی دیوار تھی...... تین فٹ کے قریب چوڑا اور پانچ فٹ لمبا ایک تختہ تھا جس پر ایک تھیلا رکھا ہوا تھا...... وہ آدمی بھی گاڑی پر جو چھوٹی سی سیٹ بنی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا اور رینڈیئر برف پر دوڑنے لگے۔

وہ آدمی پھسلنی گاڑی کو جمی ہوئی برف پر جتنی تیز دوڑا سکتا تھا دوڑا رہا تھا...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی کا رخ بدل لیتا تھا...... کبھی گاڑی کو دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف کر دیتا...... عمران اور پولینا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر سمٹ سمٹا کر بیٹھے ہوئے تھے......ایسے لگتا تھا کہ اس راستے کا صرف اس آدمی کو ہی علم ہے...... وہ شخص گاڑی کو دائیں بائیں موڑتا ہوا جا رہا تھا...... رینڈیئر ایک خاص رفتار سے بھاگ رہے تھے......ان کی باگیں اسی آدمی کے ہاتھوں میں تھیں...... ایک جگہ درختوں کا ذخیرہ سا آ گیا...... درخت برف پوش تھے اور رات کے اندھیرے میں سفید ستونوں کی طرح چپ چاپ کھڑے تھے...... گاڑی بان روسی نے گاڑی کو درختوں کے ذخیرے میں ڈال دیا...... یہاں بھی راستہ بڑا پیچیدہ تھا، مگر وہ بڑی مہارت سے گاڑی کو درختوں کے درمیان سے نکال کر لئے جا رہا تھا۔

درختوں کے اس ذخیرے میں سے نکلتے ہوئے انہیں کافی وقت لگ گیا...... جب

پھسلنی گاڑی ذخیرے میں سے باہر نکلی تو اس آدمی نے منہ سے ایک لمبی آواز نکال کر آگے جتے ہوئے رینڈیروں کی باگیں کھینچ لیں...... رینڈیر رک گئے...... گاڑی بھی رک گئی...... اب وہ آدمی گاڑی سے اتر گیا اور پولینا کے قریب آکر اس سے روسی زبان میں گفتگو کرنے لگا...... وہ بار بار ہاتھ سے سامنے برف کے صحرا کی طرف اشارہ کر رہا تھا...... پھر اس نے پولینا سے اور عمران سے ہاتھ ملایا اور درختوں کے ذخیرے میں واپس چلا گیا...... پولینا گاڑی کی سیٹ پر بیٹھ گئی اور اس نے باگیں سنبھال لیں...... عمران سمجھ گیا کہ آگے ان دونوں کو اکیلے ہی سفر کرنا ہوگا...... پولینا نے باگیں کھینچ کر انہیں ہلکا سا جھٹکا دیا اور منہ سے ایک آواز نکالی...... چھ کے چھ رینڈیئر گاڑی کو لے کر برف کے میدان میں چل پڑے۔

عمران نے پولینا سے پوچھا۔

''یہ فرشتہ صفت آدمی کون تھا پولینا؟''۔

پولینا نے اردو میں کہا۔

''یہ ایک الگ کہانی ہے...... اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں...... اس بڑے تھیلے میں ہمارے لئے خشک خوراک موجود ہے...... ایک چھوٹی کلہاڑی ہے جس سے ہم درختوں کی شاخیں کاٹ کر آگ جلا سکتے ہیں''۔

عمران نے کہا۔

''ہم کس طرف جا رہے ہیں؟''۔

پولینا نے کہا۔

''یہ ہماری زندگیوں کا سب سے لمبا اور تکلیف دہ سفر ہے...... ابھی میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں...... بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم روس کے شہروں سے دور ہوتے جا رہے ہیں''۔

ساری رات گاڑی برف پر چلتی رہی۔

آسمان پر صبح کا اجالا پھیلنے لگا...... میں درمیان میں دو تین بار سو بھی گیا تھا...... برف کا میدان ختم ہو گیا اور دن کے اجالے میں بڑی بڑی چٹانیں اور جنگل نظر آ رہے تھے...... پولینا نے جنگل میں ایک جگہ گاڑی کھڑی کر دی...... ہم نے تھیلے میں سے خشک روٹی اور خشک گوشت نکالا...... میں نے کلہاڑی کی مدد سے درختوں کی شاخیں کاٹ کر آگ روشن کر دی...... پولینا نے ایک کیتلی میں برف ڈال کر اسے پگھلایا...... ہم نے پانی پیا...... رینڈیروں کے آگے خشک جھاڑیوں اور بعض درختوں کی پتوں والی جھاڑیاں کاٹ کر ڈال دیں...... رینڈیئر مزے سے یہ چارہ کھانے لگے...... ہم نے خشک گوشت کو گرم کیا اور خشک روٹی کے ساتھ کھانے لگے...... پھر چائے بنا کر پی۔

پولینا نے کہا۔

"ہم یہاں کچھ دیر آرام کریں گے...... جانوروں کو بھی آرام کی ضرورت ہے...... میں پہلے سوؤں گی"۔

اور وہ وہیں اپنے لمبے کوٹ میں سمٹ سمٹا کر لیٹ گئی...... تھوڑی دیر بعد عمران کو اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی...... عمران دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ گیا...... اس نے اپنے بائیں جبڑے کے نیچے آہستہ آہستہ دو تین مکے مارے...... گلے کو دبا کر نیچے سے اوپر کیا اور دوسرے لمحے منہ سے وہ چھوٹی سی سٹین لیس سٹیل کی ٹیوب نکال کر اسے دیکھنے لگا...... اس ننھی سی ٹیوب کے اندر بھارت اور روس کے درمیان ہونے والے فوجی معاہدے کی نیگیٹو فلم تھی جس میں اسلحہ اور اس جنگی سازوسامان کے پورے اعداد و شمار تھے جو روس بھارت کو فراہم کرنے والا تھا اور جو بھارت کشمیر میں اور پاکستان کے خلاف استعمال کرنے والا تھا...... اس فلم کو عمران نے اپنی جان سے لگا کر رکھا ہوا تھا اور اس وقت اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اس فلم کو پاکستان کی حکومت کے حوالے کرنا تھا تاکہ پاکستان اپنے دشمن نمبر ایک بھارت کے جنگی عزائم سے باخبر ہو سکے۔

عمران نے فلم کی ٹیوب واپس اپنے گلے کی پاکٹ میں چھپا دی...... پولینا گہری نیند سو رہی تھی...... اسی روز آسمان پر بادل گہرے ہو رہے تھے...... لگتا تھا کہ برف باری ہو گی...... پولینا دو گھنٹے سونے کے بعد اٹھ بیٹھی...... عمران نے کہا۔

"بادل گہرے ہو گئے ہیں...... برف گرنی شروع ہو گئی تو مشکل پیش آئے گی...... بہتر ہے کہ یہاں سے نکل چلیں"۔

انہوں نے جانوروں کو دوبارہ گاڑی کے آگے باندھا...... چیزیں سنبھال کر تھیلے میں بند کیں اور آگے چل پڑے...... آگے برف سے ڈھکے ہوئے چٹیل میدان نہیں تھے بلکہ زمین اونچی نیچی تھی...... بڑے بڑے پتھر اور برف سے ڈھکی ہوئی چٹانیں بھی تھیں اور جگہ جگہ برچ کے برف پوش درخت بھی تھے جن کی وجہ سے جانوروں کو اور گاڑی کو چلنے میں دقت پیش آ رہی تھی...... پولینا کہنے لگی۔

"معلوم ہوتا ہے ہمیں گاڑی کو یہیں کہیں چھوڑنا پڑے گا...... لیکن خیر ابھی تو چل رہے ہیں"۔

کچھ دور جانے کے بعد دوبارہ برف کے میدان شروع ہو گئے...... دوپہر کو انہوں نے ایک جگہ چند لمحوں کے لئے ٹھہر کر برف پگھلا کر چائے بنائی اور ایک خشک روٹی اس کے ساتھ کھائی اور پھر آگے چل پڑے...... پولینا نے نقشہ دیکھ کر معلوم کر لیا تھا کہ وہ صحیح راستے پر جا رہے ہیں...... جیسے ہی شام ہوئی برف گرنی شروع ہو گئی...... ساتھ ہی تیز ہوا بھی چلنے لگی...... پولینا اس ملک کی رہنے والی تھی، کہنے لگی۔

"لگتا ہے برفانی طوفان آ رہا ہے...... ہمیں ابھی سے رات گزارنے کے لئے کوئی محفوظ جگہ بنا لینی چاہئے"۔

کچھ سیاہ بادلوں اور کچھ شام کا اندھیرا چھانے کے باعث راستے کی سمت صحیح رکھنا بھی مشکل ہو رہا تھا...... ایک جگہ دو تین چٹانیں زمین سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں...... ف زیادہ گرنے لگی تھی اور ہوا بھی طوفان کی شکل اختیار کر رہی تھی اور اس کا شور بلند ہو رہا تھا...... پولینا نے چٹان کی اوٹ میں گاڑی روک کر جانوروں کو کھول کر دوسری چٹان کی اوٹ میں بٹھا دیا...... دونوں رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنے لگے، جس چٹان کی اوٹ میں انہوں نے گاڑی روکی تھی اس کی دوسری جانب چٹان کی

دیوار کے ساتھ ایک گڑھا سا بنا ہوا تھا...... گڑھے کے اندر برف جمی ہوئی تھی...... عمران نے کلہاڑی کی مدد سے برف کو کھرچ کر اتنی جگہ بنالی کہ اس میں دونوں گھس کر لیٹ سکتے تھے...... چٹان کی اوٹ کی وجہ سے اس طرف برف کے طوفان کو چٹان نے روک رکھا تھا...... پولینا نے کہا۔

"چلو کہیں سے گری پڑی شاخیں وغیرہ لا کر آگ جلا کر تھوڑا کھا پی لیتے ہیں...... برف زیادہ گری تو کچھ نہیں ملے گا"۔

کلہاڑی لے کر ادھر ادھر جھاڑیاں تلاش کرنے لگے...... ایک جگہ دو جھاڑیاں مل گئیں...... عمران نے کلہاڑی چلانی شروع کر دی...... پولینا شاخیں اکٹھی کرتی جاتی تھی...... نرم شاخیں انہوں نے جانوروں کے آگے ڈال دیں اور سخت شاخیں جلا کر انہوں نے آگ روشن کر کے چائے بنائی...... تھوڑا تھوڑا خشک گوشت تھیلے سے نکال کر کھایا اور سوکھی روٹی کے تین تین ٹکڑے چائے میں ڈبو کر کھا لئے...... اس کے بعد وہ گڑھے میں گھس کر بیٹھ گئے...... گڑھا چٹان کے تھوڑا اندر تک چلا گیا تھا جس کے باعث برف ان کے اوپر نہیں گر رہی تھی...... جھاڑی کی چند ایک شاخیں لا کر عمران نے گڑھے کے اوپر بھی ڈال دی تھیں...... دونوں ساتھی اندھیرے میں بیٹھے تھے اور باتیں کرنے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ باہر برف کے طوفان نے شور مچا رکھا تھا...... سائبیریا کی یخ بستہ ہوائیں چیخیں مارتی ہوئی چل رہی تھیں...... ساری رات برف کا طوفان جاری رہا۔

دونوں کسی وقت سو جاتے اور کسی وقت طوفان کا شور انہیں جگا دیتا...... اس طرح ساری رات گزر گئی...... دن چڑھا تو طوفان گزر چکا تھا...... عمران نے گڑھے کے اوپر پڑی ہوئی جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹایا تو بہت سی برف اس کے اوپر گڑھے میں آ کر گری...... وہ منہ سر لپیٹ کر گڑھے سے باہر نکل آئے...... ہر طرف برف کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی...... ہلکی ہلکی برف ابھی تک گر رہی تھی...... وہ برف میں سے گزرتے

رینڈیروں کے پاس گئے۔ رینڈیروں میں سے دو غائب تھے...... صرف چار باقی رہ گئے تھے۔

پولینا نے کہا۔

"رات کو برف کے شور میں میں نے بھیڑیوں کی چیخ و پکار سنی تھی...... دونوں جانوروں کو بھیڑیئے اٹھا کر لے گئے ہوں گے"۔

باقی جو جانور بچ گئے تھے وہ بھی اپنی اصلی جگہ پر نہیں تھے بلکہ وہاں سے کچھ فاصلے پر چٹان کے اوپر بیٹھے تھے...... انہوں نے یہی چار رینڈیئر غنیمت جانے اور انہیں گاڑی کے آگے لا کر جوت دیا...... پولینا نے نقشہ نکال کر دیکھا...... کہنے لگی۔

"ہمیں اب مغرب کی سمت ذرا اور بائیں جانب ہو کر سفر کرنا ہوگا...... یہ دیکھو...... نقشے پر جو یہ نشان لگے ہیں یہ ملک ایران اور روس کی سرحد کا پہاڑی سلسلہ ہے...... ہمیں ان پہاڑوں کی دوسری طرف جانا ہے اور ہم ایران کی سرحد میں داخل ہو جائیں گے"۔

عمران نے پولینا سے کوئی سوال نہ کیا کہ ان پہاڑوں میں ہم کب پہنچیں گے اور ایران کی سرحدی پولیس ہمیں پکڑ لے گی تو ہم کیا کہیں گے کہ ہم کہاں سے آرہے ہیں...... وہ جانتا تھا کہ ایران کا سرحدی پہاڑی سلسلہ وہاں سے بہت دور واقع ہے۔

وہ دن بھی ان کا سفر میں گزر گیا...... رات انہوں نے ایک جگہ برف کے اندر گھس کر گزاری...... برف کے اندر بالکل سردی نہیں تھی اور وہ بڑے آرام سے سوتے رہے...... اگلا دن طلوع ہوا تو وہ پھر چل پڑے...... برف باری رک چکی تھی اور برف کے میدان بھی جیسے ختم ہو رہے تھے...... ایک جگہ انہوں نے اونچی جگہ سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا...... نیچے نشیب میں کچھ کھیت دکھائی دیئے۔

پولینا نے کسی قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے ہم راستے سے بھٹکے نہیں...... دوسرے یہ کہ برفانی میدان ختم

ہوگئے ہیں...... مجھے یہ قزاخ کا علاقہ لگتا ہے...... اگر یہ قزاخ ہی ہے تو ہمیں یہاں سے ریل گاڑی مل سکتی ہے...... اس کے آگے اماؤ کی سطح مرتفع ہوگی اور پھر ایران، روس کا پہاڑی سلسلہ شروع ہو جائے گا"۔

انہوں نے پھسلنی گاڑی یعنی سلیج اور رینڈیئر وہیں چھوڑ دیئے اور پیدل سفر شروع کر دیا...... وہ نشیب میں اتر کر کھیتوں میں آگئے...... یہ جوار کے کھیت تھے تین چار چھوٹے سے کھیت تھے...... پولینا نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ نزدیک ہی کوئی گاؤں ضرور ہوگا"۔

وہ دوپہر تک چلتے رہے...... کہیں برف کے ٹکڑے آجاتے...... کہیں گھاس کے چھوٹے چھوٹے میدان آجاتے...... آخر انہیں ایک گاؤں نظر آیا...... یہ دس بارہ جھونپڑے نما مکان تھے...... پولینا نے ایک عورت سے روسی زبان میں گاؤں کا نام پوچھا...... اس نے کوئی نام بتایا...... دونوں نے کچھ دیر باتیں کیں...... اس عورت کا آدمی بھی آگیا...... پولینا نے میاں بیوی کو اپنے بارے میں کچھ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا...... انہوں نے دودھ کے ساتھ جوار کے آٹے کی پکی ہوئی روٹیاں کھانے کو دیں...... پولینا نے ان سے بہت سی معلومات حاصل کرلی تھیں...... ایک گھنٹہ وہاں آرام کرنے کے بعد دونوں ایک بار پھر آگے چل پڑے۔

دیہاتی میاں بیوی سے انہیں جو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ یہ تھیں کہ آگے پچاس میل کے سفر کے بعد اشکایا کا قصبہ آئے گا جہاں سے انہیں قزاخ کوف تک ریل گاڑی مل جائے گی...... پولینا نے کہا۔

"ہم سائبیریا کے جہنم سے نکل آئے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ زندہ سلامت نکل آئے ہیں...... اب ہم جنوب مغرب کی طرف سفر کر رہے ہیں"۔

اگرچہ اس علاقے میں بھی کہیں کہیں جمی ہوئی برف کے ٹکڑے نظر آرہے تھے، مگر یہاں سائبیریا والی قاتل سردی نہیں تھی...... انہوں نے بمشکل چند میل کا فاصلہ

طے کیا تھا کہ رات ہوگئی...... رات انہوں نے وہیں میدان میں جگہ بنا کر گزار دی...... دیہاتی خاتون نے انہیں جوار کی کچھ روٹیاں دے دی تھیں...... انہوں نے سونے سے پہلے آگ جلا کر چائے بنائی اور جوار کی روٹی اس کے ساتھ کھائی...... وہ اپنے گرم لبادوں میں ہی گھس کر سوئے رہے...... رات کسی نہ کسی طرح گزر گئی۔

اگلے دن پھر پیدل سفر شروع ہوگیا۔

پولینا کی وجہ سے وہ زیادہ پیدل سفر نہیں کر سکتے تھے...... دن میں بمشکل تین چار گھنٹے سفر کرتے...... اب کہیں کہیں راستے میں آبادی آجاتی تھی جہاں انہیں کھانے پینے کو مل جاتا تھا...... چوتھے روز دوپہر کے بعد وہ اشکایا کے قصبے میں پہنچ گئے...... یہاں سے انہیں قزاخ کوف تک ٹرین پکڑنی تھی...... وہ ریلوے سٹیشن پر آکر بیٹھ گئے...... ریلوے سٹیشن پر انہوں نے گاڑی کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں سے شام کے بعد ایک ٹرین قزاخ کوف کے بڑے قصبے تک چلتی ہے...... اس کے آگے کوئی ریلوے ٹریک نہیں ہے......

شام کو انہوں نے اشکایا کے سٹیشن پر ہی کھانا کھایا...... پولینا کے جس دوست نے پولینا کے فرار کا بندوبست کیا تھا اسی نے اسے کچھ روبل بھی دیئے تھے جو راستے میں ان کے کام آرہے تھے...... شام ہوگئی تو پلیٹ فارم پر ایک ٹرین آکر لگی...... اس میں کچھ دیہاتی مسافر پہلے سے بیٹھے تھے...... پولینا کا روسی ہونا عمران کے بہت کام آرہا تھا...... اسی نے ریل کے ٹکٹ خریدے...... اس کے لئے روسی زبان کوئی مسئلہ نہ تھا...... وہ انہی لوگوں میں سے تھی اور کسی کو اس پر شک بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔

وہ دونوں بھی ٹرین میں سوار ہوگئے...... عمران نے دیکھا کہ دیہاتی مسافروں میں کچھ مسافر ایک دوسرے سے فارسی بھی بول رہے تھے...... یہ مسلمان تھے اور انہوں نے یا تو تاجکستانی چوگوشہ ٹوپیاں پہن رکھی تھیں یا بڑی خوبصورت پگڑیاں باندھی ہوئی تھیں...... یہ سرخ و سفید صحت مند لوگ تھے...... سٹیشن پر اس نے کچھ مسافروں کو نماز پڑھتے بھی دیکھا...... ریل گاڑی کے ڈبے خستہ حال تھے...... ٹرین روانہ ہوگئی......

وہ ایک خاص رفتار سے چل رہی تھی...... دونوں جانب رات کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا...... سفر بڑا لمبا تھا...... یہ سفر تین دن تک جاری رہا...... چوتھے روز ٹرین قزاخ کوف کے سٹیشن پر جا کر رک گئی...... ٹرین سے اتر کر پولینا اور عمران ریلوے سٹیشن کے احاطے میں ایک جگہ بنچ پر بیٹھ گئے...... دن کا وقت تھا، ناشتہ انہوں نے راستے میں ہی ایک سٹیشن پر اتر کر کر لیا تھا...... پولینا نے سب سے پہلے نقشہ دیکھا اور کہنے لگی۔

"یہاں سے اماؤ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے...... ہمیں اس میدان کو عبور کرنا ہے...... اس کے آگے روس اور ایران کا درمیانی سرحدی پہاڑی سلسلہ شروع ہو جائے گا...... ان پہاڑوں کی دوسری طرف ایران کا ملک ہے۔

عمران نے پوچھا کہ اماؤ کا میدانی یا پہاڑی علاقہ ہمیں کس طرح عبور کرنا ہو گا...... کیا وہاں سے کوئی سواری وغیرہ مل جائے گی؟ اس کے جواب میں پولینا نے کہا۔

"جہاں تک مجھے علم ہے اس نیم پہاڑی علاقے میں روس کی سرحد تک اونٹوں کے قافلے آتے جاتے ہیں...... ہم بھی کسی قافلے میں شامل ہو جائیں گے...... تم یہیں بیٹھو میں پتہ کر کے آتی ہوں کہ یہاں قافلے کہاں سے جاتے ہیں"۔

عمران کو سٹیشن پر چھوڑ کر پولینا قافلے کا پتہ کرنے چل دی...... پولینا کو یہ بڑی سہولت تھی کہ وہ روس کی باشندہ تھی اور روسی زبان بولتی تھی...... کچھ دیر کے بعد واپس آئی تو کہنے لگی۔

"یہاں قریب ہی ایک سرائے ہے، وہاں سے قافلے ایران کی سرحد کی طرف جاتے ہیں...... ایک قافلہ کل منہ اندھیرے روانہ ہو گا...... میرا خیال ہے ہمیں آج رات کارواں سرائے میں ہی گزارنی چاہئے...... چلو آؤ"۔

کارواں سرائے وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی...... کارواں سرائے کا ایک بڑا اونچا محرابی دروازہ تھا جس کے اندر بڑا وسیع احاطہ تھا...... دونوں جانب مسافروں کی رہائش کے واسطے چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں...... احاطے میں ایک جانب بہت۔

اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے...... کچھ اونٹوں پر سامان لادا جا رہا تھا...... پولینا نے ایک کوٹھڑی کرائے پر لے لی...... کوٹھڑی میں پرانا قالین بچھا تھا...... میلے میلے گاؤ تکیے پڑے تھے کچھ پرانے کمبل بھی پڑے تھے...... پولینا نے قافلے کے لیڈر کو روسی سرحد تک دو آدمیوں کا کرایہ ادا کر دیا تھا...... رات گزر گئی...... دس بارہ اونٹوں پر مشتمل ایک قافلہ منہ اندھیرے روانہ ہو گیا...... پولینا اور عمران ایک ہی اونٹ پر سوار تھے...... قافلہ اماؤ کے سطح مرتفع پر دن کے بارہ بجے تک آہستہ آہستہ سفر طے کرتا رہا...... دوپہر کو ایک جگہ پڑاؤ کیا گیا...... یہاں مسافروں نے کھانا وغیرہ کھایا اور قافلہ پھر آگے روانہ ہو گیا۔

اسی طرح قافلہ تین دن تک سفر کرتا رہا...... چوتھے روز قافلہ روس کے سرحدی قصبے اماؤ پہنچ گیا...... یہاں سے پولینا اور عمران کو ایک پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے ایران پہنچنا تھا...... یہ بڑا کٹھن سفر تھا، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا...... اماؤ کی کارواں سرائے میں کچھ دن آرام کرنے اور پہاڑی سفر میں کام آنے والا کچھ سامان خریدنے کے بعد پولینا اور عمران پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گئے...... خشک خوراک اور پانی کا کافی ذخیرہ پلاسٹک کی بوتلوں کی شکل میں انہوں نے اپنے پاس رکھ لیا تھا...... پہاڑی سفر بڑا جان جوکھوں کا کام تھا...... دن میں وہ بڑی مشکل سے تین چار گھنٹے کی مسافت طے کرتے...... پولینا کے پاس جو چھوٹا سا نقشہ تھا وہ ان کی راہ نمائی کر رہا تھا...... ایک پہاڑ سے اترتے تو دوسرے پہاڑ کی چڑھائی شروع ہو جاتی...... اسی طرح سفر کرتے کرتے انہیں دو ہفتے گزر گئے...... آخر پہاڑوں کا دشوار گزار سلسلہ ختم ہو گیا اور سامنے میدان نظر آنے لگا...... وہ ایک جگہ کمر کے ساتھ بندھا ہوا سامان اتار کر بیٹھ گئے...... ان کے پاس خوراک اور پانی کا ذخیرہ تقریباً ختم ہو گیا تھا...... سارا دن اور ساری رات انہوں نے اسی جگہ آرام کیا۔

دوسرے دن وہ جنوب مغرب کی سمت چل پڑے۔

یہاں بڑی خشک سردی پڑ رہی تھی...... شمال کی جانب کوہ البرز کی چوٹیاں برف

سے ڈھکی ہوئی تھیں...... انہیں ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آیا...... یہ تاجیک مسلمانوں کا گاؤں تھا...... ابھی تک وہ روس کے علاقے میں ہی تھے...... انہوں نے گاؤں کی مسجد کے امام سے ملاقات کی اور انہیں اپنی ساری سرگزشت سنادی...... امام مسجد نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا...... امام مسجد فارسی زبان بولتا تھا مگر تھوڑی تھوڑی اردو بھی بول لیتا تھا...... امام مسجد کی زبانی انہیں معلوم ہوا کہ وہاں سے ایران کی سرحد دس پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور وہاں روسی سرحد پر روس کی بارڈر پولیس اور ایرانی سرحد پر ایران کی بارڈر پولیس تعینات تھی...... اس کے علاوہ دونوں جانب دونوں ملکوں کی گشتی پولیس پارٹیاں بھی جیپوں پر گشت لگاتی رہتی تھیں...... امام مسجد نے کہا۔

”کوئی چڑیا بھی سرحد پار کرے تو دونوں طرف کی بارڈر پولیس کو خبر ہو جاتی ہے“۔

عمران نے امام صاحب سے پوچھا۔

”ان حالات میں آپ ہمیں کیا مشورہ دیتے ہیں؟“۔

امام مسجد کہنے لگا۔

”میں آپ کو ایک آدمی سے ملائے دیتا ہوں...... وہ غیر قانونی طور پر ایران آتا جاتا رہتا ہے...... وہ بڑے بھروسے کا آدمی ہے...... اگر وہ راضی ہو گیا تو تمہیں اپنی حفاظت میں ایران پہنچادے گا“۔

یہ بڑی معقول تجویز تھی...... اسی رات امام صاحب نے پولینا اور عمران کو اس خاص آدمی سے ملوادیا...... اس کا نام شہریار تھا...... شکل ہی سے سمگلر لگتا تھا...... اس نے دوسری رات پولینا اور عمران کو روس اور ایران کی سرحد پار کرادی...... وہ ایران کی ایک کارواں سرائے میں آکر ٹھہرے...... کارواں سرائے میں امام خمینی کی دیوار پر لگی تصویر کو دیکھ کر دونوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ روس کے ملک سے نکل آئے تھے...... ان کے پاس کوئی پاسپورٹ وغیرہ نہیں تھا...... وہ ایران میں پکڑے جاسکتے تھے، لیکن

پولینا نے بڑی عقلمندی کا مشورہ دیا...... اس نے عمران سے کہا۔

”بہتر یہی ہے کہ ہم کسی قریبی قصبے یا شہر کے پولیس سٹیشن پر جاکر پولیس کو صاف صاف سارے حالات بیان کردیں...... میں اس کے ساتھ ہی ایران میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کی درخواست دے دوں گی...... تم پاکستانی ہو...... تم بھی یہی کہنا کہ تم روس کی سیاحت کو آئے تھے کہ روسی پولیس نے پکڑ کر سائبیریا بھیج دیا...... ایران اور پاکستان کے بڑے اچھے تعلقات ہیں مجھے یقین ہے کہ ایرانی حکام تمہیں پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کردیں گے“۔

عمران نے کہا۔

”اور اگر انہوں نے تمہیں بھی روسی سفارت خانے کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا تو کیا کرو گی“۔

پولینا نے کہا۔

”میں تو روسی حکومت کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ایران سے سیاسی پناہ کی خواست کروں گی...... وہ مجھے روسی سفارت کاروں کے کیسے حوالے کردیں گے...... ی سفارت کار تو مجھے اسی وقت گرفتار کرلیں گے...... مجھے یقین ہے کہ ایرانی حکام رے ساتھ بھی ہمدردی سے پیش آئیں گے“۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ ایرانی سرحد کے کسی قریبی شہر کی طرف چل ے...... شہر میں پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردیا اور نوں نے وہی بیان دیئے جو حقیقت پر مبنی تھے...... بہرحال پولیس نے انہیں حراست ں لے کر تہران کے پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچادیا...... ایرانی انٹیلی جنس اور ایرانی پولیس ے دو افسروں نے پولینا اور عمران سے پوچھ گچھ شروع کردی...... پولینا اور عمران نے صحیح صورت حال تھی وہی بیان دہرادیا اور کہا کہ ہم لوگ روس کی جیل سے فرار ئے ہیں اور سائبیریا کے برفانی صحرا عبور کرکے ایران پہنچے ہیں...... پولینا نے کہا۔

"میں لینن گراڈ یونیورسٹی میں اردو کی پروفیسر تھی اور مجھے صدر ریلسن کی حکومت نے نظریاتی اختلاف کے باعث گرفتار کر کے سائبیریا کے مشقتی کیمپ میں بھیج دیا تھا...... آپ لوگ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں"۔

عمران نے کہا کہ وہ روس کی سیاحت کرنے آیا تھا کہ غلطی سے ایک حساس ادارے کے آفس کے قریب چلا گیا جس کی بناء پر اسے جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا اور اسے سخت اذیت دی گئی اور پھر سائبیریا کے لیبر کیمپ میں بھیج دیا۔

پولیس افسروں کو ان کے بیان پر یقین ہو گیا تو پولینا نے کہا۔

"میں ایران کی حکومت سے سیاسی پناہ کی درخواست کرنا چاہتی ہوں...... کیونکہ صدر ریلسن کی حکومت سے میرا نظریاتی اختلاف ہے...... اگر آپ نے مجھے روسی سفارت خانے کے حوالے کیا تو وہ مجھے واپس روس میں کے جی بی کے حوالے کر دیں گے جو مجھے ہلاک کر ڈالے گی"۔

عمران نے کہا۔

"آپ مجھے پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کر سکتے ہیں، کیونکہ میری سار[illegible] فیملی پاکستان میں رہتی ہے اور میں پاکستانی ہوں"۔

ایرانی پولیس چیف نے پولینا سے کہا۔

"ہم تمہیں روسی سفارت خانے کے حوالے نہیں کریں گے...... ہم تمہارے بیا[illegible] پر یقین کر لیتے ہیں، لیکن تمہیں ایران میں سیاسی پناہ بھی نہیں دے سکتے، کیونکہ ا[illegible] طرح سے روس اور ایران کے درمیان جو دوستانہ تعلقات ہیں ان پر منفی اثر پڑ سکتا ہے"۔

پولینا نے کہا۔

"تو پھر مجھے بھی عمران کے ساتھ ہی پاکستانی سفارت خانے کے حوا[illegible] کر دیں...... میں اس کے ساتھ ہی پاکستان چلی جاؤں گی"۔

پولیس چیف نے کہا۔

"ہم ایسا کر سکتے ہیں مگر پاکستانی سفارت خانہ تمہیں قبول نہیں کرے گا اور نہ ہی تمہیں اپنے ملک میں سیاسی پناہ دے گا...... ہاں اگر تم چاہو تو ہم تمہیں یہاں سے فرانس یا انگلستان جانے کی اجازت دے سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے بھی تمہیں روسی سفارت خانے والوں سے اپنا پاسپورٹ وغیرہ بنوانا پڑے گا"۔

پولینا نے کہا۔

"یہ تو وہی بات ہوئی...... روسی سفارت کار تو مجھے فوراً پکڑ لیں گے...... وہ کبھی مجھے پاسپورٹ بنا کر نہیں دیں گے"۔

پولیس چیف نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پھر ہم مجبور ہیں کہ تمہیں یہی کہیں کہ واپس روس چلی جاؤ اور ان کے آگے اپنے مقدمے کی وکالت کرو"۔

پولینا نے کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے تہران میں کچھ روز قیام کرنے کی اجازت دے دیں...... اس دوران میں سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کر سکوں گی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے"۔

پولیس چیف بولا۔

"عمران کو تو ہم پاکستانی سفارت خانے پہنچا دیں گے لیکن تمہیں تہران میں پولیس کی نگرانی میں رہنا ہو گا اور تم اپنی رہائش گاہ سے باہر نہیں نکل سکو گی"۔

پولینا پریشان ہو گئی...... عمران بھی فکر مند ہوا کہ پولینا کس مصیبت میں پھنس گئی ہے...... اس سے تو بہتر تھا کہ وہ لوگ پولیس سٹیشن جانے کی بجائے اپنے طور پر پاکستان کی سرحد پار کرنے کی کوشش کرتے اور کوئٹہ پہنچ جاتے، مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا......

عمران پولینا کو اس حالت میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن وہ ایرانی پولیس کو دھوکا دے کر پولینا کے ساتھ سرحد کی طرف فرار بھی نہیں ہونا چاہتا تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ایران کے پاکستان کے ساتھ بڑے برادرانہ تعلقات تھے...... وہ اپنی کسی

حرکت سے ان تعلقات پر برا اثر نہیں ڈالنا چاہتا تھا...... اس مسئلے کو پولینا نے خود ہی حل کر دیا...... اس نے عمران سے کہا۔

"عمران! لگتا ہے یہاں سے تمہارے اور میرے راستے جدا ہو رہے ہیں...... تم پاکستانی سفارت خانے چلے جاؤ...... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو...... میں اپنا کچھ نہ کچھ ایسا انتظام کر لوں گی کہ مجھے واپس روس نہ جانا پڑے"۔

عمران نے کہا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے پولینا؟ تم یہاں کیا کر سکو گی"۔

پولینا نے سختی سے کہا۔

"میں نے تمہیں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے...... تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم میرے فیصلے کو بدلنے کی کوشش کرو"۔

عمران آگے سے کوئی جواب نہ دے سکا۔

چنانچہ اسی روز دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے...... پولینا پولیس کی حراست میں ہی رہی اور عمران کو ایرانی پولیس چیف نے پاکستانی سفارت خانے کے حوالے کر دیا...... پاکستانی سفارت خانے کے افسر خاص نے عمران کو اپنے ہاں پناہ تو دے دی مگر ایرانی حکام کے جانے کے بعد وہ عمران پر برس پڑا کہ تم لوگ سمگلنگ کرتے پھرتے ہو...... جب دوسرے ملک کی پولیس تمہیں پکڑ کر قید کر لیتی ہے تو جیل توڑ کر بھاگ جاتے ہو اور ہمیں بدنام کرنے کے لئے ہمارے پاس آ جاتے ہو...... عمران سفارت کار کی سرزنش کو خاموشی سے سنتا رہا...... جب سفارت کار اس پر کافی برس چکا تو عمران نے کہا۔

"برائے مہربانی مجھے پاکستانی سفیر سے ملا دیا جائے...... میں ان سے ایک اہم معاملے پر زبانی گفتگو کرنا چاہتا ہوں"۔

سفارت کار نے سختی سے جواب دیا۔

"سفیر صاحب سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... آپ وہاں بیٹھ

جائیں...... آپ لوگوں کی وجہ سے ہماری بدنامی ہوتی ہے...... آپ اپنی مصیبت لے کر ہمارے پاس آ گئے ہیں...... ہم آپ کو پاکستانی پولیس کے حوالے کر دیں گے...... پھر وہ جانیں اور آپ جانیں"۔

عمران نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں آپ کو ایک ٹیلی فون نمبر دیتا ہوں...... اس نمبر پر میری بات کرا دیں...... آپ کی عنایت ہو گی"۔

سفارت کار افسر کا پارہ ایک بار پھر چڑھ گیا...... کہنے لگا۔

"ہم ٹیلی فون پر آپ کی کسی سے بات نہیں کرا سکتے...... آپ تشریف رکھیں...... آپ کو پاکستان پہنچا دیا جائے گا"۔

اسی دوران عمران نے میز پر پڑی ہوئی پنسل اٹھا کر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ایک نمبر لکھا اور سفارت کار کے سامنے رکھ دیا...... یہ اسلام آباد میں دفتر خارجہ کے ایک اہم ترین عہدیدار کا نمبر تھا۔

"برائے مہربانی اس نمبر پر میری بات کرا دیں"۔

سفارت کار نے کاغذ پر لکھے ہوئے نمبر کو نگاہ غلط انداز سے دیکھا اور کاغذ کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنا چاہتا تھا کہ نمبر پڑھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک گئے...... ٹیلی فون نمبر کو غور سے پڑھا...... پھر عمران کی طرف دیکھا اور قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"جانتے ہو یہ نمبر کس کا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں تو جانتا ہوں کہ یہ نمبر کس کا ہے...... آپ میری ان سے بات کرا دیجئے...... پھر آپ کو بھی پتہ چل جائے گا کہ میں نے یہ نمبر آپ کو کس لئے دیا ہے"۔

ٹیلی فون نمبر کو پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر سفارت کار کا لہجہ ایک دم نرم پڑ گیا

تھا، لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص میلے کچیلے کپڑوں میں اس کے سامنے کھڑا ہے اور جس کے پاس نہ پاسپورٹ ہے نہ ویزا ہے...... اس نمبر پر بات کر سکتا ہے، مگر نمبر حکومت کی ایک ایسی شخصیت کا تھا کہ سفارت کار بھی ایک دفعہ اندر سے ہل گیا تھا...... عمران نے کہا۔

"پلیز! یہ نمبر ملا دیجئے...... یہ بہت ارجنٹ ہے"۔

سفارت کار نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے عمران سے پوچھا۔

"میں کیا کہوں کہ کون بات کرنا چاہتا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"کہہ دیجئے نمبر ٹو زیرو ون آپ سے بات کرنا چاہتا ہے"۔

سفارت کار کڑوا گھونٹ پی کر رہ گیا...... اسلام آباد کا نمبر لگ گیا...... دوسری طرف سے سیکرٹری نے پوچھا۔

"یس؟ کون صاحب؟"۔

سفارت کار نے کہا۔

"میں تہران کے پاکستانی سفارت خانے سے سیکرٹری بول رہا ہوں...... مجھے صاحب سے بات کرنی ہے"۔

"ایک سیکنڈ ہولڈ کیجئے" دوسری طرف سے آواز آئی۔

سفارت کار نے ریسیور تھامے رکھا اور مشکوک نظروں سے عمران کو دیکھنے لگے...... عمران کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا...... سفارت کار نے عمران کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا تھا جیسا کہ ایک سفارت کار کو اپنے وطن کے باشندے کے ساتھ کرنا چاہئے، جبکہ اس کے پاس عمران کے سمگلر ہونے کا کوئی ثبوت بھی نہیں تھا...... ایک دو سیکنڈ کے بعد سفارت کار کے چہرے پر خوشامدانہ مسکراہٹ آ گئی...... بولا۔

"سر! السلام علیکم! سر! میں...... تہران کے سفارت خانے سے بول رہا ہوں...... سر...... ایک صاحب میرے سامنے بیٹھے ہیں...... وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں"۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یہ کون صاحب ہیں؟ ان کا نام کیا ہے؟"۔

سفارت کار نے کہا۔

"سر! وہ اپنا نام ٹو زیرو ون بتاتے ہیں"۔

دوسری جانب سے آواز آئی۔

"ان سے فوراً بات کرائیں"۔

سفارت کار نے بادل نخواستہ ریسیور عمران کے حوالے کر دیا...... عمران نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم سر! ...... میں اس وقت تہران میں ہوں سر...... بس پہنچ گیا ہوں...... جی ہاں وہ خاص چیز جس کی میرے ملک کو ضرورت تھی میرے پاس ہی ہے...... تھینک یو سر!"۔

اور عمران نے ریسیور سفارت کار کی طرف بڑھا دیا۔

"صاحب! آپ سے بات کریں گے"۔

"یس سر!" سفارت کار نے جلدی سے کہا...... "جی...... جی...... میں سمجھ گیا سر...... جی...... او کے سر! بے فکر رہئے"۔

"تھینک یو سر!"۔

سفارت کار نے ریسیور ٹیلی فون پر رکھ دیا اور عمران کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا...... بہر حال میں معذرت چاہوں گا...... میرے ساتھ تشریف لائیے...... میں آپ کو سفیر صاحب سے ملواتا ہوں"۔

سفارت کار عمران کو سفیر صاحب کے کمرے کے پاس لے آیا...... پہلے وہ خود اندر گیا اور سفیر صاحب کو وہ ساری بات بتادی جو ان کے اور اسلام آباد کے دفتر خارجہ کے درمیان ہوئی تھی...... سفیر صاحب نے کہا۔

"انہیں اندر لے آئیں...... باہر کیوں کھڑا کیا ہے"۔

اصل میں یہ عمران کو نہیں بلکہ عمران کے وطن پاکستان کو عزت واحترام دیا جارہا تھا...... سفارت کار جلدی سے باہر آکر عمران کو اپنے ساتھ اندر لے گیا...... سفیر صاحب عمران کو اٹھ کر ملے...... کہنے لگے۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے...... آپ کب پاکستان تشریف لے جانا چاہتے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میری طرف سے مجھے آج ہی بھجوادیجئے"۔

سفیر صاحب نے فرمایا۔

"اگر آپ کا ارادہ ابھی جانے کا ہے تو میں ابھی فسٹ سیکرٹری صاحب کے ساتھ سفارتی گاڑی میں آپ کو اسلام آباد بھجوائے دیتا ہوں، لیکن میرا خیال ہے آپ بہت تھکے ہوئے ہیں...... آپ آج رات سفارت خانے میں آرام فرمائیں...... کل صبح ہمارے سیکرٹری صاحب آپ کو اسلام آباد لے جائیں گے...... جیسے آپ کی مرضی ہو ہم ویسے ہی کریں گے"۔

عمران ویسے بھی بہت تھکا ہوا تھا...... اس کے کپڑے بھی میلے ہو چکے تھے اور اسلام آباد کے سرد موسم کے مقابلے میں بہت زیادہ گرم تھے...... اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں آج رات ٹھہر جاتا ہوں...... میں اپنا لباس بھی تبدیل کرنا چاہوں گا"۔

سفیر صاحب نے کہا۔

"اس کی فکر نہ کریں...... سیکرٹری صاحب آپ کو تہران مارکیٹ میں ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان پر لے جائیں گے...... آپ اپنی پسند کے کپڑے خرید لیجئے گا"۔

شام کے وقت سیکرٹری صاحب عمران کو ساتھ لے کر تہران کی خاص مارکیٹ میں چلے گئے...... عمران نے ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان سے اپنے لئے ایک گرم پتلون، ایک قمیض اور چمڑے کی جیکٹ اور جوتے خریدے اور واپس سفارت خانے آگیا...... رات کا کھانا اس نے سفارت خانے میں ہی سفیر صاحب اور سیکرٹری صاحب کے ساتھ کھایا...... دوسرے دن علی الصبح وہ سفارت خانے کی سفارتی گاڑی میں سیکرٹری صاحب کے ساتھ بیٹھ کر اسلام آباد روانہ ہو گیا...... راستے میں سیکرٹری صاحب نے عمران کے ساتھ بے تکلفی سے بات کرنے کی ایک دو بار کوشش کی مگر عمران نے زیادہ تر خاموشی اختیار کئے رکھی۔

اسلام آباد پہنچنے کے بعد عمران سیدھا اس شخصیت کے پاس گیا جس نے سفارت خانے میں فون کیا تھا...... میں یہاں ان کا نام اور عہدہ نہیں لکھوں گا...... آپ انہیں مسٹر زیڈ کہہ لیجئے...... مسٹر زیڈ کے ساتھ فوٹوگرافی اور الیکٹرانکس کا ایک ماہر بھی تھا جس کا تعلق سیکرٹ سروس سے تھا...... عمران نے مسٹر زیڈ کو فلم کی ٹیوب دی جو اس نے پہلے ہی سے نکال کر اپنی جیب میں رکھ لی تھی...... مسٹر زیڈ نے وہ ٹیوب الیکٹرانکس کے ماہر کے حوالے کر دی...... اس نے وہیں ساتھ والے کمرے میں جاکر فلم کو ڈیویلپ کرنا شروع کر دیا...... مسٹر زیڈ اور عمران اس کے ساتھ ہی موجود تھا...... سفید روغنی کاغذ پر ایک نقطے کی تصویر آگئی...... یہ فلم کے نیگیٹو کا عکس تھا...... آہستہ آہستہ نقطہ پھیلنے لگا اور پھیلتے پھیلتے ایک فل سکیپ کاغذ کی تحریر میں تبدیل ہو گیا...... فوٹو گرافر نے نیگیٹو کو کیمیکلز میں ڈال کر ڈیویلپ کیا اور فوٹو کاپی نکال کر مسٹر زیڈ کے حوالے کر دی...... مسٹر زیڈ عمران کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئے اور بڑے تجسس اور اشتیاق کے ساتھ فوٹو کاپی پر تحریر اعداد و شمار پڑھنے لگے...... عمران نے کہا۔

"سر! یہ بمبئی میں بھارت اور روس کے مابین ہونے والے جنگی معاہدے کے وہ صحیح اعداد و شمار ہیں جو روس بھارت کو جنگی ساز و سامان کی صورت میں سپلائی کرنے والا ہے"۔

مسٹر زیڈ نے عمران سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"کمانڈو عمران! تم نے بلاشبہ ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"سر! میں نے اپنی ڈیوٹی ادا کی ہے...... میں نے وہ فرض ادا کیا ہے جو میرے وطن پاکستان نے مجھ پر عائد کیا تھا اور پاکستان کے لئے تو ہم پاکستان کے کمانڈو اپنی جان بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے"۔

"جزاک اللہ! جزاک اللہ!"۔

مسٹر زیڈ بے اختیار پکار اٹھے۔

عمران نے کہا۔

"سر! میرا ساتھی کمانڈو جبران بمبئی میں میرا انتظار کر رہا ہے...... اس کو کچھ معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا گزری ہے اور میں کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوں...... میری درخواست ہے کہ مجھے اب اجازت دیجئے میں جتنی جلدی ہو سکے بمبئی اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچنا اور انہیں اپنے مشن کی کامیابی کی خوشخبری سنانا چاہتا ہوں"۔

مسٹر زیڈ نے کہا۔

"اس سلسلے میں ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں...... ہمیں بتاؤ"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شیر اور پاکستانی کمانڈو جہاں جاتے ہیں اپنی خوراک اور وسیلے خود ہی پیدا کر لیتے ہیں...... شکریہ...... اب مجھے اجازت دیجئے"۔

مسٹر زیڈ نے کہا۔

"اگر تمہیں پیسوں کی ضرورت ہو تو تم جتنی رقم چاہو ہم سے لے سکتے ہو؟"۔

عمران بولا۔

"سر! یہ رقم جو آپ کے پاس ہے وہ میرے غریب عوام کی امانت ہے...... اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کیجئے...... میں اپنے وطن میں ہوں، یہاں میرا گھر ہے...... میرے دوست ہیں اور میرے اپنے پیسے بھی بنک میں جمع ہیں...... خدا حافظ"۔

عمران نے مسٹر زیڈ سے ہاتھ ملایا اور آفس سے نکل گیا...... اسی روز رات کی گاڑی سے عمران لاہور چلا گیا...... لاہور میں اس نے رات اپنے گھر والوں کے ساتھ گزاری...... اس کے گھر والوں نے عمران سے کچھ نہ پوچھا کہ وہ اتنے دن کہاں رہا...... نہ ہی عمران نے انہیں اپنے ایڈونچر اور اپنی ڈیوٹی کے بارے میں کچھ بتایا...... عمران کے گھر والوں کو معلوم تھا کہ اس کی ڈیوٹی کی نوعیت اس قسم کی ہے کہ اسے کچھ معلوم نہیں کہاں کہاں جانا پڑتا ہے...... اگلے دن عمران نے بنک میں اپنی جمع شدہ محدود سی رقم میں سے کچھ پیسے نکلوائے اور گھر میں کسی کو اطلاع دیئے بغیر سیدھا ریلوے سٹیشن پہنچا اور ٹرین میں سوار ہو گیا...... اسے معلوم تھا کہ یہ ٹرین کس وقت لاہور کے سٹیشن سے چلتی ہے...... یہ ٹرین جس شہر کو جا رہی تھی ہم اس شہر کا نام یہاں مصلحت کی بناء پر نہیں لکھ رہے، کیونکہ اس شہر سے پچاس میل شمال کی جانب کمانڈو عمران نے بھارت کا بارڈر کراس کرنا تھا...... ہم یہ بھی نہیں لکھیں گے کہ عمران نے کیسے اور کس جگہ سے بارڈر کراس کیا اور وہ کون لوگ تھے جنہوں نے عمران کو بارڈر کراس کرایا۔

کمانڈو عمران بھارت کی سر زمین میں پہنچ گیا، جہاں سے اس نے بارڈر پار کیا تھا وہاں سے وہ ایک لاری میں بیٹھا اور پورا ایک دن اور ایک رات کا سفر طے کر کے مقبوضہ کشمیر پہنچ گیا...... یہاں اس نے پہلی فرصت میں کشمیری مجاہدین سے ملاقات کی...... ان کی زبانی عمران کو معلوم ہوا کہ بھارت کارگل سیکٹر میں کسی بڑے حملے کی

تیاریاں کر رہا ہے...... کشمیری مجاہدین غفار بٹ نے اسے بتایا کہ بھارت اس دفعہ مجاہدین کے خلاف اپنی ایئر فورس استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے...... اس نے کہا۔

”سرینگر ایئر پورٹ پر بھارت کے روسی ساخت کے ستر 70 بمبار طیارے اور اتنی ہی تعداد میں لڑاکا مگ طیارے بالکل تیار کھڑے ہیں...... کارگل سیکٹر میں بھارت نے اپنی ایک ڈویژن فوج کے علاوہ بوفورس توپوں پر مشتمل اپنا توپ خانہ بھی لے آیا ہے...... ان میں فیلڈ گنیں بھی ہیں اور میڈیم توپیں بھی ہیں...... اس کی وجہ یہ ہے کہ مجاہدین نے کارگل سیکٹر میں بھارتی فوج کی تین اہم چوکیوں پر قبضہ کر لیا ہے جس سے بھارتی سنیا کی سیاہ چین کی سپلائی کا راستہ بند ہو گیا ہے“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”اگر بھارت نے ایئر فورس استعمال کی تو ہمارے مجاہدین کو بھاری نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، کیونکہ ان کے پہاڑی کی ڈھلانوں پر مورچے ہیں“۔

مجاہد غفار بٹ بولا۔

”اس طرح بھارت کو بھی شدید خطرہ ہے کہ مجاہدین اس کے بمبار اور لڑاکا طیاروں کو بڑی آسانی سے گرا سکیں گے، کیونکہ بھارت کے جہاز مجاہدین کے مورچوں کے سامنے سے ہو کر گزریں گے اور وہ مجاہدین کی زد میں ہوں گے“ اس کے باوجود خطرہ ہے کہ کہیں مجاہدین کو بھاری جانی نقصان نہ اٹھانا پڑے، کیونکہ مجاہدین کے پاس اتنا اسلحہ نہیں ہے کہ وہ آمنے سامنے کی جنگ میں اسلحہ اور جنگی ساز و سامان کے اعتبار سے بھارتی فوج کا زیادہ دیر تک مقابلہ کر سکیں“۔

”تمہارے خیال میں مجاہدین کو کیا کرنا چاہئے؟“ عمران نے پوچھا...... غفار بٹ بولا۔

”مجھے ملنے والی رپورٹ کے مطابق کارگل سیکٹر میں تعینات بھارتی فوج کو بہت بڑی مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود سپلائی کیا جا رہا ہے...... بھارت یہاں ٹینک بھی لا رہا

ہے...... ہمیں بھارت کی فوجی طاقت کی مکمل رپورٹ چاہئے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بھارت کارگل سیکٹر میں کس پہاڑی پر توپوں کے مورچے تیار کر رہا ہے...... ہمارے مجاہدین نے یہ اطلاعات حاصل کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ہم ناکام رہے ہیں...... بھارتی فوج نے کارگل کی پہاڑیوں کے بالکل سامنے والی پہاڑی پر مورچے قائم کئے ہوئے ہیں...... اس پہاڑی اور اس کے ساتھ والی پہاڑی پر بھارتی توپ خانے نے خفیہ جگہوں پر توپیں نصب کر دی ہیں، مگر ان توپوں کو اسی طرح کیموفلاج کیا گیا ہے کہ لاکھ کوشش کے باوجود ہمارے مجاہدین توپوں کے مورچوں کا کھوج نہیں لگا سکے۔

عمران نے کہا۔

”میں نے راستے میں جموں کشمیر روڈ پر بھارتی فوج کانوائیوں کی غیر معمولی نقل و حرکت نوٹ کی تھی...... میرا خیال تھا کہ یہ کانوائے معمول کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں سپلائی وغیرہ لے کر جا رہے ہیں، لیکن اگر بھارتی سینا نے کارگل پر قبضہ کر لیا تو مجاہدین کی سپلائی لائن کٹ جائے گی...... مجھے تم صرف دو دن کی مہلت دے دو...... اس دوران میں کارگل سیکٹر میں بھارت کی فوجی نفری اور توپ خانے کی صحیح صورت حال بھی معلوم کرتا ہوں“۔

اصل میں عمران کو واپس بمبئی جانا تھا جہاں اس کا ساتھی کمانڈو جبران اور ستار سیٹھ اس کی راہ دیکھ رہے تھے، چنانچہ عمران اسی روز بمبئی روانہ ہو گیا...... بمبئی پہنچ کر وہ ستار سیٹھ کو ان کے آفس میں ملا...... ستار سیٹھ نے کمانڈو عمران کو گلے لگا لیا...... کہنے لگے۔

”سچی بات تو یہ ہے کہ ہم تمہاری طرف سے صبر کر کے بیٹھ گئے تھے...... ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ روسی جہاز میں تم پکڑے گئے ہو اور زندہ نہیں بچے...... تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے...... یہ بتاؤ کہ جس مشن کو لے کر تم گئے تھے اس میں کامیاب

ہوئے ہو کہ نہیں؟“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا مشن کامیاب رہا ہے اور میں نے فوجی معاہدے کی فوٹو کاپی پاکستان کے حوالے کر دی ہے جس میں روس کی طرف سے بھارت کو پاکستان کے خلاف سپلائی ہونے والے فوجی ساز و سامان کی پوری فہرست درج تھی“۔

”الحمدللہ!“ ستار سیٹھ بے اختیار پکار اٹھے...... عمران نے کمانڈو جبران کا پوچھا...... ستار سیٹھ بولے۔

”وہ خیریت سے ہے...... تمہاری طرف سے بڑا پریشان تھا...... میں ابھی اسے بلواتا ہوں...... تم میرے ریسٹ ہاؤس میں جا کر اس کا انتظار کرو“۔

ایک گھنٹے بعد کمانڈو جبران عمران کے پاس بیٹھا تھا اور عمران اسے مختصراً اپنی کہانی بیان کر رہا تھا...... اس کے بعد عمران نے کارگل سیکٹر میں بھارت کی فوجوں کے اجتماع اور وہاں پہنچائی جانے والی بوفورس توپوں اور سرینگر ایئرپورٹ پر بھارت کے بمبار اور لڑاکا طیاروں کی موجودگی کا ذکر کیا تو جبران نے کہا۔

”کارگل سیکٹر میں کشمیری مجاہدین نے تین چار بڑی اہم چوکیوں پر قبضہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے سیاچن کی بھارتی فوجوں کی سپلائی لائن کٹ گئی ہے...... بھارت یقیناً بہت بڑا حملہ کرنے والا ہے“۔

عمران بولا۔

”میرا خیال ہے کہ بھارت سرکار نے اپنی فوجوں کو کارگل پر مکمل قبضہ کرنے کا حکم دے دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑے پیمانے پر پاک بھارت چھڑ سکتی ہے“۔

جبران نے کہا۔

”میرا خیال ہے بھارت یہ خطرہ مول نہیں لے گا...... اسے معلوم ہے کہ اگر بھارت کے پاس ایٹمی اسلحہ ہے تو پاکستان کے پاس بھی غوری اور شاہین میزائل موجود ہیں جو نیوکلر وار ہیڈ لے کر بھارت کے شہروں پر ایٹم بم گرا سکتے ہیں“۔

عمران بولا۔

”کچھ نہیں کہا جا سکتا...... میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہمیں دلی کے حاجی صاحب کے توسط سے جمیل مہدی صاحب سے ملنا چاہئے...... جمیل صاحب محکمہ جنگ میں ہوتے ہیں...... بھارتی ہائی کمانڈ کا کیا منصوبہ ہے، اس بارے میں مہدی صاحب ہی ہمیں کچھ خبر دے سکتے ہیں؟“۔

جبران نے کہا۔

”تو پھر دیر نہیں کرنی چاہئے...... ہمیں آج ہی دلی روانہ ہو جانا چاہئے“۔

دوپہر کے وقت ستار سیٹھ ریسٹ ہاؤس آئے تو عمران نے انہیں تمام حالات بتائے اور کہا کہ وہ دلی جا رہے ہیں...... ستار سیٹھ نے بھی انہیں دلی حاجی صاحب کے پاس جانے کا مشورہ دیا...... رات کی گاڑی سے کمانڈو عمران اور جبران دلی روانہ ہو گئے۔

اگلے روز وہ حاجی صاحب کے ہوٹل میں ان کے کمرے میں بیٹھے انہیں تمام حالات سے آگاہ کر رہے تھے...... حاجی صاحب کہنے لگا۔

”دلی میں یہ افواہ بڑی گرم ہے کہ بھارت نے آزاد کشمیر پر حملہ کر کے ایک ہی ہلے میں اس پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے...... بہر حال میں آج ہی رات جمیل صاحب کو بلا کر ان سے تمہاری ملاقات کرواتا ہوں...... اس وقت صرف یہی ایک شخص ہمیں صحیح صورت حال بتا سکتا ہے“۔

چنانچہ اسی رات حاجی صاحب نے جمیل مہدی کو اپنے ہاں بلوالیا...... عمران اور کمانڈو جبران بھی وہاں موجود تھے...... جمیل مہدی صاحب نے کہا۔

”بھارت نے کارگل پر قبضہ کرنے کے لئے پوری تیاری سے حملے کا آپریشنل

پلان تیار کر لیا ہے...... بھارت کی پندرہویں کور اور جموں میں ایئر ڈیفنس یونٹوں کی ساری اعلیٰ کمان اس وقت کارگل میں موجود ہے۔

جموں گیریژن اور کپواڑہ سے بھاری اسلحہ، بفورس توپیں اور فوجی یونٹ ٹرانسپورٹ طیاروں کے ذریعے کارگل پہنچائے جا رہے ہیں...... یہ بہت زبردست ملٹری آپریشن ہے...... بہت ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ہی دونوں ملکوں میں روایتی ہتھیاروں کی جنگ چھڑ جائے اور یہ جنگ روایتی ہتھیاروں کے بعد ایٹمی جنگ میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے، کیونکہ دونوں ملکوں کے پاس ایٹمی میزائل موجود ہیں“۔

کمانڈو عمران، جبران اور حاجی صاحب بڑے غور سے مہدی صاحب کی باتیں سن رہے تھے...... مہدی صاحب نے کہا۔

”واجپائی صاحب اس جنگ سے اپنی ہاری ہوئی سیاسی بازی جیتنا چاہتے ہیں اور کارگل کے پہاڑی دروں اور جموں سیاچن ہائی وے کو ہر حالت میں کشمیری مجاہدین سے واپس لینا چاہتے ہیں...... اس ہائی وے پر مجاہدین کے قبضے کے بعد سیاچن میں مقیم بھارتی فوج کی سپلائی لائن کٹ کر رہ گئی ہے“۔

کمانڈو عمران نے سوال کیا۔

”اتنے زبردست فوجی اجتماع کے لئے ایمونیشن کی سپلائی کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟“۔

مہدی صاحب کہنے لگے۔

”میری اطلاع کے مطابق جموں سیاچن شاہراہ کے پچاسویں سنگ میل پر بائیں جانب پہاڑی دروں میں ایک پہاڑی درہ آگے جا کر سیاچن شاہراہ کے بالکل قریب جا نکلتا ہے...... میں آپریشنل پلان کی جس فائل کو ایک نظر دیکھنے میں کامیاب ہوا ہوں اس کے مطابق اسی پہاڑی درے کی ایک قدرتی غار میں اس آپریشن کا سب سے بڑا ایمونیشن ذخیرہ جمع کیا گیا ہے یہاں سے کشمیر کے تمام محاذوں کے علاوہ سیاچن اور

کارگل فرنٹ پر ایمونیشن سپلائی ہوتا ہے“۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

”اس پہاڑی درے کی کوئی خاص نشانی آپ بتا سکتے ہیں؟“۔

مہدی صاحب خاموش ہو گئے...... کچھ سوچ کر کہنے لگے۔

”اس کے لئے مجھے آپریشنل پلان کی اس آفس کاپی کو کسی طرح ایک نظر دیکھنا ہو گا جو اس وقت ہمارے دفتر جنگ میں موجود ہے...... میں کل اس کو دیکھنے کی کوشش کروں گا...... اگر اس میں کامیاب ہو گیا تو کل رات کو اسی وقت آ جاؤں گا“۔

اس کے بعد جمیل مہدی صاحب چلے گئے، ان کے جانے کے بعد حاجی صاحب بولے۔

”بھارت آگ سے کھیل رہا ہے...... یہ واجپائی سیاسی بازی جیتنے کی کوشش میں کہیں دلی، بمبئی، مدراس کو راکھ کا ڈھیر نہ بنا دے“۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... یہ جنگ صرف کارگل تک ہی محدود نہیں رہے گی...... یہ آگ تمام محاذوں پر پھیل جائے گی اور اگر بھارت نے کسی محاذ پر ایٹمی ہتھیار استعمال کئے تو پاکستان ہرگز پیچھے نہ رہے گا...... وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے گا اور یوں دونوں ملکوں میں تباہی پھیل جائے گی“۔

عمران بولا۔

”ہم اس جنگ کو روک تو نہیں سکتے، لیکن کم از کم کارگل کے محاذ پر بھارت کی بڑھتی ہوئی جارحانہ سرگرمیوں کو کچھ عرصے کے لئے روک ضرور سکتے ہیں...... ہو سکتا ہے اس عرصے میں بھارت کو عقل آ جائے اور وہ کشمیر کے مسئلے کو بات چیت سے حل کرنے پر مجبور ہو جائے“۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"اگر تم ایسا کر سکو تو یہ مجاہدین کی بہت بڑی کامیابی ہوگی اور ایک طرف کشمیر کا پچاس سالہ پرانا مسئلہ گفتگو کی میز پر آجائے گا اور دوسری طرف دونوں ملک ایٹمی جنگ کی آگ سے بچ جائیں گے، کیونکہ بقول مہدی صاحب یہ بہت بڑا ایمونیشن کا ذخیرہ ہے اور کارگل اور کشمیر کے تمام محاذوں کو اسی ایمونیشن کے ذخیرے سے ایمونیشن سپلائی ہوتا ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کے لئے کوشش کی جاسکتی ہے"۔

کمانڈو جبران بولا۔

"خدا کرے کہ مہدی صاحب کو کارگل سیکٹر کے اس درے کی کوئی خاص نشانی مل جائے جہاں بھارت کا یہ ایمونیشن ڈمپ ہے"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"مہدی صاحب بڑے اہم پوسٹ پر کام کر رہے ہیں اور محکمہ جنگ میں انہوں نے اپنا بہت اثر و رسوخ بنایا ہوا ہے، جو اطلاعات انہوں نے ہمیں فراہم کی ہیں وہ ایک عام آدمی خواہ وہ کتنا بڑا افسر ہی کیوں نہ ہو حاصل نہیں کر سکتا...... میں سمجھتا ہوں کہ یہ ٹاپ سیکرٹ انفارمیشن ہے جو انہوں نے بھارت کے کارگل آپریشنل پلان کے بارے میں ہمیں دی ہیں...... انشاء اللہ وہ ایمونیشن ڈمپ کے بارے میں بھی پوری تفصیل فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

دوسرے دن مہدی صاحب کا کوئی پیغام نہ آیا...... شام بھی گزر گئی اور رات آگئی...... کمانڈو جبران مایوس ہو گیا، کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے مہدی صاحب مطلوبہ انفارمیشن حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا...... وہ رات کے بارہ بجے بھی آسکتے ہیں"۔

یہ لوگ حاجی صاحب کے کمرے میں بیٹھے تھے...... عین اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی...... حاجی صاحب نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا اور دوسرے لمحے ان کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی، کہنے لگے۔

"ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں"۔

"بس آجایئے...... خدا حافظ!"۔

اور انہوں نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

"مہدی صاحب آرہے ہیں...... خدا کی قسم بڑا مرد غازی آدمی ہے"۔

آدھ گھنٹے بعد مہدی صاحب پہنچ گئے...... آتے ہی انہوں نے نفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ بات نہیں بن سکی جس کی مجھے توقع تھی"۔

سب ایک دم خاموش سے ہو کر رہ گئے...... مہدی صاحب بولے۔

"تازہ ترین اطلاعات کے مطابق سیلورتی کے پیش نظر بھارت کی اعلیٰ فوجی کمان نے ایمونیشن کو بھاری ذخیرے کے طور پر کسی ایک جگہ ڈمپ نہیں کیا بلکہ کارگل اور کپواڑہ کے درمیان فرنٹ لائن میں کئی جگہوں پر ایمونیشن سٹور قائم کئے ہیں تاکہ اگر کشمیری مجاہدین یا کشمیری کمانڈو کسی ایک ذخیرے کو اڑانے میں کامیاب ہو جائیں تو دوسرے ایمونیشن ڈمپ سے افواج کو سپلائی ملتی رہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارا ایمونیشن ذخیرے کو تباہ کرنے کا پلان تو شروع ہونے سے پہلے ہی ناکام ہو گیا"۔

مہدی صاحب بولے۔

"بھارت کارگل کی چوکیوں پر دوبارہ قبضہ کرنے اور اس علاقے سے کشمیری

مجاہدین کو نکالنے کے لئے بفورس توپوں کے علاوہ ہیلی کاپٹروں کی کھیپ بھی دھڑا دھڑ پہنچا رہا ہے، لیکن اپنے فوجی پلان کے مطابق بھارت کی فوجی ہائی کمان سب سے زیادہ بفورس توپوں پر بھروسہ کئے ہوئے ہے...... یہ توپیں راجیو گاندھی کے دور میں یورپ کے کسی ملک غالباً سویڈن سے خریدی گئی تھیں اور پہاڑی جنگ میں یہ بڑی کار آمد ثابت ہوئی ہیں...... ان توپوں کی مار بہت دور تک ہے اور اس کے گولے کا ڈھائی من بارود پھٹنے کے بعد بے پناہ تباہی مچاتا ہے...... یہ بھاری توپیں کارگل سیکٹر کی پہاڑیوں میں ان جگہوں پر نصب کی گئی ہیں جہاں سے ان کے گولے کارگل کی ان پہاڑیوں کو اڑا سکتے ہیں جہاں کشمیری مجاہدین کے مورچے ہیں...... اگر کسی طرح تم ان توپوں کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تم آدھی جنگ جیت جاؤ گے"۔

مہدی صاحب کی خفیہ رپورٹ ہمارے لئے بڑی قیمتی تھی...... کارگل سیکٹر میں بھارت کی ہیوی آرٹلری کی بفورس توپوں کی تعیناتی کا علم انہیں کشمیر فرنٹ پر جانے کے بعد بھی شاید نہیں ہو سکتا تھا...... مہدی صاحب بھارتی ہائی کمان کے اندر کی خبریں لائے تھے...... جیسے کہ مہدی صاحب کی شروع سے عادت تھی، جب انہوں نے تمام ضروری باتیں ہمیں بتا دیں تو اٹھ کر چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد عمران نے حاجی صاحب سے کہا۔

"حاجی صاحب اب ہمارا اسی وقت کشمیر فرنٹ کی طرف روانہ ہونا ضروری ہو گیا ہے...... کوئی پتہ نہیں ہمارے وہاں پہنچنے تک بھارت نے کارگل سیکٹر کی پہاڑیوں پر گولہ باری شروع کر دی ہو"۔

حاجی صاحب بولے۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں"۔

عمران نے جبران سے کہا۔

"تم میرے ساتھ جاؤ گے...... لگتا ہے ہمارا اصل مشن اب شروع ہو رہا ہے"۔

دونوں کمانڈو دوستوں نے باقی رات حاجی صاحب کے ہاں بسر کی اور ابھی رات کا اندھیرا ہی تھا کہ وہ دلی کے ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑے...... ایک ٹرین صبح صبح جموں کی طرف جاتی تھی...... جموں کشمیر کے محاذ پر فوجی نقل و حرکت کے پیش نظر ریلوے نے یہ ٹرین حال ہی میں چلائی تھی اور اس کا نام پوجا ایکسپریس رکھا گیا تھا...... معمول کے مطابق دونوں دوست کمانڈو ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں سوار ہوئے...... راستے میں وہ بہت کم اپنے ڈبوں سے باہر نکلتے...... کسی کسی وقت صرف ایک دوسرے کو اپنی شکل دکھانے کے لئے ڈبے سے نکل کر تھوڑی دیر کے لئے پلیٹ فارم پر اترتے اور واپس اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ جاتے۔

مشرقی پنجاب کا علاقہ شروع ہوا تو دونوں محتاط ہوگئے، کیونکہ یہاں سے بے حد حساس علاقے کا آغاز ہوتا تھا اور انٹیلی جنس کے آدمی ہر سٹیشن پر موجود ہوتے تھے...... عمران اور جبران بھی کوئی اناڑی نہیں تھے...... انہیں انٹیلی جنس والوں سے اپنے آپ کو چھپانے کا گر معلوم تھا...... ٹرین جموں توی کے سٹیشن پر پہنچ گئی...... یہاں سی آئی ڈی والے ہر بھیس میں موجود رہتے تھے اور ٹرین سے اترنے والوں کا پورا پورا جائزہ لیتے تھے...... ان لوگوں کو بڑے اختیارات حاصل تھے...... وہ کسی بھی آدمی کو روک کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتے تھے اور ذرا سا شک پڑنے پر انہیں پولیس کے حوالے کر سکتے تھے...... جب سے کارگل فرنٹ پر مجاہدین کی سرگرمیاں تیز ہوئی تھیں ریلوے والوں نے سٹیشن پر زیادہ سختی کرنی شروع کر دی تھی...... جن مسافروں کے ساتھ بال بچے ہوتے تھے انہیں صرف جائزہ لے کر گیٹ سے گزر جانے دیا جاتا تھا، لیکن اکیلے مسافر کی باقاعدہ چیکنگ ہوتی تھی۔

ان حالات کے پیش نظر کمانڈو عمران اور جبران جموں توی سے دو سٹیشن پیچھے ہی ٹرین پر سے اتر گئے تھے اور وہاں سے انہوں نے جموں جانے والی لاری پکڑ لی تھی لاری کے اڈے پر آ کر وہ سرینگر جانے والی لاری پر سوار ہوگئے...... یہ لاری پوجا ایکسپریس

کے مسافروں کا انتظار کر کے سرینگر روانہ ہوتی تھی...... اس طرح کمانڈو عمران اور جبران محفوظ رہ کر سرینگر پہنچ گئے...... سرینگر کے لاری اڈے پر وہ دو منٹ چائے کی ایک پیالی پینے کے لئے بھی نہ رکے اور باہر نکل کر پیدل ہی ایک طرف چل پڑے...... وہ جانتے تھے کہ انہیں کشمیری مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے پر کیسے اور کس طرف سے پہنچنا ہے...... وہ ایک بڑی سڑک پر آ گئے جو آگے...... کی طرف جا رہی تھی...... ہم نے مصلحتاً اس جگہ کا نام نہیں لکھا جس طرف یہ سڑک جا رہی تھی یہاں انہیں پیچھے سے آتی ایک بس مل گئی جس نے انہیں...... شہر میں پہنچا دیا...... اس شہر کے آس پاس پہاڑی علاقہ تھا...... یہاں وہ ایک تانگے میں سوار ہو کر دس پندرہ میل آگے ایک اور جگہ پہنچ کر تانگے سے اتر گئے...... اب ان کا پہاڑیوں میں پیدل سفر شروع ہو گیا...... سارا دن وہ پہاڑی گھاٹیوں، کھڈوں اور خشک برساتی نالوں میں پیدل چلتے رہے...... سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے کشمیری مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے پر آ گئے۔

کشمیری مجاہدین کے لیڈر کا نام کچھ اور تھا مگر ہم اسے غازی کے نام سے پکاریں گے...... غازی نے بتایا کہ بھارتی فوج نے کارگل سیکٹر میں مجاہدین کے خفیہ ٹھکانوں پر توپوں سے گولہ باری اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے راکٹ برسانے شروع کر دیئے ہیں۔

"ہمیں جو اطلاعات ملی ہیں...... ان کے مطابق بھارتی فوجی بھی بہت مارے گئے ہیں، لیکن ہمارے مجاہد بھی کافی تعداد میں شہید ہوئے ہیں...... پہاڑی ڈھلانوں کے نیچے سیاچن کارگل کی سڑک پر لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں...... یہ سب بھارتی توپوں کی وجہ سے ہوا ہے...... بھارت نے کارگل کی پہاڑیوں کے سامنے بلندی پر جو توپیں نصب کی ہیں ان کے گولے بہت تباہی پھیلا رہے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے جبران کی طرف دیکھا...... وہ جانتے تھے کہ یہ سارا نقصان بھارتی توپ خانے کی بفورس توپوں کی وجہ سے ہو رہا ہے جن کو تباہ کرنا اب بہت ضروری ہو گیا تھا۔ عمران نے غازی سے کہا! "مجھے دو مجاہد کمانڈو چاہئیں جو تربیت یافتہ اور تجربہ کار ہوں۔ ہم ان توپوں کو تباہ کرنے کے مشن پر جائیں گے"۔

غازی بولا۔

"اس وقت ایسے چھ سات مجاہد کمانڈو ہمارے ٹھکانے پر موجود ہیں...... تم جتنے چاہو ساتھ لے جا سکتے ہو"۔

عمران نے کہا۔

"زیادہ کی ضرورت نہیں ہے...... ہمیں صرف دو کمانڈو چاہئیں"۔

غازی نے کہا۔

"ایک کشمیری کمانڈو شاہ رخ ہے اور دوسرا کمانڈو فیروز بٹ ہے...... فیروز بٹ کارگل کی پہاڑیوں اور اس کے دروں اور گھاٹیوں کی پوری پوری واقفیت رکھتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ اور بھی اچھی بات ہے...... ہمیں اس مشن میں ایسے کمانڈو کی ضرورت تھی"۔

وہ کل چار کمانڈو تھے...... عمران، جبران، شاہ رخ اور کمانڈو فیروز بٹ، انہیں راتوں رات کارگل سیکٹر میں پہنچا دیا گیا...... وہ پہاڑیوں میں ایسی جگہ پر تھے جہاں سے انہیں بھارتی توپ خانے کی گولہ باری کے دھماکے سنائی دے رہے تھے...... میراج بمبار طیارے بھی پہاڑیوں کے اوپر سے گزر جاتے تھے...... دن کے وقت انہوں نے گن شپ ہیلی کاپٹر بھی کارگل کی ان پہاڑیوں کی طرف جاتے دیکھے جہاں مجاہدین کے خفیہ مورچے تھے...... بھارتی توپ خانے کے دھماکے اگرچہ کافی دور ہو رہے تھے مگر ان کی گونج اور دھماکے سے کمانڈو عمران اور جبران سمجھ گئے تھے کہ یہ دھماکے بفورس توپوں ہی کے ہو سکتے ہیں جنہیں وہ توپوں کے مورچے سمیت اڑانے کے مشن پر روانہ ہونے والے تھے۔

جب کمانڈو اس قسم کے مشن پر جاتے ہیں تو وہ واپس آنے کے لئے نہیں جاتے...... وہ اس امید کو دل سے نکال دیتے ہیں کہ وہ واپس بھی آجائیں گے...... وہ شہید ہونے جاتے ہیں، لیکن یہ عہد کر کے جاتے ہیں کہ شہید ہونے سے پہلے وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے اور اپنا ٹارگٹ مار لیں گے...... یہ چاروں کمانڈو بھی یہی عہد کر کے جا رہے تھے...... سارا دن انہوں نے پہاڑی کے ایک غار میں گزارا...... جیسے ہی سورج کارگل کی پہاڑیوں کی اوٹ میں گیا اور وادیوں پر اندھیرے کا سایہ پھیل گیا چاروں کمانڈو اللہ کا نام لے کر اپنے مشن پر چل پڑے...... ہر کمانڈو کے پاس ایک راکٹ لانچر، ایک کمانڈو چاقو، ایک سٹین گن اور آٹھ ہینڈ گرنیڈ تھے...... رات ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنی پہاڑیوں کے علاقے سے نکل گئے...... آگے وہ علاقہ شروع ہو رہا تھا جس کی پہاڑیوں پر دشمن کا قبضہ تھا اور نیچے دروں اور پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر دشمن کی انفنٹری کے مشین گنوں کے مورچے موجود تھے...... یہاں کمانڈو عمران نے فیروز بٹ مجاہد کو اپنے ساتھ کر لیا اور جبران اور شاہ رخ کو کہا کہ چھ چھ قدم کے فاصلے پر بکھر کر ہمارے ساتھ چلو...... دشمن بھاری توپوں سے مجاہدین کے ٹھکانوں پر گولہ باری کر رہا تھا...... پھٹتے گولوں کے دھماکوں سے پہاڑیاں لرز رہی تھیں اور یہ چاروں مجاہد کمانڈو جذبہ شہادت سے سرشار دشمن کے مورچوں کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

آگے کے ایمان افروز اور جرائت آموز واقعات آپ کتاب

جہاد مشن

میں پڑھئے گا۔